تسمیۃ القرآن

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز

Marfat.com

تسمیۃ القرآن

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز
365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695
www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

Marfat.com

جملہ حقوق بحق تحریکِ منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	: تسمیۃ القرآن
مصنف	: ڈاکٹر محمد طاہر القادری
پروف ریڈنگ	: عبدالجبار قمر، محمد علی قادری
اشاریہ و تخریج	: عبدالجبار قمر
کمپوزنگ	: غلام نبی، محمد سلیم حسن، محمد یامین (منہاجینز)
مطبع	: منہاجُ القرآن پرنٹرز، لاہور
نگرانِ طباعت	: محمد جاوید کھٹانہ (منہاجین)
اشاعت اول	: مئی 1981ء
اشاعت دوم	: مارچ 1983ء
اشاعت سوم	: جون 1984ء
اشاعت چہارم	: جولائی 1985ء
اشاعت پنجم	: مئی 1995ء
اشاعت ششم	: دسمبر 2000ء 1,100
اشاعت ہفتم	: اکتوبر 2004ء 1,100
قیمت	: 150

ISBN # 969-32-0278-3

نوٹ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے آڈیو/ ویڈیو کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاجُ القرآن پبلیکیشنز)

sales@minhaj.biz

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

Marfat.com

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴۔۱/۸۰ پی آئی وی مؤرخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷۔۴۔۲۰ جنرل وایم ۹۷۰/۴۔۷۳۔۳ مؤرخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱۔۶۷ این۔۱/اے ڈی (لائبریری) مؤرخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ ۶۳۔۸۰۶۱/۹۲ مؤرخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجز اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	تقدیم	
باب ۱	حکمتِ استعاذہ	۲۱
۱	استعاذہ کی شرعی حیثیت	۲۱
	استعاذہ کا معنی و مفہوم	۲۴
	اعوذ کا معنی	۲۴
	الشیطان کا معنی	۲۵
	الرجیم کا معنی	۲۶
۲	الشیطان الرجیم کے معنوی اطلاقات	۲۸
	پہلا اطلاق	۲۸
	ابلیس شیطان کیسے بنا	۳۱
	دوسرا اطلاق	۲۸
	شیطانی شر کی پہلی صورت	۳۳
	شیطانی شر کی دوسری صورت	۳۴
	شیطانی شر کی تیسری صورت	۳۵
	نظر شر کا ثبوت	۳۵
	شیطانی شر کی چوتھی صورت	۳۹
	شیطانی شر کی پانچویں صورت	۴۰
	تیسرا اطلاق	۴۱
۳	استعاذہ کی حکمتیں	۴۲
	پہلی حکمت	۴۲

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	دوسری حکمت	۴۵
	تیسری حکمت	۴۶
	چوتھی حکمت	۴۶
	پانچویں حکمت	۴۶
	چھٹی حکمت	۴۷
	ساتویں حکمت	۴۸
	آٹھویں حکمت	۴۸
۴	وجوہ تقدیم	۴۹
	پہلی وجہ	۵۰
	دوسری وجہ	۵۳
	تیسری وجہ	۵۳
	چوتھی وجہ	۵۴
	ارکانِ استعاذہ	۵۴
	استعاذہ اور تسمیہ کا باہمی تعلق	۵۵
باب ۲	فلسفہ تسمیہ	۵۹
۵	تسمیہ کی ترکیبِ نحوی اور ایک لطیف نکتہ	۶۱
	تسمیہ کی شرعی حیثیت	۶۲
	نماز میں قرأتِ تسمیہ کا حکم	۶۳
	تسمیہ سے ہر کام کے آغاز کا حکم (تاریخی پس منظر)	۶۵
۶	حذفِ فعل کی حکمت	۶۹

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی حکمت	۷۰
	دوسری حکمت	۷۰
	تیسری حکمت	۷۲
	آیت الحمد سے استدلال	۷۴
	چوتھی حکمت	۷۵
۷	حرفِ باء کی افادیت	۷۷
	بائے مصاحبت	۷۷
	بائے استعانت	۸۰
	بائے تبرک	۸۲
	کلمہ اسم سے ذات نبوی ﷺ پر استدلال	۸۲
	تسمیہ میں فعل، حرف اور اسم کے باہمی تعلق پر اشارہ لطیف	۸۴
	تصور دلالت اور کلمہ اسم کی وساطت	۸۶
	ذات محمدی ﷺ کلمہ اسم کا مدلول کامل ہے	۸۷
	ذاتِ محمدی ﷺ اور شان اہمیت	۹۱
	حرفِ جار کی نسبت ایک لطیف نکتہ	۹۳
باب ۳	تسمیہ میں لفظِ اسم کی معنوی حکمت	۹۷
۸	لفظ اسم کا معنی	۹۹
	اسم اور مسمی کا تعلق	۱۰۲
	قرآنی استدلال کے دو پہلو	۱۰۲
	اسم اور ذات و صفات کا باہمی رشتہ	۱۰۵

Marfat.com

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۰۸	حضرت آدم اور تعلیم اسماء کی حکمت	
۱۱۲	اسم کی شانِ مظہریت	
۱۱۴	بیانِ اسم کے چند اسرار	
۱۱۸	ذرائع سے اکتساب فیض اور انتسابِ فعل کا مسئلہ	
۱۲۳	**لفظ اللہ کے تفسیری معارف**	**باب ۴**
۱۲۵	لفظ اللہ کی اسمی اہمیت	۹
۱۲۶	قرآن اور بیانِ اسم ذات	
۱۲۹	مذاہبِ عالم اور تصورِ اسم ذات	
۱۳۰	لفظ اللہ کی شانِ علمیت	
۱۳۳	لفظ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت	
۱۳۳	لفظ اللہ کی اصل اور اس کا اشتقاق	۱۰
۱۳۴	پہلا مادہ اشتقاق	
۱۳۶	دوسرا مادہ اشتقاق	
۱۴۱	تیسرا مادہ اشتقاق	
۱۴۵	چوتھا مادہ اشتقاق	
۱۴۸	پانچواں مادہ اشتقاق	
۱۵۰	چھٹا مادہ اشتقاق	
۱۵۴	ساتواں مادہ اشتقاق	
۱۵۶	آٹھواں مادہ اشتقاق	

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
باب ۵	**الرحمٰن الرحیم کے تفسیری معارف**	۱۵۹
۱۱	**الرحمٰن کے لغوی اور اصطلاحی معنی**	۱۶۱
	الرحمٰن کی اسمی خصوصیت	۱۶۲
	الرحیم کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۶۵
	صفات کا اشتراک اور اختصاص	۱۶۵
	رؤف ورحیم	۱۶۶
	سمیع وبصیر	۱۶۶
	شہید	۱۶۷
۱۲	**الرحمٰن اور الرحیم میں معنوی امتیاز**	۱۶۸
	۱۔ الرحمٰن ...... رحمتِ حق کا صفتی ظہور	۱۶۹
	الرحیم ...... رحمت حق کا فعلی ظہور	۱۶۹
	۲۔ الرحمٰن ...... عموم رحمت کا بیان	۱۷۰
	الرحیم ...... خصوص رحمت کا بیان	۱۷۰
	۳۔ الرحمٰن ...... تمام انواع رحمت کو شامل ہے	۱۷۲
	الرحیم ...... قبول توبہ ومغفرت کو شامل ہے	۱۷۲
	۱۔ رحمتِ حق کا ایجادی پہلو	۱۷۳
	۲۔ رحمتِ حق کا ابقائی پہلو	۱۷۵
	زمین کی تخلیق رحمت الٰہی ہے	۱۷۵
	دریاؤں اور سمندروں کی تخلیق رحمتِ الٰہی ہے	۱۷۶
	حیوانات کی تخلیق رحمت الٰہی ہے	۱۷۸

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	شجر و حجر کی تخلیق رحمت الٰہی ہے	۱۸۰
	شمس و قمر کی تخلیق رحمت الٰہی ہے	۱۸۱
	کائنات ارض و سماء کی تخلیق رحمتِ الٰہی ہے	۱۸۲
	۳۔ رحمتِ حق کا اکمالی پہلو	۱۸۲
	۴۔ الرحمٰن ...... دنیا کی رحمت کا آئینہ دار ہے	۱۸۴
	الرحیم ...... آخرت کی رحمت کا آئینہ دار ہے	۱۸۴
	امام ابن مبارکؒ کا قول	۱۸۵
	الرحمٰن الرحیم دونوں کو اکٹھا بیان کرنے کا مقصد	۱۸۷
۱۳	صفتِ رحمت کی تخصیص کیوں؟	۱۹۰
	رحمت کا معنی و مفہوم	۱۹۱
	ذاتِ باری تعالیٰ اور مفہومِ رحمت	۱۹۳
	رحمتِ حق کا حقیقی تصور	۱۹۴
	رحمتِ حق کی حسی صورت	۱۹۵
	رحمتِ حق کی معنوی صورت	۱۹۹
	۱۔ تکالیف بنائے احساسِ رحمت ہے	۲۰۰
	۲۔ تکالیف وجہ التفات رحمت ہے	۲۰۱
	۳۔ تکالیف خود تادیبی رحمت ہے	۲۰۳
باب ۶	تسمیہ کی عملی حکمت و افادیت	۲۰۵
۱۴	مطالعہ قرآن سے متعلق دو اہم امور	۲۰۷
	۱۔ آدابِ گفتگو کی تعلیم	۲۱۰
	۲۔ آدابِ معاشرت کی تعلیم	۲۱۱

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	۳۔ ترکِ تکبر کی تعلیم	۲۱۴
	۴۔ آدابِ بندگی کی تعلیم	۲۱۵
	تسمیہ اور قربِ فرائض	۲۱۶
	تسمیہ اور مقام تکوین	۲۱۷
	۵۔ توحید و توکل کی تعلیم	۲۲۰
	۶۔ اصلاح احوال کی تعلیم	۲۲۲
	۷۔ مظاہرِ قدرت کے عرفان کی تعلیم	۲۲۳
	۸۔ ذرائع اور اسباب سے استفادہ و استمداد کی تعلیم	۲۲۶
	غیر مادی اور روحانی اسباب کی واقعیت	۲۲۷
	۹۔ اسماء الٰہیہ کے ذکر کی تلقین	۲۳۰
	۱۰۔ رحمت حق سے مایوسی کی ممانعت	۲۳۲
	۱۱۔ خلق خدا سے حسن سلوک کی تعلیم	۳۳۳
	۱۲۔ قدرت الٰہیہ کو محیط کل سمجھنے کی تلقین	۲۳۸
	۱۳۔ مکمل دستور حیات کی تعلیم	۲۳۹
	۱۴۔ خوف و رجا کی تعلیم اور توازن	۲۴۱
	۱۵۔ مراتبِ عروج و نزول کی تعلیم	۲۴۱
	حقیقت انسانی کی یاد کی تعلیم	۲۴۶
۱۵	اشاریہ	۲۴۹
۱۶	کتابیات	۲۹۷

Marfat.com

انتساب

یہ کتاب جو "تسمیۃ القرآن" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے درحقیقت قرآن مجید کی زیر تالیف تفسیر "منہاج القرآن" کا حرف آغاز ہے۔ میں اس حرف آغاز سے ہی "منہاج القرآن" کا انتساب اس وجود مسعود کے نام کرتا ہوں جس کے توسط سے عالم انسانیت کو "قرآن" نصیب ہوا، جس پیکر حسن و جمال کا خلق سراپا قرآن اور نطق بیانِ قرآن تھا۔ جس کا دل مہبطِ قرآن اور زبان مصدر قرآن جس کی ادا مراد قرآن اور حیات مفہومِ قرآن تھی۔ جس کا حکم امر قرآن اور منع نہی قرآن تھی۔ جس کی نبوت سند قرآن اور رسالت پیغام قرآن تھی اور آج تک جس کا مرکز ہدایتِ قرآن اور راستہ منہاج القرآن ہے۔ یعنی وہ امام المرسلین سیدنا و مولانا محمد النبی الامی الرؤف الرحیم الجواد الکریم (**فداہ روحی و قلبی و قرت عینای بتربۃ نعلیہ** ﷺ) ہیں۔

اس لئے میں اپنی زیر تالیف تفسیر "منہاج القرآن" کا ایک ایک حرف اور ایک ایک جزو حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف

میں اپنی بے علمی و کم مائیگی کے پیش نظر یہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اتنے بڑے کام کا آغاز کروں گا لیکن یہ سب ان ہی کے لطف و کرم اور فیضان و عنایت کا ثمرہ ہے کہ میں نے خدا کا نام لے کر اس کار عظیم کو شروع کر دیا ہے۔ اب میں آپ ﷺ ہی کی رحمت اور نظر شفقت کی طرف متوجہ ہوں جو پہلے بھی باری تعالیٰ کے فضل و احسان اور توفیق و انعام کا

Marfat.com

باعث رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

قارئین کو میری اس کاوش میں اگر کوئی حسن و خوبی کا پہلو دکھائی دے تو وہ محض توفیقِ ایزدی جل مجدہ اور رحمت نبوی ﷺ کی وجہ سے ہو گا اور اگر کوئی سہو و خطا کا پہلو ہو تو وہ محض اس بے علم و کم آگاہ کی اپنی وجہ سے ہو گا' چنانچہ وہ اس سے درگزر کرتے ہوئے تجویز اصلاح اور دعائے خیر فرمائیں۔

اے باری تعالیٰ! میں نے خدمت قرآن کے اس کام کا آغاز تیری رضا کی خاطر تیرے حبیب ﷺ کی خدمت میں ہدیہ نیاز پیش کرنے کی غرض سے کیا ہے، تو اسے اپنی بارگاہ عافیت پناہ میں منظور فرما۔ اسے دربار مصطفوی ﷺ میں "ہدیہ مقبول" کا شرف عطا کر اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت و توفیق مرحمت فرما۔ میرے فہم و بیان کی خطا کو معاف کر اور مجھے اخلاق وانشراح کی دولت سے بہرہ یاب فرما۔

(رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ)

خاکپائے علماء

(ڈاکٹر) محمد طاہر القادری

Marfat.com

تقدیم

از

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مدظلہ

دینی اعتبار سے ہماری حیات قومی کا زوال اس طرح نمایاں ہے کہ آج تبلیغ اسلام سے جتنی تعداد میں لوگ اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ دوسرے افکار و نظریات کی تبلیغ کے باعث اس سے زیادہ تعداد میں ارتداد و الحاد کی طرف راغب ہوتے جارہے ہیں۔ یہ صورتحال دین کامل کے اس مسخ شدہ تصور کا نتیجہ ہے جس کی رو سے دین چند مابعد الطبیعی عقائد، اخلاقی اسباق، تمدنی ضوابط، معاشرتی اصولوں، فقہی قواعد اور چند ایسی عبادات سے عبارت ہو کر رہ گیا ہے جو اپنی معنویت، مقصدیت اور عملی افادیت کھو کر محض اوہام اور رسوم و ظواہر میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ جن کا کوئی اثر عملی زندگی پر باقی نہیں رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دعوت اسلام کے نام سے جن حقائق کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ ان کی نتیجہ خیزی کا یقین نہ خود مبلغین کو ہے نہ ان کے مخاطبوں کو، جس کی وجہ موثرات زندگی کے بدل جانے کے بعد زندگی کے ہر تقاضے کا پورا ہونا اسلامی دستور حیات کی خلاف ورزی پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔

اس صورتحال کے علاج کے لئے جب مذہبی ذہن قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مطالعہ قران سے آرزو غلبہ حق کی پیدا ہوتی ہے اور مشاہدہ غلبہ باطل کا ہوتا ہے۔ اس سے ہماری بے یقینی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مذہبی ذہن ایک تو اس یقین سے محروم ہے کہ انبیاء کی تاریخ نے نوع انسانی کو بالعموم اور امت مسلمہ کو بالخصوص

Marfat.com

کوئی ایسی وراثت بھی سپرد کی ہے۔ جس میں دور مابعد رسالت میں امت کے زوال پذیر ہو جانے کے بعد دوبارہ عروج حاصل کرنے کی ضمانت ہو اور دوسرے مذہبی ذہن کی دینی حمیت، قرانی ہدایت کی نتیجہ خیزی کی ضمانت کی جستجو کے لئے بیدار نہیں ہوتی۔ حالانکہ اسی زندگی میں قرآنی ہدایت کے نتیجہ خیز ہونے کی ضمانت میسر نہ آئے تو معاذ اللہ خدائی کے سب دعوے صرف شاعرانہ تعلّی بن جاتے ہیں اور دور مابعد رسالت میں قرآن مجید وہی مفروضی نتائج پیدا نہ کر سکے جو دور رسالت میں پیدا ہوئے تھے تو نہ قرآن حجت رہ سکتا ہے اور نہ ختم نبوت کا کوئی جواز باقی رہتا ہے۔

ہم نے قرآن کو صحف ماسبق کی تمثیل پر قیاس کر کے اسے صرف قانون کا ماخذ تصور کیا ہے۔ جس سے دور اقتدار میں تو نتائج پیدا ہوتے رہے مگر جب ہم اقتدار سے اور اسلامی قانون، قوت نافذہ سے محروم ہوئے تو قانون سازی بے اثر ہو گئی۔ لیکن امت کے زوال پذیر ہو جانے کے باوجود آج تک مذہبی ذہن بجز قانون سازی کے قرآن سے کوئی اور تمنا نہ رکھ سکا۔

مزید یہ کہ "تکمیل دین" کا قرآنی تصور "تکمیل فقہ" میں بدل گیا۔ مذہبی ذہن نے تکمیل دین کے نتیجہ میں ختم نبوت کا یہ مفہوم سمجھنے کی بجائے کہ نوع انسانی، ہدایت قرآنی اور نبوت محمدی ﷺ کے ذریعے نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز کر دی گئی ہے۔ ختم نبوت سے تکمیل دین کا تصور اخذ کیا۔ اس طرح قیادت اور دینی فکر میں ایک خلاء محسوس ہونے لگا۔ چنانچہ انسانی استعداد کے زائیدہ افکار و علوم سے اس خلاء کو پر کرنے کی کوشش کی گئی اور زندگی کے کسی پہلو میں تعبیر کے بغیر نصوص کے ہدایت ہونے کا اعتماد بر قرار نہ رہا۔ اسی کے نتیجہ میں تفسیر، قرآن کا اور تعبیر و تاویل نصوص کا بدل بن گئی اور انسانی استعداد زائیدہ علوم نے علوم بیالوجی کی جگہ لے لی۔

عزیزؔ ای قدر پروفیسر محمد طاہر القادری نے یہ باور کرانے کے لئے درس قرآن کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ہم کہ:

Marfat.com

"دین کی اصل حقیقت جو انسانی شخصیت کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، سیاسی اور بین الاقوامی پہلوؤں پر محیط ہے۔ اس کے تمام تقاضے پورے کرنے کی تدبیر کتاب و سنت سے کیونکر میسر آسکتی ہے؟"

کیونکہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا کے باوجود توجہ کے صرف "شرع" پر مرکوز ہو جانے اور "منہاج" سے صرف نظر ہو جانے کی بنا پر ہم اس مشکل میں مبتلا ہوئے اور اس حقیقت کو بھلا دیا گیا کہ نزول قرآن کا مقصود صرف علم شرع ہی مہیا کرنا نہ تھا بلکہ زندگی کو شرع کے مہیا کردہ نمونہ فضائل کے مطابق ڈھالنے کا "منہاج" بھی فراہم کرنا تھا۔ موصوف نے "منہاج القرآن" کی طرف توجہ دلا کر اپنے درس کی بنیاد اس فکر پر رکھی ہے کہ قرآن زندگی کو پسندیدہ نمونے پر ڈھالنے کا منہاج بھی مہیا کرتا ہے۔ مجھے موصوف کے درس قرآن میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ قرآنی تعلیمات کو پیش کرنے کا جو طریقہ طاہر القادری صاحب نے اختیار کیا ہے اس سے یقین انگیزی کی وہ سب شرائط پوری ہوتی ہیں جو بالعموم اب تک نظر انداز کی جاتی رہی ہیں۔

جو خصوصیت طاہر القادری صاحب کے فکر اور طریق کار کو اب تک عمل میں آنے والی تمام مساعی سے متمیز کرتی ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر انقلاب اور قرآن مجید کو صحیفہ انقلاب کے طور پر نمایاں کرنا ہے۔ موصوف نے علماء اور دینی مدارس کے طلباء کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے لغوی اشتقاق، تفسیری، علمی اور نحوی مباحث کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور معانی و مطالب متعین کرنے میں ہر ایک کی سند قرآن مجید سے مہیا کی ہے۔ مختلف اطلاقات کی بحث میں قرآن سے دلائل پیش کئے ہیں۔ حکمت و فلسفہ کا استخراج بھی براہ راست قرآنی استدلال سے کیا ہے۔ قرآنی احکام کی عملی حکمت و افادیت اور جدید عصری مسائل کا حل بھی قرآنی فکر سے پیش کیا ہے لیکن ساتھ ساتھ احادیث نبوی ﷺ اور آثار صحابہ و تابعین سے بھی استناد کیا ہے تاکہ قرآن سے اخذ کردہ مفاہیم کی سند صحابہ و تابعین سے بھی مل سکے۔ انہوں نے مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین اور اکابر مشائخ صوفیاء کی

Marfat.com

تحقیقات سے بھی استفادہ کر کے ان کی سند حاصل کی ہے اور اپنے نتائج فکر کو قرآنی استدلال واستخراج کی بناء پر پیش کرنے کے ضمن میں ماضی کے فکری وعلمی ورثے سے لاتعلق نہیں ہونے دیا۔ تفسیر القرآن بالقرآن کے اسلوب کا ذکر تو مفسرین اور علماء کرتے آئے ہیں لیکن اس اسلوب کو جس طرح طاہر القادری صاحب نے اپنایا ہے اس کا اندازہ علامہ امر تسری (مدیر الاسلام) کے اس تبصرے سے ہوتا ہے کہ:

''پندرہ روزہ درس قرآن از پروفیسر محمد طاہر القادری صاحب کے شمارہ ۱۱، ۱۲ میرے سامنے ہیں۔ میں نے فی الحال ان کو سرسری سا دیکھا ہے۔ صاف صاف اعتراف کرتا ہوں کہ میں حیران رہ گیا، اپنی طویل عمر کا بڑا حصہ تفسیروں ہی میں گزرا ہے لیکن ایسی وسیع اور جامع العلوم تفسیر دیکھی نہ سنی۔ یہ تو ایک ادارہ کا کام تھا جسے تنہا پروفیسر صاحب موصوف انجام دے رہے ہیں .... میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم پروفیسر صاحب کو صحت مندی اور عمر طویل سے بہرہ یابی عطا فرمائے' تاکہ وہ اس امر عظیم کو تکمیل تک پہنچا سکیں۔ اس کی نشرواشاعت بڑے وسیع پیمانے پر ہونی چاہئے۔''

زیر نظر کتاب کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کا یہ انداز بلامبالغہ تحقیق اساسیہ میں منفرد اجتہادی مقام کا حامل ہے۔ اللہ پاک لغزشوں سے محفوظ رکھے اور شرح صدر میں اضافہ فرمائے۔

(ڈاکٹر) برہان احمد فاروقی

Marfat.com

باب ۱

حکمتِ استعاذہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

میں (باریابی کی کامل امید رکھتے ہوئے) اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے (جو نیکی سے دور اور حسد کی آگ میں جلنے والا ہے)

Marfat.com

تفسیر تسمیہ کا آغاز حکمت استعاذہ سے کیا جارہا ہے۔ ہر چند کہ استعاذہ' بسم اللہ کا حصہ نہیں ہے لیکن چونکہ تلاوت قرآن سے پہلے اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس لئے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تفسیر تسمیہ کے ضمن میں پہلے اس کی حکمت واضح کر دی جائے کہ استعاذہ سے مراد کیا ہے؟ اور اسے تلاوت قرآن سے پہلے پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم

ان الفاظ کو اصطلاح شرع میں "تعوذ" یا "استعاذہ" کہا جاتا ہے۔ یہ جملہ اپنی ترکیب اور ہیئت لفظی کے اعتبار سے قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس کے پڑھنے کا حکم ایک قرآنی آیت سے ماخوذ ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○	سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں ○
(النحل' ۱۶:۹۸)	

استعاذہ کی شرعی حیثیت

جمہور علماء کے نزدیک نماز کے علاوہ تلاوت قرآن سے پہلے استعاذہ مستحب ہے۔ امام خازنؒ نے اسے سنت لکھا ہے' بلکہ بعض کے نزدیک قرآنی حکم "فاستعذ" اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ عطاء بن ابی رباحؒ سے یہی منقول ہے۔ امام ابن سیرینؒ اسقاط وجوب کے لئے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ کا تعوذ کافی سمجھتے ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ قرآنی امر اس کی فرضیت اور وجوب کے لئے نہیں بلکہ ندب اور استحباب کے لئے وارد ہوا

Marfat.com

ہے۔اس کا ترک شرعاً گناہ نہیں ہے۔ بخاری، سنن اربعہ اور مسند امام احمد میں نماز، تلاوت اور اس کے علاوہ بھی تعوذ کا معمول آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

بعض علماء جن میں ابن سیرینؒ، ابراہیم نخعیؒ، داؤد ظاہریؒ وغیرہم شامل ہیں، نے متذکرہ بالا آیت کے ظاہر عبارت سے یہ استنباط کیا ہے کہ استعاذہ کا حکم تلاوت کے بعد کے لئے ہے۔ یہ قول مذہب مختار سے مطابقت نہیں رکھتا۔ دراصل اس آیت کی ترکیب لفظی درج ذیل آیت کے مماثل ہے۔ جس میں نماز سے پہلے وضو کا حکم صادر کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ۔ (المائدہ،۵:۶)	جب (تمہارا) نماز کے لئے کھڑے (ہونے کا ارادہ) ہو تو (وضو کے لئے) اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوؤ۔

اگر یہاں بھی صرف ظاہر عبارت کا مفہوم لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ "جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو اپنا منہ دھوؤ" حالانکہ وضو قیام صلاۃ کے بعد نہیں بلکہ پہلے شرط ہے۔ چنانچہ اس امر کے پیش نظر تمام مفسرین بالاتفاق "اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ" کا معنی "اذا اردتم القیام" (جب تم قیام کا ارادہ کرو) کرتے ہیں۔ یہی اصول "آیت استعاذہ" میں بھی کارفرما ہے۔ لہٰذا "اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ" کا معنی "اذا اردت القراۃ" (جب تو قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے) ہوگا۔ احادیث نبوی کے ذریعے بھی یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔ چنانچہ محض ظاہر عبارت سے اس قول کا استدلال درست نہیں ہے۔ بنابریں استعاذہ تلاوت سے قبل ہی مستحب ہے نہ کہ بعد میں۔

تعوذ کے لئے امام سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ نے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (مسند احمد بن حنبل، ۳:۵۰، ۵:۲۶) کے الفاظ پسند کئے ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور دیگر علماء نے صرف "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ

Marfat.com

مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کے الفاظ کو ہی مختار قرار دیا ہے۔ دونوں اقوال میں کوئی تضاد یا تناقض ہرگز نہیں۔ جس طرح بھی پڑھ لیا جائے درست ہے' کیونکہ قرآن کریم میں ایک مقام پر اس طرح مذکور ہے:

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُO	اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہی سنتا
(حم السجدہ' ۳۶:۴۱)	جانتا ہےO

ان دو آیات کے علاوہ بھی قرآن حکیم میں کئی مقامات پر استعاذہ کی تلقین کی گئی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ	اے انسان! اگر شیطان کی طرف سے کوئی
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO	وسوسہ (ان امور کے خلاف) ابھارے تو
(الاعراف' ۲۰۰:۷)	اللہ سے پناہ طلب کیا کر' بے شک وہ سننے
	والا اور جاننے والا ہےO

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ	اور تم کہو کہ اے میرے رب! میں تیری
الشَّيٰطِيْنِ O وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ	پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں
يَّحْضُرُوْنِO	سےO اور اے میرے رب! میں تیری
(المومنون' ۲۳: ۹۷-۹۸)	پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیںO

امام احمد بن حنبل' طبرانی' ابن ماجہ اور مسند ابی یعلی میں آنحضرت ﷺ سے تعوذ کے الفاظ اس طرح منقول ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ	اے اللہ! میں شیطان سے اس کی سرکشی
الرَّجِيْمِ وَ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔	اور اس کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا
	ہوں۔

ا۔ ابن ماجہ' کتاب' ۲۶۶:۱' اقامته الصلوة والسنه فيها' باب الاستعاذه فى الصلوة' رقم: ۸۰۸

Marfat.com

۲۔ مسند احمد بن حنبل '۱: ۴۰۴
۳۔ المستدرک للحاکم '۱: ۲۰۷ 'رقم: ۷۴۹
۴۔ السنن الکبریٰ للبیھقی '۲: ۳۶
۵۔ صحیح ابن خزیمہ '۱: ۲۴۰ 'رقم: ۴۷۲
۶۔ المعجم الکبیر '۲: ۱۳۴ 'رقم: ۱۵۶۸
۷۔ المصنف عبد الرزاق '۲: ۸۳ 'رقم: ۲۵۷۲

استعاذہ کا معنیٰ و مفہوم (التجا اور امید تکمیل)

استعاذہ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے تین الفاظ کے معانی پر غور کرنا ضروری ہے۔

اعوذ' الشیطان' اور الرجیم

(۱) **اعوذ**۔ عاذ یعوذ سے متکلم کا صیغہ ہے۔ یہ ''عوذ'' سے مشتق ہے۔ جس کا معنی کسی سے التجا کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے ''عاذ فلان بفلان'' (فلاں نے فلاں سے التجاء کی) متنبی کہتا ہے:

یا من الوذ به فیما او مله
و من اعوذ به ممن احاذره

حافظ ابن کثیرؒ استعاذہ کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

ھی الالتجاء الی الله تعالی والالتصاق بجنابه من شر کل ذی شر۔

(تفسیر ابن کثیر '۱: ۱۵)

استعاذہ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنے اور ہر صاحب شر کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لئے اس کی بارگاہ سے وابستہ و منسلک ہو جانے کو کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

العوذ' الالتجاء الی الغیر والتعلق به۔

(المفردات: ۳۵۲)

عوذ' کسی دوسرے سے التجاء کرنے اور اس سے منسلک رہنے کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

مختصر یہ کہ استعاذہ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے "التجاء واستدعا" اور اس کے دامن رحمت سے "تعلق و وابستگی۔" کسی سے التجاء واستدعا کے بعد وابستگی اس ذات سے رشتہ امید جوڑ لینے کو ہی کہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ التجاء واستدعا ہمیشہ کسی نہ کسی غرض اور مقصد کے لئے ہوتی ہے۔ جب کوئی متدعی کسی شخص سے اپنی التجاء بیان کر لیتا ہے تو اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ سکتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی التجاء کے مقصد و مدعا کے پورا ہونے کی امید قائم رہے اور کامیابی ہو' دوسری یہ کہ ناکامی ہو یعنی اس ذات سے آرزو کے پورا ہونے کی امید باقی نہ رہے۔ پہلی صورت میں ملتجی کا تعلق ملتجی الیہ سے قائم و دائم رہتا ہے۔ کیونکہ تکمیلِ مدعا کی امید رشتے کو بحال رکھتی ہے اور دوسری صورت میں جب کہ ملتجی کی کوئی امید باقی نہ رہے اور تکمیل مدعا کی آرزو پوری نہ ہو سکے تو وہ تعلق جو التجاء واستدعا سے قائم ہوا تھا' ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ التجاء کے بعد تعلق و وابستگی کا قائم رہنا تکمیل آرزو کی امید کی دلیل ہے۔ لہذا تعوذ یا استعاذہ التجاء اور امیدِ تکمیل دونوں کا نام ہے۔ کیونکہ تعوذ "ذات حق سے پناہ مانگنا اور پناہ مل جانے کی کامل امید رکھنا دونوں کو شامل ہے" اس لئے لفظ اعوذ کی معنوی وسعت پکار پکار کر بندگانِ خدا سے کہہ رہی ہے کہ ہر فتنہ و شر سے پناہ کی التجاء اللہ تعالیٰ سے کرو اور پھر اس کے دامن رحمت سے پر امید ہو کر وابستہ رہو' تمہیں ہر حال میں پناہ مل کر رہے گی۔ کیونکہ سوال و عطا دونوں کا مرجع و مرکز رب ذوالجلال ہے۔ "اعوذ" میں بارگاہ صمدیت کی کس قدر عظمت پنہاں ہے۔ آپ جتنے انہماک سے اس لفظ کی معنوی وسعت میں گم ہوں گے۔ بارگاہ الوہیت کے لطف وانعام کے اتنے ہی نظارے نصیب ہوں گے۔

(۲) دوسرا لفظ "**الشیطان**" ہے جس کے مادے کے بارے میں دو قول ہیں۔

ایک یہ لفظ "شیطان" "شطن" سے مشتق ہے اور دوسرا یہ "شاط" سے مشتق ہے۔

دونوں قول درج ذیل ہیں:

Marfat.com

(۱) امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں:

الشیطان النون فیه اصلیة و هو من شطن ای: تباعد۔	لفظ شیطان میں نون اصلیہ ہے اور وہ شطن سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ دور ہوا۔

(المفردات:۲۶۱)

لغت عرب میں کہا جاتا ہے غُرْبَةٌ شَطُونٌ (دور کی مسافری) امیہ بن ابی الصلت نابغہ ذبیانی اور سیبویہ نے یہ مادہ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں تشیطن فلان (کہ فلاں نے شیطانی فعل کیا) حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں صحیح یہی ہے کہ شیطان ''بعد'' کا معنی رکھتا ہے اور اسی پر کلام عرب کی بھی دلالت ہے:

(۲) امام راغب اصفہانیؒ نے دوسرا قول بھی بیان کیا ہے۔

قیل بل النون فیه زائدة من شاط یشیط احترق غضبا' فالشیطان مخلوق من النار کما دل علیه (وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ)۔ (المفردات:۲۶۱)	یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ شیطان میں نون زائدہ ہے اور یہ شاط یشیط سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ''غصے میں جلنا'' ہے کیونکہ شیطان آگ کی مخلوق ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے (اور جنات کو پیدا فرمایا آگ کے شعلے سے)

اس معنی کے لحاظ سے شیطان حسد' بغض' عناد سے عبارت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے مادہ اشتقاق کی بنا پر شیطان رحمت حق اور نیکی سے دوری پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے مادہ اشتقاق کی بناء پر شیطان غصہ وحسد' بغض وعناد اور تکبر ونخوت کی آگ پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) تیسر الفظ ''الرجیم'' ہے جس کا مادہ رجم ہے۔ الرجام پتھر کو کہا جاتا ہے۔ بنابریں الرجم۔ الرمی بالرجام (پتھر سے مارنا) کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جس پر پتھراو کیا گیا ہو

Marfat.com

اسے ''مرجوم'' کہتے ہیں۔ قرآن میں مذکور ہے کہ قوم نوحؑ نے تبلیغِ حق کا انکار کرتے ہوئے کہا۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ○

وہ بولے اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کئے جاؤ گے○

(الشعراء، ۲۶:۱۱۶)

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ۔

اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

(الملک، ۶۷:۵)

''الرجیم'' دراصل فعیل کے وزن پر مفعول ہے جو ''مرجوم'' یعنی مطرود عن الخیر (خیر اور نیکی سے بھگایا ہوا یا محروم کیا ہوا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

''الرجیم'' کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل کے طور پر راجم کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کی وجہ لکھتے ہیں:

لانه یرجم الناس بالوساوس۔

کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، ۱:۱۶)

قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ○

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے○ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے○

(الناس، ۱۱۴:۵۔۶)

لہذا الرجیم کے دونوں معنی خیر اور نیکی سے دور بھگایا ہوا اور ''وسوسہ اندازی کرنے والا'' قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

الشیطان الرجیم کے معنوی اطلاقات

یہ امر متفق علیہ ہے کہ استعاذہ یا تعوذ "شیطان رجیم" سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اس پناہ کے مل جانے کی امید کا نام ہے۔ اب یہ پہلو غور طلب ہے کہ "الشیطان الرجیم" کا معنوی اطلاق کس شے پر ہوتا ہے۔ پہلے کی گئی لغوی معنی و مفہوم کی بحث سے کافی حد تک اس لفظ کے اصطلاحی اطلاقات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ میرے نزدیک "الشیطان الرجیم" کے تین اطلاقات ہیں۔ جن کی تائید و تصدیق قرآن و حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ا۔ پہلا اطلاق۔ ابلیس (فرد خاص):

"الشیطان الرجیم" کا پہلا اور معروف اطلاق ایک مخصوص فرد پر ہوتا ہے۔ جس کا تعلق گروہ جنات سے ہے اور اس کا نام "ابلیس" ہے اسی کو عرف عام میں "شیطان" کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے۔ غالبًا سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ "سورۃ الاعراف" میں ہے جو آیت ۱۱ سے ۳۰ تک محیط ہے۔ ابلیس کے شیطان قرار پانے کی وجہ قرآن خود بیان کرتا ہے۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ○ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○

پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا ○ ارشاد ہوا (اے ابلیس) تجھے کس بات نے روکا تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا۔ جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے

Marfat.com

(الاعراف ۷: ۱۱۔ ۱۳)

بنایا ہےo ارشاد ہوا پس تو یہاں سے اتر جا تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔ پس میری بارگاہ سے نکل جا بے شک تو ذلیل و خوار لوگوں میں سے ہےo

اس سے آگے پھر ارشاد ہوتا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُ وْمًا مَّدْحُوْرًا۔
(الاعراف ۷: ۱۸)

ارشاد باری ہوا (اے ابلیس) تو ذلیل و مردود ہو کر نکل جا۔

سورۃ الحجر میں اسی واقعے پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ O فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ O اِلَّا اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ O قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ O قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ O قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ O
(الحجر ۱۵: ۲۹۔۳۵)

پھر جب میں اسکی (ظاہری) تشکیل کو کامل طور پر درست حالت میں لا چکوں اور اس پیکر (بشری کے باطن) میں اپنی (نورانی) روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑناo پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیاo سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیاo (اللہ نے) ارشاد فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ (ابلیس نے) کہا میں ہرگز ایسا نہیں (ہو سکتا) کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے

Marfat.com

گارے سے تخلیق کیا ہے۔ (اللہ نے)
فرمایا تو یہاں سے نکل جا پس بے شک تو
مردود (راندہ درگاہ) ہے۔ اور بے شک
تجھ پر روز جزا تک لعنت (پڑتی) رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو خلعتِ خلافت و نبوت سے سرفراز کر کے ان کی فضیلت و عظمت کا سرِ عام اعتراف کرنے کے لئے سجدۂ تعظیمی کا حکم صادر فرمایا' جسے تمام ملائکہ نے بلا تامل تسلیم کر لیا۔ لیکن ابلیس عظمتِ آدم کے سامنے سر بسجود ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بلکہ اس نے اپنے انکار کا یہ جواز پیش کیا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ سورہ الاعراف اور سورہ الحجر کے دونوں مقامات پر یہ صراحت سے مذکور ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے ان کی فضیلت سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ غضب الٰہی کا مستحق قرار پایا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ ایک بشر جس کی تشکیل مٹی کے گارے سے ہوئی ہے مجھ سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے۔ بارگاہ الوہیت میں یہی دلیل اس کے ملعون ہونے کا باعث بنی۔ حالانکہ بشریتِ آدم اور اس کی تشکیل کا ذکر کم و بیش اسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے پہلے خود ہی فرما دیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۝	اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں، بجتی مٹی سے جو بودار سیاہ گارے سے ہے۔
(الحجر' ۲۸:۱۵)	

لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کی تخلیق کا ذکر اس انداز میں کرنا محض اظہار مقصود کے لئے تھا۔ اس میں تنقیص نہ تھی جب کہ ابلیس بشریت آدم کا ذکر صرف انکار فضیلت آدم کی دلیل کے طور پر کر رہا تھا اور اس کا نقطہ بجائے اعتراف عظمت کے حضرت آدم کے ساتھ

Marfat.com

اپنا موازنہ تھا۔ یہ پہلو تنقیص نبوت کی طرف راجع تھا اور اس کی یہی سوچ حکم الٰہی سے انحراف کی بنیاد بنی۔ جس پر اسے ابدالاباد تک کے لئے رحمت الٰہیہ سے دور، قرب ایزدی سے محروم اور بارگاہ ربوبیت سے ملعون کر دیا گیا اور قرآنی ارشاد کے مطابق وہ "شیطان رجیم" کا مصداق اتم قرار پا کر ہمیشہ کے لئے لعنت کا مستحق قرار پایا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے "الشیطان" اور "الرجیم" کے القاب سے یاد کیا۔ کیونکہ لفظ شیطان اپنے ایک معنی کے اعتبار سے دوری پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے ابلیس کو اس نام سے موسوم کیا گیا کہ وہ تنقیصِ نبوت اور حکم الٰہی سے تمرد و انحراف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ عافیت سے دور کر دیا گیا ہے اور یہ لفظ اپنے دوسرے معنی کے اعتبار سے حسد و عداوت کی آگ میں جلنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس لئے ابلیس کو شیطان کہا گیا ہے کیونکہ وہ عظمت و فضیلتِ آدم اور منصبِ نبوت کی رفعت و سطوت دیکھ کر حسد و عداوت کی آگ میں جل اٹھا۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ کے حکم سے بھی کھلی بغاوت پر تل گیا۔ چنانچہ یہ دونوں الفاظ ابلیس کے لئے قرآن حکیم میں متفرق طور پر بھی اور اکٹھے بھی استعمال ہوئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ○ (التکویر، ۸۱:۲۵)

اور قرآن شیطان مردود کا قول نہیں ہے۔

ابلیس شیطان کیسے بنا؟

قرآن مجید کے بیانات سے ابلیس کے شیطان بننے کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے اس نے اپنے عمل کی بنیاد ذاتی مشاہدے اور دلیل پر رکھی۔

۲۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت کو تنقیصِ نبوت کی بنیاد بنایا اور اپنا موازنہ پیکرِ نبوت سے کرنے لگا۔

۳۔ اس نے عظمت و فضیلتِ نبوت سے حسد کیا اور حسد و تکبر کی بنا پر اس کا منکر ہوا۔

Marfat.com

۲۔ دوسرا اطلاق:

"الشیطان الرجیم" کا دوسرا اطلاق نوعِ انسانی اور جنات کے ان تمام افراد پر ہوتا ہے، جو اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے شیطنت کے مظاہر ہیں۔ شیطنت اپنے وسیع مفہوم کے لحاظ سے حسد و عداوت، بغض و عناد، فتنہ و شر اور وسوسہ اندازی کی تمام صورتوں کو محیط ہے۔ اس لئے وہ تمام افراد جو ایسے خصائل ذمیمہ سے متصف ہو کر مخلوقِ خدا کو مصائب و آلام، فتنہ و شر اور وسوسہ و تفرقہ کی آگ میں جھونکتے پھرتے ہوں، ان کے شر سے پناہ مانگی جائے۔ قرآن حکیم جنات اور انسانوں دونوں طبقات میں سے ایسے افراد کو "شیطان" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔

(الانعام، ۶: ۱۱۲)

اور اسی طرح ہم نے نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنا دیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چپڑی) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کفر و طاغوت کے ان علمبرداروں کو بھی شیطان کہتا ہے جو ہمہ وقت اہل ایمان کے اغواء و اضلال میں مصروف رہتے ہیں۔

ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ○

(البقرہ، ۲: ۱۴)

اور جب (وہ منافق) اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں، ہم (مسلمانوں کا تو) محض

Marfat.com

مذاق اڑاتے ہیں۔

دوسرے اطلاق کے اعتبار سے "شیطان" متعدد افراد کا لقب ہے۔ جو ہر وقت انسانوں کو حق وصواب اور امن و آشتی سے محروم کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کے اس منصوبے کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيَآءِ هِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ (الانعام ۶:۱۲۱)

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔

شیطانی شر کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

(i) پہلی صورت (وسوسہ اندازی)

پہلی صورت دل میں کوئی خیال یا وسوسہ ڈال کر کسی غلط کام کے لئے اکسانا ہے۔ جھوٹی افواہیں بھی اس قبیل سے ہیں اسی سے افراد کے درمیان غلط فہمیاں، عداوتیں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔ اس کا ذکر قرآن میں یوں آتا ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (الاعراف ۷:۲۰)

پھر شیطان نے دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

اسی طرح سورۃ الناس میں فرمایا گیا ہے:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ يُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ (الناس ۱۱۴:۴-۶)

وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے ○ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ○ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے ○

Marfat.com

ہماری سوسائٹی میں اس کی عملی مثال کسی کے خلاف شر انگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنا ہے جو کئی لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے اکثر کرتے رہتے ہیں۔

(ii) دوسری صورت (جادو)

دوسری صورت جادو کے شر کی ہے۔ یہ بھی شیاطین کا کام ہے۔ اسے اسلام نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

من اتی ساحراً او کاهنا او عرافاً فصدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ۔	جو شخص کسی جادوگر یا قسمت کا حال بتانے والے کے پاس گیا۔ اور اس نے اس بات کو سچ جانا جو کچھ اس نے کہا پس اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی ہدایت سے کفر کیا۔
(السنن الکبریٰ‘ ۸:۱۳۶)	

اس لئے قرآن نے جادو کے شر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِO	اور گرہوں میں پھونک مارنیوالی جادوگرنیوں اور (جادوگروں) کے شر سےO
(الفلق‘ ۱۱۳:۴)	

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر تکلیف اور مصیبت کو جادو یا جنات کے اثرات کی طرف منسوب کر دیا جائے‘ ایسا خیال جہالت کے باعث ذہنوں میں آتا ہے۔

(iii) تیسری صورت (حسد)

تیسری صورت رشک اور حسد کے شر کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَO	اور ہر حسد کرنیوالے کے شر سے جب وہ حسد کرےO
(الفلق‘ ۱۱۳:۵)	

حسد کا شر دو صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ حاسد کسی کو بہتر حالت میں دیکھ کر جل اٹھے اور اسے نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ اس

Marfat.com

شرانگیز کوشش جس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے اس سے پناہ طلب کی جائے۔ دوسری یہ کہ رشک وحسد بذات خود ایک ایسی آگ ہے جو غیر حسی اور غیر مرئی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی شرانگیزی سے دوسرے شخص کو بغیر کسی ظاہری کوشش کے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسی کو عرفِ عام میں نظرِ بد کہتے ہیں۔ بعض لوگ اسے وہم سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ فی الواقع اپنا اثر رکھتی ہے اور اسی کو شیطانی شر قرار دیتے ہوئے قرآن اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔ جس طرح جادو بغیر مادی محسوس اور قابل فہم ذرائع کے اپنی اثرانگیزی اور محیر العقول نتائج رکھتا ہے اور اس امر پر متعدد قرآنی آیات و واقعات اور احادیث نبوی صراحت کے ساتھ شاہد ہیں۔ اسی طرح رشک وحسد کی نظر بھی شر کا باعث ہو سکتی ہے۔

نظرِ شر کا ثبوت

یعقوب علیہ السلام نے اپنے جوان بیٹوں کو مصر میں غلہ لینے کے لئے بھیجا تو انہیں نصیحت کی۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

(یوسف، ۱۲:۶۷)

اور فرمایا: اے میرے بیٹو (شہر میں) ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے (تقسیم ہو کر) داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ (کے امر) سے کچھ نہیں بچا سکتا، حکم (تقدیر) صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

یعقوب علیہ السلام پیغمبرِ برحق ہو کر بھی اپنے بیٹوں کو نظر بد سے بچنے کی تدبیر بتا رہے ہیں اور یہاں حکمِ توکل کا مطلب یہ ہے کہ تدبیر میرا فرض ہے سو میں نے پورا کر دیا

Marfat.com

لیکن تدبیر تقدیر کو بدل نہیں سکتی۔ اس لئے باوجود تدبیر کے بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت پر کرنا چاہیے۔ یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے گیارہ بیٹے جوان، خوبصورت اور صحت مند تھے۔ انہیں ایک دروازے سے گزرتا یعنی اکٹھا دیکھ کر کوئی شیطانی خصلت کا شخص رشک وحسد کی نظر لگا سکتا تھا۔ آپ نے اپنے بیٹوں کو نظرِ بد سے بچنے کی تدبیر بیان کر دی۔ اگر نظرِ بد کے شر کا کوئی وجود ہی نہ ہوتا تو پیغمبرِ خدا کبھی بھی ایسی تلقین نہ کرتے جو سراسر وہم پر مبنی ہوتی۔ آنحضرت ﷺ سے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں۔

العین حق۔ بے شک نظر کا لگنا حق ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ۲: ۲۲۰، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، رقم: ۲۱۸۸۔

عبد اللہ بن عباسؓ اور تابعین میں سے محمد بن کعبؒ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادۃؒ، سدیؒ وغیرہم سورہ یوسف کی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ذالك انهم كانوا ذوى جمال و هيئة حسنة و منظر و بهاء فخشى عليهم ان يصيبهم الناس بعيونهم فان العين حق تستنزل الفارس عن فرسه۔
(تفسیر ابن کثیر، ۲: ۴۸۴)

یعقوب علیہ السلام کا یہ ارشاد اس لئے تھا کہ ان کے بیٹے صاحب جاہ وجمال اور صاحب قوت و قامت تھے۔ پس انہیں خوف ہوا کہ کہیں لوگ ان کو نظر کے ذریعے نقصان نہ پہنچا دیں۔ کیونکہ نظر کا لگنا حق ہے۔ نظر کے اثر کا تو یہ عالم ہے کہ یہ سوار کو گھوڑے سے نیچے گرا دیتی ہے۔

عظیم محدث ومفسر امام بغویؒ فرماتے ہیں۔

ذالك انه خاف عليهم العين، فامرهم ان يتفرقوا فى دخولهم لئلا

اس کی وجہ یہ تھی کہ یعقوب علیہ السلام کو ان پر نظر لگنے کا خوف تھا پس انھوں نے

Marfat.com

یصابوا العین فان العین حق و جاء فی الاثر ان العین تدخل الرجل القبر۔

(تفسیر معالم التنزیل، ۳:۳ ۲٤۳)

اپنے بیٹوں کو الگ الگ داخل ہونے کا حکم دیا تاکہ وہ نظر سے بچ جائیں۔ کیونکہ نظر کا لگنا حق ہے احادیث و آثار صحابہ میں آیا ہے کہ نظر کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ یہ آدمی کو قبر میں بھی داخل کر دیتی ہے۔

اسی قسم کا ایک ارشاد آنحضرت ﷺ سے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ العین حق و لو کان شئی سابق القدر لسبقة العین و اذا استغلستم فاغتسلوا۔

(صحیح مسلم، ۲:۲۲۰ کتاب السلام، رقم: ۲۱۸۸)

نظر کا لگنا حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جاتی تو وہ نظر ہوتی اور جب تم سے غسل کے لئے کہا جائے تو غسل کر لیا کرو۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

کان یومر العائن فیتوضاء ثم یغتسل منه المعین۔

(سنن ابو داؤد، ۲:۱۸۵، کتاب الطب، رقم: ۳۸۸۰)

حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ اگر کسی کو نظر لگ جاتی تو نظر لگنے والے کو وضو کا حکم دیتے اور اس پانی سے اس شخص کو نہلا دیتے جسے نظر لگی ہوتی تھی۔

امام نوویؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ بنابریں جمہور علماء کا مذہب یہی ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے۔ (صحیح لمسلم، ۲:۲۲۰)

اس امر کی تائید "موطا امام مالک" میں مروی سہل بن حنیفؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ امام خازن، امام رازیؒ اور دیگر مفسرین نے دلائل کے ساتھ اسی مفہوم کو ثابت کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، بیضاویؒ اور علامہ زمخشریؒ نے نظر سے پناہ مانگنے کو سنت نبوی قرار دیتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے۔ جس میں منقول ہے کہ حضور ﷺ اس طرح تعوذ

Marfat.com

فرمایا کرتے بالخصوص امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے لئے ان الفاظ میں استعاذہ کیا کرتے تھے:

اعیذ کما بکلمات اللہ التامة من کل عین لامةو من کل شیطان و ھامة۔
(جامع ترمذی، ۲:۲۷ کتاب الطب، رقم: ۲۰۶۰)

تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کے ساتھ ہر شیطان، ضرر رساں چیز اور برائی پہنچانے والی آنکھ سے اس کی پناہ میں دیتا ہوں۔

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

اللّٰھم إنی أعوذ بکلمات اللہ التامه من کل شیطان و ھامة و من کل عین لامةٍ۔
(سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، رقم حدیث: ۳۵۲۵)

اے اللہ! میں تیرے کامل کلمات کی پناہ مانگتا ہوں ہر وسوسہ اندازی کرنے والے شیطان سے اور ہر نقصان پہنچانے والی نظر سے۔

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ شیطانی اثرات میں سے ایک اثر نظر کا لگنا بھی ہے اور اس سے پناہ مانگنے کی تلقین بھی شریعت مطہرہ نے کی ہے۔ اس سے بچاؤ کی تدابیر کے طریقے شرعاً تدابیر ہی کا درجہ رکھتی ہیں۔ جن کا اختیار کرنا جائز اور مشروع ہے لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہ تدابیر تقدیر کا بدل نہیں ہو سکتیں۔ اگر اذن الٰہی یہی ہو کہ نظر سے کسی کو نقصان پہنچ کر رہے تو ضروری نہیں کہ اس تدبیر سے مطلوبہ حفاظت یقینی طور پر ہو جائے۔

اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم فرمائی کیونکہ ہر قسم کے شر سے حفاظت کی بہترین صورت استعاذہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو ذات کوئی امر مقدر کرتی ہے وہی اس کو بدل دینے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا اسی سے ہر حال میں پناہ طلب کی جانی چاہئے۔

شر نظر کے تصور کی وضاحت چند احادیث اور علماء و مفسرین کی تحقیقات سے اس

Marfat.com

لئے کر دی گئی ہے کہ یہ واضح ہو جائے کہ نظرِ بد کا لگنا توہم نہیں بلکہ احادیث سے ثابت شدہ حقیقت ہے۔ آج کل تعقل پسند طبقہ عقلیت کی رو میں بہہ کر ہر اس چیز کو توہم قرار دیتے ہوئے رد کر دیتا ہے جو محدود فکری وسعت' قلتِ مطالعہ اور ناقص عقلی استعداد کے باعث اسے سمجھ نہیں آتی۔

سورہ الفلق کا شان نزول بھی حسد اور جادو کے شر سے متعلق ہے۔ جب ایک یہودی جادوگر لبید بن عاصم اور اس کی بیٹیوں نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تو اس ضمن میں سورہ الفلق نازل کی گئی۔ چنانچہ اس کے پڑھنے سے جادو کے جملہ اثرات زائل ہو گئے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ شیطانی اثرات فی الحقیقت موجود ہوتے ہیں انہیں توہم کی کار فرمائی یا ضعف الاعتقادی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ان پر اس انداز سے اعتقاد رکھنا کہ انسان انھیں استعمال میں لائے یا ان کی طرف راغب ہو تو یہ اسلام میں کفر و طاغوت کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا ان کے وجود کو ماننا منع نہیں۔ ان کی طرف عملاً متوجہ ہونا منع ہے۔

(iv) چوتھی صورت (جنات کا شر)

چوتھی صورت شیاطین چونکہ جنات کے ایک ایسے گروہ کا بھی نام ہے جو فاسق وفاجر' منافق' کافر اور شریر ہوتے ہیں۔ وہ بنی نوع انسان کو مختلف طریقوں سے پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے شر سے بھی پناہ مانگنی چاہئے۔ انسان پر جنات کا ایسا اثر جس سے اس کے عقل و حواس مختل ہو جائیں' قرآن کی رو سے ممکن ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہلاء اپنی کم فہمی کی بنا پر اور عیار و مکار لوگ اپنے مادی منافع کی غرض سے انسانی امراض و عوارض کو جنات کے شر سے موسوم کرنے لگیں۔ جس طرح ہمارے معاشرے میں سادگی اور جہالت کی وجہ سے یہ کاروبار ہو رہا ہے۔ خاص طور پر امراض نسوانی کو جنات کے اثرات سے موسوم کر دیا جاتا ہے اور اس جہالت کے باعث ہزاروں جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک اس امر کی صحت کے امکان کا تعلق ہے۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ سود خور

Marfat.com

قیامت کے دن آسیب زدہ شخص کی طرح مختل و مبہوت ہو کر اٹھے گا' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ۔

(البقرہ' ۲:۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (روز قیامت) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان (آسیب) نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔

لہٰذا شیاطین کے اس شر سے بھی پناہ مانگنا استعاذہ ہی کا حصہ ہے۔

(۷) پانچویں صورت: (باطل تصورات اور شیطانی عصبیتیں)

پانچویں صورت شیاطین کی ایسی گمراہی پھیلانے کی ہے۔ جس کا شعور تک انسان کو نہیں ہوتا۔ شیطان کسی معاملے میں خواہ نجی و انفرادی ہو یا مذہبی و سیاسی' ایسی منفی سوچ انسانی ذہن میں بٹھا دیتا ہے۔ جسے آدمی حق سمجھتا ہے حالانکہ وہ باطل ہوتی ہے' اور وہ شخص اس کی حمایت میں بسا اوقات کٹ مرنے کو بھی تیار ہو جاتا ہے۔ اعتقادی اور عملی سطح پر انسان کو گمراہ کرنے کی کاوشیں شیاطین ہمہ وقت جاری رکھتے ہیں۔ لیکن انسان کو ان کا علم تک نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں ہے کہ شیاطین ہر وقت تمہاری تاک میں رہتے ہیں۔

اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَ قَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَO

(الاعراف' ۷:۲۷)

بیشک وہ (خود) اور اس کا قبیلہ تمہیں (ایسی ایسی جگہوں سے) دیکھتا (رہتا) ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے بے شک ہم نے شیطانوں کو ایسے لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔

اسی طرح شیاطین کی گمراہی پھیلانے کا ذکر اس سے آگے یوں آیا ہے۔

فَرِیْقًا ھَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ اِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ

ایک گروہ کو اس نے ہدایت فرمائی اور ایک گروہ پر (اس کے اپنے کسب و عمل کے

Marfat.com

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَO
(الاعراف‘ ۷:۳۰)

نتیجے میں) گمراہی ثابت ہو گئی بے شک انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنالیا تھا اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

چنانچہ "الشیطان الرجیم" کا اطلاق ایسے تمام شیاطین اور جن وانس پر ہوتا ہے جو کسی نہ کسی صورت میں فتنہ وشر پیدا کر کے بنی نوع انسان کا سکون واطمینان تہ وبالا کرتے ہیں اور انھیں راہ حق وہدایت سے بہکاتے رہتے ہیں۔

۳۔ تیسرا اطلاق (شیطانی خصائل سے پناہ)

"شیطان الرجیم" کا تیسرا اطلاق "جنس شیطنت" پر ہو سکتا ہے۔ جس طرح پہلے بیان کیا گیا ہے کہ شیطان "شطن" سے مشتق ہو تو اس کا معنی دوری ہو گا۔ اگر شاط‘ یشیط سے مشتق ہو تو اس کا معنی حسد وعداوت کی آگ میں جلنا اور کذب وباطل ہو گا۔ چنانچہ لفظ شیطان کے لحاظ سے استعاذہ کا اطلاق اس طرح ہو گا کہ میں خدا کی رحمت وہدایت سے دوری‘ حسد وعداوت جیسے تمام خصائل ذمیمہ اور ہر کذب وباطل سے پناہ مانگتا ہوں اسی طرح الرجیم خواہ "راجم" کے معنی میں استعمال ہو یا مرجوم کے۔ اس کا اطلاق بھی اس طرح ہو گا کہ میں بارگاہ الوہیت سے دھتکارے جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور ہر فتنہ وشر اور وسوسہ اندازی سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ گویا انسان ہر اس عمل سے پناہ مانگے جو اس کو خدا کی رحمت اور قرب سے دور کر دے۔ ہر وہ کام جو باطل ہو اور حق وصداقت سے متصادم ہو‘ شیطنت ہے اور اس سے گریز لازم ہے۔ اسی طرح انسان ہر حال میں بغض وعناد‘ رنج وحسد‘ رعونت اور کبر ونخوت جیسے رذائل اخلاق سے پرہیز کرے کیونکہ اس سے انسانی شخصیت نہ صرف غیر متوازن بلکہ تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔ شخصیت کو متوازن اور مضبوط بنانے کے لئے ان ذمائم سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے استعاذہ کے ذریعے انسان کو اپنی طرف

Marfat.com

متوجہ کرتے ہوئے ان خصائل سے اپنا دامن پاک رکھنے کی دعا کی تعلیم کی ہے اور ان رزائل کو لعنت قرار دیا ہے تاکہ انسان طبعًا ان سے آلودہ ہونے میں عار محسوس کرے۔

استعاذہ کی حکمت و فلسفہ

استعاذہ کا معنی و مفہوم اور اس کے مختلف اطلاقات سمجھ لینے کے بعد اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت کیا ہے؟ آخر مسلمانوں کو "شیطان رجیم" سے خواہ وہ ابلیس ہو، شیاطین انس و جن ہوں یا خصائل ذمیمہ کی صورت میں جنس شیطنت ہو، پناہ مانگنا کیوں ضروری ہے، اس کے مقاصد و نتائج کیا ہیں؟ اس حکم کی متعدد حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

پہلی حکمت (شیطانی قوتوں کے مقابلے میں الوہی حفاظت و نگہداشت کی طلب)

حکم استعاذہ کی پہلی حکمت یہ ہے کہ جب ابلیس نے بارگاہ ربوبیت میں تمرد و انحراف کی راہ اختیار کی اور اس کے نتیجے میں اسے مردود و ملعون بنا کر بھگا دیا گیا تو اس نے بنی نوع انسان اور بالخصوص مسلمانوں کو راہ حق سے گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا اور اس عزم کا اظہار اسی موقع پر برملا کر دیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ○
(ص، ۳۸: ۸۲۔ ۸۳)

(شیطان) بولا، تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا○ مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (انہیں گمراہ نہیں کر سکتا)○

اس کے بعد شیطان کی پیروی کرنے والوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ○ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ○

فرمایا تو سچ یہ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں۔ بے شک میں (بھی) یقیناً جہنم بھر دوں گا تجھ سے اور ان سب سے جو ان

Marfat.com

میں سے تیری پیروی کریں گے ○ (ص‘۳۸:۸۴۔۸۵)

اسی طرح ایک اور مقام پر شیطان کے اس عزم کا بیان ہے اور اسے اس دنیائے آب وگل میں اپنا کام سرانجام دینے کی آزادی اور مہلت مل جانے کا بھی ذکر ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ○

(الحجر‘۱۵:۳۹)

ابلیس نے کہا اے پروردگار! اس سبب سے جو تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بھی) یقیناً ان کے لئے زمین میں (گناہوں اور نافرمانیوں) کو خوب آراستہ و خوش نما بنا دوں گا اور ان سب کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا۔ سوائے تیرے ان برگزیدہ بندوں کے جو (میرے اور نفس کے فریبوں سے) خلاصی پا چکے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات مترشح ہو گئی کہ شیطانی طاقت نسل انسانی کو راہ ہدایت سے بھٹکانے اور گمراہی اور ضلالت کے گڑھوں میں دھکیلنے کے لئے مصروف کار ہے اور اس کی کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اپنے ساتھ ملا لے۔ اس مقصد کے لئے وہ طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں آتا ہے:

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ○

(الاعراف‘۷:۱۷)

پھر میں یقیناً ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ان کے پاس آؤں گا اور (نتیجۃً) تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر مذکور ہے:

لَعَنَهُ اللهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا O وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُوْنِ اللهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا O

(النساء' ۴: ۱۱۸-۱۱۹)

جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک معین حصہ (اپنے لئے) ضرور لے لوں گا۔ میں انہیں ضرور گمراہ کردوں گا اور ضرور انہیں غلط امیدیں دلاؤں گا اور انہیں ضرور حکم دیتا رہوں گا سو وہ یقیناً اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں کو بدلا کریں گے اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنالے تو واقعی وہ صریح نقصان میں رہا۔

جب راہ حق سے بہکانے کی کوششیں متعدد انواع واقسام کی ہوں اور کئی محاذوں پر گمراہی وضلالت کے لئے جنگ ہو رہی ہو تو ان سے بچاؤ کے لئے انسان خود کو کافی نہیں سمجھ سکتا اور پھر شیطانی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات انسان کو اپنے عقائد واعمال کی صحت وحقانیت پر یقین رہتا ہے اور وہ خود کو غلط راستے پر تصور ہی نہیں کر سکتا بلکہ دوسروں کو گمراہ قرار دیتا رہتا ہے۔ جب کسی کو اپنی گمراہی کا شعور بھی نہ ہو تو اسے راہ حق کے تلاش کرنے کی آرزو' سعی اور کاوش کس طرح نصیب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ انسان اس صحرائے حیات میں جس میں ہر سو دجل وفریب اور مکر وضلالت کی آندھیاں چل رہی ہوں' خود کو صرف اپنی عقل وفہم کی بنا پر محفوظ ومامون نہیں کر سکتا۔ اسے یقیناً کسی ایسی ہستی کے دامن سے وابستہ ہونا ہوگا جو ہادی ہو اور اس کی ہدایت عطا کرنے کی قوت تمام گمراہیوں پر محیط ہو' تاکہ اس کی پناہ میں آکر انسان کسی شیطانی ضلالت کا شکار نہ ہو سکے اور یہ معاملہ خود کو احکم الحاکمین کے سپرد کیے بغیر نہیں ہو سکتا' اس لئے حکم دیا گیا کہ انسان ہمہ وقت شیطانی قوت کی تباہ کاریوں

Marfat.com

اور فساد انگیزیوں سے بچنے کے لئے میری پناہ طلب کرے۔ کیونکہ مجھ پر توکل کرنے والے اور میرے دامن رحمت سے وابستہ رہنے والے شیطان کے دام تزویر میں نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار شیطان بھی اپنے عزم وہمت کا اظہار کرتے ہوئے خدا کے برگزیدہ اور مقبول ومنتخب بندوں کے معاملے میں اپنی بے بسی کا اعتراف کررہا ہے کہ میں ہر ایک کو گمراہ کرسکوں گا لیکن اللہ کے منتخب بندے میرے دست اضلال سے محفوظ رہیں گے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ○ (النحل ۱۶:۹۹)

بے شک اسے ان لوگوں پر کچھ (بھی) غلبہ حاصل نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

دوسری حکمت (شیطان خصلت افراد کے شر سے پرہیز)

حکم استعاذہ کی دوسری حکمت یہ ہے کہ اس دعا کے ذریعے انسان اپنے گردونواح میں بسنے والے بیشمار شیطانی خصلت کے حامل افراد کے شر وفساد اور حسد وعداوت سے محفوظ رہے۔ کیونکہ ابلیس کے علاوہ بھی کئی افراد از قبیل جن وانس ایسے ہیں جو منفی اور تخریبی مقاصد کے لئے دوسرے لوگوں کے جائز حقوق ومفادات کو نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔ مخالفت ومخاصمت اور بغض وعناد کی وجہ سے دوسروں کے خلاف طرح طرح کی سکیمیں سوچتے اور منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ایسی تمام سازشی کاوشیں دراصل شیطنت کی ہی مختلف صورتیں ہیں۔ باری تعالیٰ نے انسان کو ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اپنی پناہ حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔

تیسری حکمت (خصائل ذمیمہ سے نجات اور روحانی طہارت وتزکیہ)

شیطان الرجیم چونکہ رذائل اخلاق کی مجسم صورت بھی ہے۔ اس لئے استعاذہ میں ایک حکمت یہ ہے کہ انسان خود کو بری خصلتوں اور خسیس خواہشات سے پاک رکھے۔

Marfat.com

دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفاتی مظہریت کا اہل بنانے کے لئے اس کے باطن کو تمام ناپسندیدہ اوصاف سے منزہ کرنا چاہا ہے۔ رذائل اخلاق کی آلودگیوں سے نجات حاصل کئے بغیر انسان تخلقوا باخلاق اللہ (خدا کے اوصاف کے رنگ میں رنگے جاؤ) کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ عاذ یعوذ میں التجاء کرنے اور وابستہ ہونے دونوں کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس لئے حکمت استعاذہ بھی یہی ہے کہ انسان بارگہ ایزدی میں رذائل سے پاک ہونے کی التجاء کرے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے اس کے دامنِ رحمت سے متصل ہو جائے۔ یہ التجاء واتصال اسے طہارت وپاکیزگی بھی عطا کرے گا اور عظمت وفضیلت کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز کرے گا۔ گویا استعاذہ اپنی تاثیر کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ استغفار ہے۔

چوتھی حکمت (شقاوت وبد بختی سے توبہ اور قرب الٰہی کی طلب)

استعاذہ کی ایک حکمت انسان کے باطنی کمالات کے حصول سے متعلق ہے۔ شیطان دوری پر اور رجیم ملامت وشقاوت پر دلالت کرتا ہے۔ گویا استعاذہ کے ذریعے انسان کو خدا سے دوری اور شقاوت سے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ دونوں چیزیں باہم لازم وملزوم ہیں۔ کیونکہ خدا سے دوری شقاوت کا سبب ہے اور شقاوت خدا سے دوری کا۔ خدا سے دوری قرب الٰہی کے منافی ہے۔ اور شقاوت سعادت کے۔ کیونکہ تمام تر روحانی کمال قرب الٰہی اور سعادت پر منحصر ہے۔ اس لئے انسان کو یہ تعلیم کی گئی ہے کہ وہ خدا سے بُعد اور شقاوت دونوں سے پناہ مانگے کہ جب اسے دوری سے نجات ملے گی تو قرب از خود میسر آجائے گا اور شقاوت سے نجات ملے گی تو سعادت از خود نصیب ہو جائے گی۔ اس میں ایک اور لطیف نکتہ قابل غور ہے کہ براہ راست قرب وسعادت مانگنے کی بجائے دوری اور شقاوت سے پناہ مانگنے میں ادب اور اظہارِ تذلل زیادہ ہے اور یہی مقصودِ روحانیت ہے۔

پانچویں حکمت (انسان اپنی بے بسی کا اعتراف کرے)

استعاذہ کی علمی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اپنے عجز وبے بسی کا علم ہو جائے، وہ یہ

Marfat.com

سمجھ لے کہ میں دینی ودنیوی منافع کے حصول اور بچاؤ پر خود قادر نہیں ہوں۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان شامل حال نہ ہو اس وقت تک میں کامیاب وکامران نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ احساس اور علم وشعور ہے جو انسان کو صحیح عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ اگر اس کا فقدان ہو اور انسان خود کو قادر مطلق اور غنی وبے نیاز سمجھ لے تو اس سے غرور وتکبر اور نخوت وفرعونیت جنم لیتی ہے، جو انسان کی تمام اعلیٰ صلاحیتوں کو غارت کر کے اسے دنیا میں ذلیل ورسوا کر دیتی ہے۔ آداب وشرائط عظمت کا یہی سنگ بنیاد ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کے باوجود خود کو عاجز سمجھے اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے بھی صحیح نتائج کے لحاظ سے رب العالمین کی رحمت اور عطاو شفقت کا طلب گار رہے۔ حکم استعاذہ کا فلسفہ یہی ہے کہ انسان کو اس دنیا میں کفر وطاغوت، فتنہ وشر اور شیطنت کی تمام قوتوں کے خلاف برسرپیکار رہتے ہوئے یہ خیال ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں آنا چاہیئے کہ میں خود کو محض اپنی ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر شیطانی شر سے محفوظ اور ان باطل قوتوں کو زیر کر سکتا ہوں، یہی احساس عجز اسے کامیابی کے لئے مزید مضبوط ہونے کا محرک (Incentive) بھی فراہم کرے گا۔ اعوذ باللہ کے الفاظ خود ہی صراحت کے ساتھ انسان کے محتاج ہونے اور اللہ تعالیٰ کے غنی وبے نیاز ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

چھٹی حکمت (تواضع اور انکساری)

مفسرین نے اس کی شہادت قرآن حکیم کے اس حکم سے دی ہے۔ جب حضرت انسان میں خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو ذہن میں اس احساس کے جاگزیں ہو جانے کے بعد دل میں تواضع، انکساری اور تذلل وتضرع کی نعمت سے بہرہ ور کر دیتی ہے۔ یہی حالت فی الحقیقت جوہر عبادت اور ایمان ہے۔ انسان کو اگر یہ احساس اور قلبی حالت نصیب ہو جائے تو نہ اس سے ظلم وستم ہو سکتا ہے اور نہ کسی کی حق تلفی۔ گویا استعاذہ کا جوہر اصلی یہ ہے کہ انسان کبر ونخوت اور غرور وتمکنت سے پاک عالی صفت، منکسر المزاج اور

Marfat.com

متواضع انسان بن جائے اور ہر معاملے میں اپنے دل کا رشتہ امید صرف خدائے بزرگ و برتر سے وابستہ رکھے۔

ساتویں حکمت (توکل و یقین)

استعاذہ کا عملی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے عجز و انکساری کے اعتراف اور خشوع و خضوع کے حصول کے بعد بارگاہ ایزدی کی طرف کمال یقین کے ساتھ متوجہ ہو اور اس سے استمداد کرے اور پھر اس کے لطف و احسان اور جود و سخا پر پورا توکل رکھے۔ اسے ہر فتنہ و شر اور خوف و غم سے پناہ بھی ملے گی اور دیگر انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔ خدا سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جان لے کہ مجھے کسی کا شر نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جب اس کے دل سے دنیا کا خوف و خطر نکل جائے تو وہ کسی بھی طاغوتی قوت اور باطل طاقت کے سامنے جھک نہیں سکتا۔ اسی فکر و عمل کو توحید کہتے ہیں۔

ہر کہ رمز لا الہ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دین است

آٹھویں حکمت (ہر باطل کے ساتھ سازگاری سے پرہیز)

استعاذہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ انسان خود کو کبھی بھی کسی شیطانی، طاغوتی اور باطل قوت کے ساتھ سازگاری کے لئے تیار نہ کر سکے۔ جب اس کی دعا یہی ہو کہ اے اللہ! میں ہر باطل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ عارضی و مادی منافع اور مصالح کی خاطر خدا کو چھوڑ کر کذب و باطل سے سازگاری پیدا کرے۔ اور یہی فلسفہ توحید ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ؗ	پس تم سستی نہ کرو اور (باطل کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز

Marfat.com

(محمد، ۴۷:۳۵) تمہارے اعمال (یعنی جدوجہد) بے نتیجہ نہ جانے دے گا۔

جب نبی اکرم ﷺ منیٰ میں مدینہ سے آئے ہوئے وفد سے بیعت اسلام لے رہے تھے تو اس بیعت اسلام کا مقصد عباس بن عبادہ انصاریؓ نے بڑے واشگاف لفظوں میں بیان کیا۔

إنكم تبايعونه على حرب الاسود والاحمر من الناس ـ

بے شک تم پیغمبر انقلاب ﷺ کے دست اقدس پر انسانوں میں سے ہر سیاہ وسفید (باطل قوت کے علمبردار) کے ساتھ جنگ کی بیعت کر رہے ہو۔

۱۔ سیرت ابن ہشام، ۱:۴۴۶

۲۔ سبل الھدیٰ والرشاد، ۳:۲۸۳

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

استعاذہ کا فلسفہ یہی ہے کہ خدا کی پناہ میں آکر دنیا میں ہر باطل اور کفر و طاغوت کے خلاف علم جہاد بلند کیا جائے۔ شیطنت سے خدا کی پناہ طلب کر کے پھر اپنی عملی زندگی میں کذب و دجل، ظلم و جبر، کفر و عصیاں اور شیطنت کے دیگر مظاہر سے سازگاری پیدا کرنا اور ان کی حمایت کرنا صریح منافقت اور مذہب سے دھوکہ اور فریب ہے۔ اسی وجہ سے قرآن ہر شیطانی قوت کے ساتھ غیر مصالحانہ مخاصمت کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو۔

(فاطر، ۳۵:۶)

وجوہ تقدیم

یہاں ایک اور سوال ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ استعاذہ کا حکم بطور خاص تلاوت

Marfat.com

قرآن سے پہلے کیوں ہے؟

حالانکہ قرآن خود کلام الٰہی اور سراسر ہدایت ہے۔ اسی سے تمام گمراہی وضلالت کے پردے چاک ہوتے ہیں۔ تو اس قدر کافی ووافی کتاب کی تلاوت پر استعاذہ کیوں مقدم ہے؟ یہی نکتہ غور طلب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاِذَا قَرَأتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِO (النحل ۱۶:۹۸)

سو جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود (کی وسوسہ اندازیوں) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

پہلی وجہ (مطالعہ قرآن اور تدبر قرآن کی راہ میں شیطانی حملے سے بچاؤ)

اس حکم سے یہ اشارہ بڑی صراحت کے ساتھ ملتا ہے کہ شیطانی گمراہی کا اندیشہ اس راستے پر بھی ہے۔ اس لئے یہاں احتیاط کا دامن تھامنے کی تلقین کی جارہی ہے کہ قرآن پڑھنے سے پہلے ضرور بالضرور شیطان مردود کی حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرلو کیونکہ اس راستے پر شیطان کا حملہ تمام حملوں سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہو گا۔ سورۃ الاعراف میں اس امر کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَO (الاعراف ۷:۱۶)

اس (ابلیس) نے کہا پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے (مجھے قسم ہے کہ) میں (بھی) ان (افراد بنی آدم کو گمراہ کرنے) کے لے تیری سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا (تا آنکہ انہیں راہ حق سے ہٹادوں)O

یہاں یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ جو لوگ پہلے ہی گمراہ ہیں۔ اور راہ حق کے متلاشی نہیں ہیں یا غلط عقائد واعمال کے راستوں پر چل رہے ہیں، انہیں بہکانے

Marfat.com

کی زیادہ فکر شیطان کو نہیں ہوتی' کیونکہ وہ تو پہلے سے ہی اس کے ساتھی ہیں۔ انہیں صرف اسی قدر دھوکے کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے رہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی صحیح ہے۔ شیطان اپنی تمام تر قوت اور حیلہ سازی صراط مستقیم پر گامزن افراد کو بھٹکانے کے لئے صرف کرتا ہے' اس کی ساری محاذ آرائی ہی دراصل ان لوگوں کے خلاف ہے جو راہ ہدایت پر چل رہے ہیں اور راہ ہدایت بلاشبہ قرآن وسنت کی راہ ہے۔ جو لوگ قرآن وسنت سے اپنے فکر کی آبیاری کرنا چاہتے ہیں اور اس سے اپنے خیالات ونظریات کو اخذ کرنا چاہتے ہیں۔ شیطان انہیں گمراہ کرنے کے لئے اسی سیدھی راہ پر تاک لگائے بیٹھا ہے۔ جیسا کہ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ (الاعراف' ۷:۱۶) (میں یقیناً تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا) میں اس امر کی صراحت ہے۔ اگر وہ قرآن وسنت سے تمسک واعتصام کی آرزو رکھنے والوں کو گمراہ کر لے تو یہی اس کی کامیابی ہے۔ دوسروں کو گمراہ کر لینا اس کے لئے چنداں باعث فخر نہیں' اس راستے سے گمراہی اس طرح داخل ہو سکتی ہے کہ قرآن پڑھنے والا جس معنی ومفہوم کو قرآنی مدعا سمجھ رہا ہے وہ درحقیقت قرآنی مدعا نہ ہو' بلکہ اس کی عقل کا بہکاوا ہو' وہ اسی کو فکرِ قرآنی سمجھ کر اپنے نقطہ نظر میں پختہ رہے اور اسے اس تحریف معنوی کا شعور تک نہ ہو۔ اس طرح وہ خود کو ہدایت یافتہ اور دوسروں کو گمراہ تصور کرتا رہے' حالانکہ یہ اس کی اپنی گمراہی ہے۔ اسی بات کو قرآن اپنے لفظوں میں بھی بیان کرتا ہے۔ سورہ البقرہ میں ایک تمثیل بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝

(البقرہ' ۲:۲۶)

(اس طرح) اللہ ایک ہی بات کے ذریعے بہت سے لوگوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور اس سے صرف انہی کو گمراہی میں ڈالتا ہے جو (پہلے ہی) نافرمان ہیں۔

چنانچہ تلاوت قرآن سے قبل شیطانی حملہ سے بچاؤ کی ضرورت عام حالات سے

Marfat.com

بھی زیادہ تھی۔ اس لئے اس موقع پر بالالتزام استعاذہ کا حکم صادر کیا گیا۔ تاکہ راہ ہدایت پر چلتے ہوئے گمراہی کے تمام خدشات سے محفوظ و مامون ہوا جاسکے۔ چور ہمیشہ اسی پر حملہ آور ہوگا جس کے پاس کچھ دولت ہوگی۔ اگر کوئی پہلے سے ہی تہی دامن ہو تو اس پر چور کو زیادہ تحریص نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے حکم استعاذہ قرآن پڑھنے پر مقدم ہے تاکہ شیطانی حملہ اور اس کے خطرناک اثرات سے حفاظت کا سامان پہلے تیار کرلیا جائے اور پھر انسان دشت تحقیق کا رہ نورد ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ قرآن پر بات کرتے ہوئے احادیث رسول ﷺ، آثار صحابہ و تابعین اور اکابرامت سے بھی تائید و استشہاد حاصل کرلیا جائے کیونکہ وہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ (سوائے تیرے ان بندوں کے جو چنے ہوئے ہیں) کے تحت شیطانی گمراہی سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں ورنہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار۔

جس شخص نے قرآن میں بغیر علم کے گفتگو کی پس وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

(جامع ترمذی، کتاب التفسیر، رقم حدیث: ۲۹۵۰)

ایک اور روایت میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

و من قال فی القران برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔

(جامع ترمذی، کتاب التفسیر، رقم حدیث: ۲۹۵۱)

جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے یا نہ جانتے ہوئے گفتگو کی پس وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا۔

من قال فی القران برایہ فاصاب فقد اخطا۔

جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بات کی اس نے خطا کی۔

(جامع ترمذی، کتاب التفسیر، رقم حدیث: ۲۹۵۲)

چنانچہ آج ہر شخص تفسیر قرآن کی ضروریات ولوازمات پورے کئے بغیر تفسیر قرآن کی جسارت کررہا ہے اور اپنے اپنے ناقص فہم سے قرآنی فکر کی تحریف کررہا ہے۔ اس

Marfat.com

لئے اس راستے پر پہلے سے کہیں زیادہ گمراہی کے خدشات پیدا ہوگئے ہیں۔

دوسری وجہ (قرآن اطاعت الٰہی ہے)

استعاذہ کی دوسری وجہ تقدیم یہ ہے کہ قرآن اطاعت الٰہی کا راستہ ہے اور تعوذ شیطنت سے نجات کا ذریعہ۔ شیطنت سے نجات حاصل کئے بغیر انسان اطاعت الٰہی کے فوائد وثاثیرات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن پڑھنے سے پہلے خود کو شیطنت کے غلبہ ونفوذ سے پاک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ قرآن کی جملہ برکات وثمرات کے قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ تلاوت قرآن پر استعاذہ کو اسی طرح مقدم رکھا گیا ہے جس طرح تعلیم کتاب وحکمت پر تزکیہ نفوس کو، تاکہ قلب وباطن انوارِ معارفِ قرآن کے اہل ہو جائیں تو تعلیم کتاب وحکمت کا صحیح فیضان حاصل ہو سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (آل عمران، ۳: ۱۶۴)	جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تیسری وجہ (قلب وروح کی تطہیر)

استعاذہ کو تسمیہ سے پہلے پڑھنے کا حکم ہے۔ حالانکہ اسلام میں ہر کام کا آغاز تسمیہ سے کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تسمیہ ذکر الٰہی اور حصہ قرآن ہے۔ اس لئے اس کا درجہ تحلیہ (آرائش) کا ہے۔ جب کہ استعاذہ بمنزل تخلیہ (خلوت) کے ہے اور تخلیہ ہمیشہ تحلیہ پر مقدم ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص لباس فاخرہ پہننا چاہے تو وہ پہلے بدن کو میل کچیل سے پاک کرنے کے لئے غسل کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر الٰہی اور اس کے انوار وتجلیات کا لبادہ اوڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ باطنی آلائشوں اور روحانی نجاستوں سے روح کو بالکل پاک کر لیا جائے جو صرف استعاذہ سے ہی ممکن ہے۔ قرآن کے ظاہری مس کے لئے بھی طہارت جسمانی ضروری ہے۔ جیسا کہ حکم الٰہی ہے۔

Marfat.com

لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَO قرآن کو مس نہ کریں سوائے باوضو لوگوں کےO

(الواقعہ '۵۶:۷۹)

یہ امر آداب تلاوت میں سے ہے۔ اسی طرح استعاذہ بھی روحانی طہارت کا واحد کامل طریقہ ہے۔ جس کے بعد ہی قرآنی ہدایت کے اخذ و حصول کی اہلیت پیدا ہو سکتی ہے۔

چوتھی وجہ (شیطنت سے بچاؤ تاکہ حصول رحمت کا اہل ہو)

استعاذہ کو تسمیہ پر مقدم کرنے میں لفظی و معنوی مناسبت بھی ہے۔ استعاذہ میں "الشیطان الرجیم" سے پناہ طلب کی گئی ہے اور تسمیہ میں "الرحمٰن الرحیم" سے تعلق و اتصال کا بیان ہے۔ استعاذہ کے الفاظ میں خدا کی رحمت سے دوری' شقاوت و بدبختی اور محرومی کا ذکر ہے اور ان اوصاف سے نجات پانے کی تمنا کا بیان ہے۔ ادھر اس کے بعد متصلاً تسمیہ کے الفاظ میں خدا کی رحمانیت و رحیمیت کا تذکرہ ہے' جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اے انسان! تو اپنا دامن گناہوں اور کوتاہیوں سے بچانے کی تمنا تو کر' خدا کا دامن رحمت تجھے اپنی پناہ میں لے لے گا۔ جس کے بعد تیری دوری قرب سے' تیری شقاوت سعادت سے' اور تیری محرومی لطف و عنایت سے بدل جائے گی' اور تو خدائے رحمٰن و رحیم کی حفاظت میں آجائے گا اور اس طرح تجھے دنیا کی کوئی طاقت خیر سے محروم نہ کر سکے گی۔

ارکان استعاذہ

امام فخر الدین رازیؒ "تفسیر کبیر" میں لکھتے ہیں کہ اس کلام کے پانچ ارکان ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ الاستعاذہ۔ اس سے مراد وہ الفاظ ہیں جن کے ذریعے بارگہ ایزدی میں تعوذ کیا جاتا ہے۔

۲۔ المستعیذ۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو استعاذہ کرتا ہے یعنی بارگاہ الوہیت میں پناہ کا طلب گار ہوتا ہے وہ اعوذ کا فاعل ہے۔

۳۔ المستعاذ بہ۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ان کلمات

Marfat.com

میں لفظ "اللہ" "اعوذ" کا مفعول بہ ہے۔

۴۔ **المستعاذ منہ**۔ اس سے مراد شیطان رجیم ہے جس سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔

۵۔ **اجل الاستعاذہ**۔ اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض وغایت ہے۔ جس کی خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ ومامون ہونے کے لئے استعاذہ کیا جاتا ہے۔

استعاذہ اور تسمیہ کا باہمی تعلق

استعاذہ کا معنی ومفہوم اور اس کا فلسفہ وحکمت سمجھ لینے کے بعد یہ امر بدیہی طور پر سامنے آجاتا ہے کہ انسان نے چونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نیاز مندی کے ساتھ سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی بے بسی وبے کسی اور عاجزی وناتوانی کا اعتراف کرلیا ہے۔ شیطانی خصائل ورذائل، طاغوتی فتن وشرر اور ابلیس لعین کے بہکاووں سے پناہ مانگ لی ہے۔ اس لئے اب اسے ذات الوہیت کی بے پایاں رحمتوں اور عنایتوں کا مژدہ جانفزا سنادیا جانا چاہئے۔ اب تو شیطان رجیم سے پناہ مانگنے والے کو رحمٰن ورحیم کا سایۂ عاطفت میسر آہی جانا چاہیئے۔ اصل مدعا تسمیہ الٰہی کا لباس فاخرہ پہننا ہے۔ لیکن اس سے قبل ضروری ہے کہ انسان اپنے قلب وباطن کو روحانی آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے غسل استعاذہ کرلے۔ کیونکہ طہارت کاملہ کے بغیر انسان باری تعالیٰ کے سرچشمہ الوہیت، سرچشمہ رحمانیت اور سرچشمہ رحیمیت سے فیض یاب نہیں ہوسکتا۔

مستزاد یہ کہ بغرضِ تلاوت **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا پڑھنا گویا علوم قرآنی کے بحر بے کنار میں غوطہ زن ہونا تھا۔ ملاح تیراکی سے پہلے ڈوبنے سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرلیا کرتے ہیں۔ چنانچہ بسم اللہ سے قبل استعاذہ کی تعلیم اس لئے دی گئی کہ انسان شیطان کے گمراہ کن حملوں سے بچنے کے لئے ذات حق کی پناہ طلب کرلے تاکہ وہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے "یَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا" کے زمرے میں شامل ہوسکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ "یُضِلُّ

Marfat.com

بِہٖ کَثِیْراً" کے فریب آفریں بھنور میں پھنس کر گم گشتہ راہ ہو جائے۔ اس لحاظ سے بیان استعاذہ کی حیثیت در حقیقت مضمون تسمیہ کی ضروری تمہید، حصول ہدایت کی محفوظ سبیل اور احتمال گمراہی کی حفاظتی تدبیر کی تھی، سو وہ پہلے ہو چکی۔ اب اصل مضمون تسمیہ کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اگر استعاذہ اور تسمیہ کے تعلق کو ملخصاً سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ:

۱۔ استعاذہ میں عقائد باطلہ اور اعمال سیہ سے پرہیز تھی۔ بسم اللہ میں عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی طرف رجوع ہے۔

۲۔ استعاذہ میں ماسوی سے لاتعلقی اور علیحدگی کا اعلان تھا، بسم اللہ میں توجہ الی اللہ کا باقاعدہ اِقدام ہے۔

۳۔ استعاذہ میں ہر قسم کے شر سے حفاظت طلب کی گئی تھی۔ بسم اللہ میں انعامات وعنایات ایزدی کا سوال کیا جا رہا ہے۔

۴۔ استعاذہ کے ذریعے باطنی طہارت اور روحانی بالیدگی حاصل کی گئی تھی، بسم اللہ کے ذریعے قرآنی انوار و تجلیات کے نزول کا آغاز ہو رہا ہے۔

۵۔ استعاذہ گمراہی سے بچاؤ تھا۔ بسم اللہ ہدایت کا حصول ہے۔

۶۔ استعاذہ عزمِ سفر تھا، بسم اللہ حصولِ منزل ہے۔

۷۔ استعاذہ مریض کے لئے مجوزہ پرہیز تھا۔ بسم اللہ اس کا مجوزہ علاج ہے۔

۸۔ استعاذہ رذائلِ اخلاق اور خصائصِ ذمیمہ سے نجات حاصل کرنا تھا۔ بسم اللہ سے خود کو اوصاف و اخلاق الٰہیہ سے متصف کرنا ہے۔

۹۔ استعاذہ بغض وعناد سے برأت کا نام تھا۔ بسم اللہ پیکر رحمت و رافت قرار پانے کا نام ہے۔

۱۰۔ استعاذہ خدا کی دوری سے پناہ مانگنے کا نام تھا۔ بسم اللہ اس کے قرب و وصال کی طلب کا نام ہے۔

Marfat.com

۱۱۔ استعاذہ اپنی عاجزی کا اعتراف تھا۔ بسم اللہ خدا کی قدرت کا اعتراف ہے۔

۱۲۔ استعاذہ کا آغاز نفس امارہ کے شعور اور اس کی مذمت سے ہوا تھا، بسم اللہ کا آغاز "نفس لوامہ وملہمہ" کے شعور اور ان کی تحسین سے ہوتا ہے۔

۱۳۔ استعاذہ کا ثمرہ ونتیجہ "نفس مطمئنہ" تھا۔ بسم اللہ کا ثمرہ "نفس راضیہ و مرضیہ" ہے جو فی الحقیقت "نفس کاملہ" قرار پاتا ہے۔

۱۴۔ استعاذہ میں شخصیت کی اصلاح تھی، بسم اللہ میں اس کا منتہائے کمال ہے۔

Marfat.com

باب ۲

فلسفہ تسمیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَانِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (مدد و برکت طلب کرتے اور اس کی معیت پر بھروسہ کرتے ہوئے) شروع جو غایت درجہ مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

O

Marfat.com

تسمیہ کی ترکیب نحوی اور ایک لطیف نکتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم میں "حرف باء" جار ہے "اسم" مجرور اور مضاف' لفظ "اللہ" مضاف الیہ اور موصوف ہے' لفظ "الرحمان الرحیم" دونوں یکے بعد دیگرے موصوف یعنی اللہ کی صفات ہیں۔ موصوف (اللہ) اپنی دونوں صفات (الرحمان اور الرحیم) کے ساتھ مل کر اسم کا مضاف الیہ بن گیا اور مضاف (اسم) اپنے مضاف الیہ (اللہ الرحمن الرحیم) سے مل کر جار یعنی "حرف باء" کا مجرور ہو گیا۔ اب اس حرف باء (جار) کا ایک متعلق ہے جو فعل محذوف ہے۔ وہ یہاں اَشْرَعُ' اَبْدَا یا اَقْرَاءُ وغیرہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ "جار و مجرور" اور "فعل محذوف" جس میں فاعل بھی ہے۔ سب مل کر "جملہ فعلیہ خبریہ" پر منتج ہوگئے۔ اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ یہاں فعل محذوف صیغہ امر ابدا' یا اقراء کو مانا جائے' اس طرح تسمیہ' "جملہ فعلیہ انشائیہ" قرار پائے گا۔

یہاں ایک لطیف نکتہ قابل غور ہے کہ تسمیہ کا "جملہ فعلیہ خبریہ" یا "جملہ فعلیہ انشائیہ" ہونا فعل محذوف کی نوعیت پر مبنی تھا۔ اگر فعل محذوف کی بجائے زیادہ توجہ حرف با کے مفہوم اور اس کی نوعیت کے تعین پر کی جائے' جیسے کہ بعد میں بیان کیا جائے گا تو تسمیہ کا کلام ہر صورت میں "دعائیہ" قرار پا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں حرف با تین حالتوں میں سے یقیناً کسی نہ کسی ایک حالت کا حامل ہے اور وہ ہیں "الصاق و مصاحبت" "استمداد و استعانت" اور "تبرک و تیمن" لہٰذا "باء" مذکورہ بالا میں سے جس حالت پر بھی دلالت کرے۔ کلام تسمیہ

Marfat.com

ایک "دعا" بن جاتی ہے اور یہی مقصود الٰہی ہے۔

تسمیہ کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمان الرحیم کے الفاظ کو اصطلاح میں "تسمیہ" کہا جاتا ہے۔ یہی تسمیہ ایک آیت کے حصے کے طور پر قرآن حکیم کی سورہ النمل میں وارد ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ بالاتفاق حصہ قرآن بھی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ۝ (النمل' ۲۷:۳۰)	بے شک وہ (خط) سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحیم فرمانے والا ہے۝

ائمہ فقہ میں سے شوافع اسے سورہ الفاتحہ کا جزو قرار دیتے ہیں۔ جب کہ بعض علماء ہر سورت سے پہلے بسم اللہ کے وارد ہونے کی بنا پر سوائے سورۃ براءت کے' اسے ہر سورۃ کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔ ان میں ابن عباسؓ' ابن عمرؓ' ابن زبیرؓ' حضرت علیؓ' ابو ہریرہؓ اور تابعین میں سے عطاء' طاؤس' سعید بن جبیر' مکحول اور زہری رضی اللہ عنہم وغیرہم کے اسماء بیان کئے جاتے ہیں۔ امام عبد اللہ بن مبارکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک قول اسی طرح منقول ہے۔ قول معروف اور مذہب مختار یہ ہے کہ "بسم اللہ" قرآن کا حصہ ہے۔ لیکن سورہ الفاتحہ یا دوسری سورتوں کا جزو نہیں بلکہ ہر سورت سے پہلے اسے محض امتیاز وانفصال اور تیمن و تبرک کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ عبد اللہ بن عباسؓ سے اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے:

كان المسلمون لا يعرفون انقضاء السورة (و فی رواية) (لايعرفون فصل السورة) حتى تنزل "بسم الله	مسلمانوں کو دو سورتوں کے درمیان فرق وانفصال کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے

Marfat.com

الرحمن الرحیم" فاذا نزلت عرفوا ان السورة قد انقضت (و فی روایة ان السورة قدختمت و استقبلت او ابتدأت سورة اخریٰ۔

سے ایسی حد فاصل قائم ہوئی کہ لوگوں کو اس کے ذریعے ہر ایک سورت کے شروع ہونے یا ختم ہونے اور دوسری کے شروع ہونے کی معرفت حاصل ہو گئی۔

۱۔(سنن ابی داؤد'۱:۱۲۲'کتاب الصلاۃ'باب من جھر بھا'رقم:۷۸۸)

۲۔(السنن الکبریٰ للبیھقی'۲:۴۳)

۳ (المستدرک للحاکم'۱:۲۳۱:۲۳۲'رقم:۸۴۵'۸۴۶)

مدینہ'بصرہ اور شام کے قراء وفقہاء بھی اسی قول کے مؤید ہیں کہ "بسم اللہ" "سورہ النمل" میں وارد ہونے کے اعتبار سے ایک مرتبہ تو قرآن کی مستقل آیت ہے۔ لیکن باقی تمام سورتوں سے پہلے اس کا ورود محض علامت فصل کے طور پر ہے' تاکہ اس کے ذریعے دو متصل سورتوں کے درمیان واضح فرق کا پتہ چل جائے۔ امام ابو حنیفہؒ 'امام مالک' امام سفیان ثوریؒ'امام احمد بن حنبلؒ امام اوزاعیؒ وغیرہم کا مذہب بھی یہی ہے۔

نماز میں قرأت تسمیہ کا حکم:

تسمیہ کی شرعی حیثیت کے تحت تسمیہ کا سورہ فاتحہ کا حصہ نہ ہونا اس امر سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جہری نمازوں میں قرأت بالجہر کا آغاز "سورہ فاتحہ" سے کرتے تھے۔ "بسم اللہ کی قراءت جہراً" نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

ان النبی ﷺ و ابابکرؓ و عمرؓ کانوا یفتتحون القراءة بالحمد للہ رب

نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ جہری نماز کا آغاز الحمد للہ سے فرمایا کرتے تھے۔

Marfat.com

العالمین و زاد مسلم ولایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراۃ ولا فی اخرھا۔

صحیح مسلم کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ پہلی اور دوسری مرتبہ دونوں قراتوں میں (جہراً) بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔

۱۔ا لصحیح لمسلم '۱:۱۷۲ 'کتاب الصلاۃ' رقم: ۵۲

۲۔ مسند احمد بن حنبل '۳:۱۰۱ '۱۱۴

۳۔ سنن الدارمی '۱:۳۰۰

۴۔ سنن النسائی '۲:۹۷ 'رقم: ۹۰۲

سعید بن منصور سنن میں ابو وائلؓ سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

کانوا یسرون التعوذ والبسملۃ فی الصلوۃ

صحابہ کرامؓ نماز میں تعوذ اور تسمیہ آہستہ پڑھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسناد صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

قال صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم فلم اسمع احدا منھم یقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم

انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر 'عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی جہراً بسم اللہ پڑھتے نہیں سنا۔

۱۔ صحیح مسلم 'کتاب الصلوۃ' باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ '۱:۱۷۲

۲۔ مسند احمد بن حنبل '۳:۱۰۱ '۱۱۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکی دور میں ابتداً دورانِ نماز بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے۔ اس پر مشرکین مکہ استہزا کرتے کیونکہ وہ "مسیلمہ کذاب" کو رحمٰن کہتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سن کر وہ طعنہ دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل یمامہ کے معبود یعنی "مسیلمہ کذاب" کی طرف بلاتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو بسم اللہ کی قرأت آہستہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

Marfat.com

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فامر رسول اللہ ﷺ باخفائها فما جهر بها حتی مات (الدر المنثور '۱:۱۱)	لہٰذا حضور ﷺ نے حکم صادر فرمادیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پوشیدہ پڑھا کرو پھر تاوقت وفات کبھی نماز میں بسم اللہ پکار کر نہیں پڑھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

فلما نزلت هذه الاية امر رسول اللہ ﷺ ان لا يجهر بها (المعجم الکبیر '۱۱:۳۴۸)	جب آیت بسم اللہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جائے۔

اسی طرح صحیح بخاری' صحیح مسلم اور طبرانی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہؒ 'ترمذیؒ' ابوداؤدؒ' نسائیؒ' ابن ماجہؒ' ابن خزیمہ اور بیہقی وغیرہ متعدد کتب حدیث میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ تسمیہ کی قرأت "سورہ فاتحہ" یا کسی اور سورت کے حصے کے طور پر نہیں بلکہ الگ حیثیت سے کی جاتی تھی۔ اگر یہ حصہ "سورہ فاتحہ" کا حصہ ہوتی تو یقیناً اس کی قرأت بھی اس کے ساتھ بلند آواز سے کی جاتی۔ جن روایات میں بسم اللہ کی قرأت کا دوران نماز بلند آواز سے ہونا مذکور ہے وہ مکی دور کے اوائل ایام سے متعلق ہیں۔ لیکن بعد میں صراحت کے ساتھ حضور ﷺ نے پکار کر پڑھنے کی ممانعت فرمادی۔ لہٰذا تسمیہ کا نماز میں پڑھا جانا تلاوت قرآن کے آغاز وافتتاح کے طور پر ہے۔ کیونکہ حمد وثنا کے بعد جب سورۃ فاتحہ کی قرأت شروع ہوتی ہے تو یہی دوران نماز تلاوت قرآن کا آغاز ہے اور یہاں بھی یہ حکم ہے کہ تلاوت قرآن کا آغاز پہلے تعوذ اور پھر تسمیہ سے کیا جائے۔

تسمیہ سے ہر کام کے آغاز کا حکم (تاریخی پس منظر):

شریعتِ اسلامیہ میں ہمیشہ سے یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ ہر جائز اور مشروع

Marfat.com

کام کا آغاز خدا کے نام سے کیا جائے۔

ا۔ جب نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچاؤ کے لئے اذن الٰہی کے مطابق کشتی تیار کر لی اور اپنے ساتھیوں کو اس میں سوار کر لیا تو کشتی چلانے سے قبل فرمایا۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (ہود، ۱۱:۴۱)

اور نوح نے کہا تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اسکا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

۲۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ صبا کو جو تبلیغی خط لکھا۔ اس کا آغاز بھی انہی مبارک کلمات سے کیا گیا تھا۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO (النمل، ۲۷:۳۰)

بے شک وہ (خط) سلیمان علیہ السلام کی جانب سے (آیا) ہے اور وہ اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو بے حد مہربان بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

۳۔ عہد عیسوی میں بھی ان مبارک کلمات کی برکات و تاثیرات کا پتہ چلتا ہے۔ اسرائیلیات میں ایک روایت مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قبر پر گزر ہوا۔ آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ صاحب قبر پر عذاب کر رہے ہیں۔ جب دوسری مرتبہ گزر ہوا تو دیکھا کہ رحمت کے فرشتے نور کے طبق اس پر پیش کر رہے ہیں۔ آپ کو بہت تعجب ہوا نماز پڑھی اور کشف حال کے لئے دعا کی۔

فاوحی اللّٰہ تعالیٰ الیہ یا عیسی کان هذا العبد عاصیًا و مذمات کان محبوسا فی عذابی و کان قدترک

پس اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ بندہ اپنی موت کے دن سے میرے عذاب میں گرفتار تھا۔ وقت مرگ اس کی

Marfat.com

امراة حبلی فولدت ولدا و ربته حتی کبر فسلمته الی الکتاب فلقنه المعلم بسم اللّٰه الرحمن الرحیم فاستحییت من عبدی ان اعذبه بناری فی بطن الارض و ولده یذکر اسمی علی وجه الارض۔

(تفسیر کبیر '۱: ۱۷۲)

بیوی حاملہ تھی۔ جس نے بعد میں ایک بچہ پیدا کیا۔ اس کی ماں نے اسے پالا اور معلم دین کے سپرد کر دیا۔ اس معلم نے جب اس بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی تو ہم کو شرم آ گئی کہ اس کا باپ قبر میں عذاب میں مبتلا رہے اور اس کا بیٹا زمین پر ہمارے نام کا ذکر کرے پس ہم نے اس کو بخش دیا۔

۴۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ یہ حکم بعض معاملات میں "واجب" کا درجہ رکھتا ہے۔ بعض میں "سنت" کا اور بعض میں "مستحب" کا قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔

(الانعام '۶: ۱۱۸)

سو تم اس (ذبیحہ) سے کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

اس سے آگے مزید حکم دیا گیا۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔

(الانعام '۶: ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے (تم ان حلال جانوروں کو بلاوجہ حرام ٹھہراتے ہو)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

کل امر ذی بال لایبدا فیه بسم اللّٰه الرحمن الرحیم فهو اجزم

۱۔ (سنن ابن ماجہ '۱: ۶۰۱' رقم: ۱۸۹۴)

جو کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ یعنی اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔

Marfat.com

۲۔(المعجم الکبیر، ۱۹: ۶۸، رقم: ۱۴۱)

۳۔(کنز العمال، ۱: ۵۵۵، رقم: ۲۴۹۱)

اس حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھیں جیسے حضور ﷺ نے فرمایا۔

لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ — اس شخص کا وضو نہیں جس نے اس پر بسم اللہ نہ پڑھی۔

(سنن ابو داؤد، ۱: ۱۵، کتاب الطہارۃ، باب التسمیہ علی الوضوء، رقم: ۱۰۱)

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے وضو کی فرضیت ہی ناقص رہ جاتی ہے بلکہ فرض تو ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن سنن و مستحبات کی شمولیت سے جو کمال نصیب ہوتا ہے اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ فعل جو بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے، ممکن ہے دنیوی لحاظ سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں تو ناکام نہ ہو لیکن اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے عند اللہ کامل نہ ہوگا۔ اسی روحانی کمال اور نقص کی طرف متذکرہ بالا حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ کلام الٰہی جو سراسر خیر و برکت ہے۔ جب اس کے پڑھنے سے بھی پہلے بسم اللہ کا پڑھنا بطور شرط لازم ہے تو دیگر امور حیات سے قبل تسمیہ کا پڑھا جانا کس قدر ضروری ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کی اپنی عملی مداومت بھی اسی اصول پر تھی۔

۵۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ نے خود اپنے کلام مبارک کے نزول کے آغاز و افتتاح کے لئے جو کلمات منتخب فرمائے وہ بھی "تسمیہ" کی نوعیت کے تھے۔ غار حرا میں گونجنے والی سب سے پہلی قرآنی صدا یہ تھی۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ○ (العلق، ۹۶: ۱)

(اے حبیب!) اپنے رب کے نام سے (آغاز کرتے ہوئے) پڑھیئے جس نے (ہر چیز کو) پیدا فرمایا۔

گویا آداب قرأت میں سب سے پہلا قرینہ بسم اللہ سے شروع کرنا تھا اور اسی

Marfat.com

قرینہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ سے قرأت کا آغاز کرایا گیا۔ مفسرین عام طور پر بسم اللہ کو معنوی وسعت کے اعتبار سے تمام قرآنی علوم کی جامع قرار دیتے ہیں۔ امام فخر الدین رازیؒ اسی باب میں ایک قول نقل کرتے ہیں۔

کل العلوم مندرج فی الکتب الاربعة و علومها فی القرآن و علوم القران فی الفاتحة و علوم الفاتحة فی (بسم الله الرحمن الرحیم) و علومها فی الباء من بسم الله۔
(تفسیر کبیر ۱:۹۹)

تمام علوم و معارف چار الہامی کتابوں میں درج کئے گئے ہیں اور ان کے تمام علوم قرآن میں اور قرآن کے تمام علوم سورۃ الفاتحہ میں اور سورۃ الفاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور اس کے تمام علوم بائے بسم اللہ میں۔

حذفِ فعل کی حکمت

یہاں ایک خاص امر قابل توجہ ہے کہ قرآنی عبارت میں "شروع کرتا ہوں" کے لئے کوئی لفظ یا کلمہ استعمال نہیں ہوا۔ ترجمے میں یہ الفاظ معنوی طور پر از خود تصور کئے جاتے ہیں۔ در حقیقت قرآن کے اس انداز میں خاص حکمت پنہاں ہے۔

اگر قرآن "شروع کرتا ہوں" کے الفاظ اپنی عبارت میں استعمال کرتا تو اس کی صورت یہ ہوتی ابداء، اشرع یا ابتدا (میں آغاز کرتا ہوں) ان میں ہر لفظ فعل اور فاعل دونوں کا جامع ہوتا۔ عام طور پر یہی عربی ادب کا اسلوب ہے کہ فعل اور فاعل اکٹھے ہوا کرتے ہیں۔ اب اس کی دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔

(۱) ایک یہ کہ ابداء وغیرہ کا لفظ بسم اللہ سے پہلے استعمال کیا جاتا۔

(۲) دوسری یہ کہ ایسا لفظ بسم اللہ کے بعد استعمال ہوتا لیکن قرآن نے اسے ہر صورت میں محذوف کر دیا۔

اس کی چند حکمتیں ہیں، ان حکمتوں کے بیان سے قبل یہ اصول ذہن نشین ہو جانا

Marfat.com

چاہئے کہ بعض اوقات عربی عبارت میں ایسے حروف استعمال ہوتے ہیں جن سے پہلے کوئی فعل محذوف تصور کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کا شمار معنی میں تو ہوتا ہے لیکن عبارت میں نہیں ہوتا۔ مثلاً:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ اور (وہ وقت یاد کریں) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا۔ (البقرہ، ۲:۳۰)

یہاں قاعدہ نحو کے مطابق اذ سے پہلے "اُذْكُرْ" فعل محذوف ہے جس کا معنی ہے (یاد کرو) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا۔ اسی طرح حرف باء جس سے تسمیہ کا آغاز ہو رہا ہے اس سے پہلے بھی ایک فعل محذوف ہے۔ اس فعل کو محذوف رکھنے کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

پہلی حکمت

اگر ابداء یا اس جیسا کوئی لفظ بسم اللہ سے پہلے وارد ہوتا تو یہ امر واضح تھا کہ اس کا فاعل وہ شخص خود ہی ہوتا جو قرآن کی تلاوت یا کسی دوسرے کام کا آغاز کر رہا تھا۔ ابداء کا فاعل اللہ تعالیٰ کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ باری تعالیٰ چونکہ تعلیم یہ دینا چاہتے تھے کہ قرآن کی تلاوت ہو یا کوئی اور جائز کام، اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس مخصوص ادب معاشرت کی تعلیم کلمات تسمیہ کے ذریعے دی جا رہی تھی۔ اس لئے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ خود ان ہی کلمات کا آغاز اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کے ذکر سے ہوتا۔ چنانچہ اس مخصوص ادب اور ضابطہ عمل کی تعلیم بھی اسی انداز سے دی گئی کہ اظہار مدعا کا آغاز بھی براہ راست اللہ ہی کے ذکر سے ہو کسی اور کے ذکر سے نہیں۔ کیونکہ اسی طرح کمالِ برکت کا حصول ممکن ہے۔

دوسری حکمت

صیغہ متکلم واحد کا استعمال ہوتا یا جمع کا، دونوں صورتوں میں قائل اپنا اور اپنے فعل

کاذکر اسم باری تعالیٰ پر مقدم کرتا۔ یہ امر ادب واحترام کی اعلیٰ منزلوں کے منافی تھا۔ یہ لحاظ عام گفتگو میں بھی رکھا جاتا ہے کہ اگر قائل کسی کام کے ضمن میں اپنے علاوہ دوسرے افراد کا ذکر بھی مشترکہ طور پر کرنا چاہتا ہو تو پہلے دوسروں کا نام لیا جاتا ہے اور آخر میں متکلم اپنا نام لیتا ہے کیونکہ یہ آداب تہذیب کلام کا حصہ ہیں۔ اپنا نام پہلے لینا معیار لطافت کے خلاف ہے۔ اسی طرح کسی کام میں افضل پر مفضول کی سبقت بھی خلاف ادب تصور کی جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال قرآن حکیم سے بیان کی جاتی ہے کہ بعض لوگوں نے عہد رسالت میں عید الاضحیٰ کے دن آنحضرت ﷺ سے پہلے قربانی کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوْا اللهَ اِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌO	اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سنتا جانتا ہےO

(الحجرات ۴۹: ۱)

اللہ تعالیٰ نے باوجود اس کے کہ ان کا عمل حکم الٰہی کی اطاعت پر مشتمل تھا اور وہ خون بھی محض رضائے الٰہی کی خاطر بہایا گیا تھا جو کہ خالصۃً عبادت تھا۔ لیکن ان سے خطا صرف یہ سرزد ہوئی کہ وہ عمل میں وقتی طور پر نبی اکرم ﷺ پر تقدم کر بیٹھے تھے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ کو رسالت مآب ﷺ کی تعظیم وادب کے منافی معلوم ہوئی۔ انہیں قربانیاں پھر سے کرنے کا حکم صادر کیا گیا اور آئندہ کے لئے حکماً اس اقدام کے امکان کو بھی ختم کر دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ بعض لوگ رمضان المبارک سے ایک دن قبل روزہ رکھنا شروع کر دیتے تھے اور اس طرح وہ آنحضرت ﷺ پر تقدم کر بیٹھتے۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکماً منع فرمادیا۔ اس مثال کے ذریعے درحقیقت یہ بات واضح کرنا مقصود تھی کہ بعض اوقات مقدم خلاف ادب تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ بسم اللہ میں جو کہ خود ہی سراسر ادب کی تعلیم ہے، اسی اصول کو لفظاً بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، تاکہ کلام میں بھی ادب الوہیت نظرانداز نہ ہو کیونکہ یہی کمال ایمان کی علامت ہے۔ ادب سے محروم شخص علم

Marfat.com

و عمل کی بے پناہ دولتوں کے باوجود لذت ایمان سے محروم رہتا ہے۔ اسی لئے ادب ہر سطح پر جس قدر بھی ملحوظ رہے بہتر ہے۔ کلام میں اس قدر لفظی احتیاط اور حکمت و مصلحت انسانی کوشش کے باوجود پیش نظر نہیں رہ سکتی۔ یہ صرف کلام الٰہی کا اعجاز ہے جو بغیر تصنع کے ان حکمتوں پر دلالت کر رہا ہے۔

تیسری حکمت

یہ حکمتیں تو ابدأ وغیرہ کے الفاظ بسم اللہ پر مقدم نہ کرنے میں مضمر تھیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نام سے پہلے کسی اور کا ذکر تو خلاف ادب تھا اس لئے اسے محذوف رکھا گیا مگر بعد میں بیان نہ کرنے میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ صاحب حکمت کا کوئی فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ صاف ظاہر ہے کہ ابداء یا اقراء ایسے الفاظ کسی نہ کسی کام کے کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ جب ابداء یا اشرع کی صورت میں کسی کام کے شروع کرنے کا ذکر آئے گا تو اس میں فاعل خود متکلم کی ذات ہو گی۔ گویا متکلم تسمیہ کے ذریعے کسی نہ کسی فعل میں اپنے فاعل ہونے کا ذکر بھی ساتھ ہی کر رہا ہو گا کہ "اللہ کے نام سے میں (فلاں کام) شروع کرتا ہوں" اس طرح فعل کی نسبت متکلم کی طرف ہو جاتی ہے اور اس کا فاعل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ یہاں مصلحت یہ تھی کہ انسان خود کو باری تعالیٰ کے لطف و کرم کا اس حد تک محتاج سمجھے کہ تمام امور کی نسبت اسی ذات کاملہ کی طرف کر دے۔ ہر چند کہ افعال کا صدور انسان ہی سے ہوتا ہے۔ لیکن ہر فعل کے صادر کرنے کی قوت و ہمت اور طاقت و صلاحیت انسان کو بارگاہ رب ذوالجلال سے نصیب ہوتی ہے کیونکہ تمام قوتوں اور طاقتوں کا مبداء و سر چشمہ وہی ذات ہے۔ چونکہ تسمیہ میں بسم اللہ کے ذریعے خدا کی مدد اور اس کے فعل عنایت کا ذکر آ گیا تھا۔ اس کے بعد متکلم کا اپنا فاعل ہونا بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت کے منافی تھا۔ گویا یہ تعلیم دی گئی کہ اے انسان تو ہر کام شروع کرتے ہوئے خدا کا نام لے اور اس کام کی توفیق بھی اسی ذات کی طرف منسوب کر،

Marfat.com

کبھی بھی اس فعل کو اپنا کمال نہ سمجھ کیونکہ فاعل حقیقی تو نہیں اللہ کی ذات ہے۔ یہاں انسانی فکر کو کبر و نخوت کی تباہ کاریوں سے بچنے کی صورت بتائی گئی ہے کہ اگر انسان زبان سے ذات حق کا نام لے کر دل میں یقین بھی اسی کی طاقت کی کار فرمائی پر رکھے گا تو سوچ کا یہ انداز اسے کبھی بھٹکنے نہ دے گا۔ یہ فکر ایمانی آداب کا لازمہ ہے۔ سورہ النساء میں اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا○ (النساء، ۴:۷۸)

آپ فرما دیں (حقیقۃً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے پس اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے○

یہاں صرف جائز کاموں میں توفیق کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونا مذکور ہے۔ اسی انداز سخن اور طرز فکر کی تلقین تسمیہ کے ذریعے کی جا رہی ہے' یہاں ایک اور لطیف نکتہ قابل غور ہے کہ بسم اللہ میں چونکہ ذکر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور ابتدا فعل یا ارتکاب فعل کی نسبت انسان کی طرف مذکور نہیں ہے۔ اس لئے حکم ہے کہ بسم اللہ محض جائز کاموں کے آغاز میں پڑھی جائے۔ ناجائز اور خلاف شرع امور پر نہیں۔ کیونکہ غلط کاموں میں توفیق فعل کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کرنا خلاف آداب بندگی ہے۔ بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو اپنے آقا کی طرف منسوب کرتا پھرے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (النساء، ۴:۷۹)

(اے انسان اپنی تربیت یوں کر کہ) جب تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کی طرف سے ہے (اسے اپنے حسن تدبیر کی طرف منسوب نہ کر) اور جب تجھے کوئی برائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ تیری اپنی طرف سے ہے (یعنی اسے اپنی خرابی نفس

کی طرف منسوب کر)۔

مذکورہ بالا دو آیات میں حقیقت حال بھی واضح کر دی گئی ہے اور آداب فکر و قول بھی کہ توفیق اور طاقت ہر کام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتی ہے۔ لیکن نیکی صادر ہو تو بندگی یہ ہے کہ انسان اسے اپنے آقا کی رحمت سمجھ کر اسی کی طرف منسوب کر دے اور بدی صادر ہو تو اسے اپنی سوچ اور کاوش کا نتیجہ سمجھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی انداز فکر سے انسان کی اپنے عیبوں اور کوتاہیوں پر نظر رہتی ہے اور وہ خود تنقیدی احتساب کے ذریعے اپنی اصلاح کا طالب و خوگر ہو سکتا ہے اور دوسری طرف وہ بعض اچھائیوں کو محض اپنی صلاحیت کا ثمرہ سمجھ کر پیکر رعونت بھی نہیں بننے پاتا۔ چونکہ ہر کام کی توفیق اور ہمت و قدرت کا مبدا و منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے تسمیہ میں اسی کے مجرد ذکر پر اکتفا کیا گیا اور انسان کے فعل یا اس کے فاعل ہونے کا ذکر محذوف کر دیا گیا۔ گویا حقیقت کو عیاں رکھا اور جو کچھ محض ظاہر تھا اسے پوشیدہ کر دیا۔

آیت الحمد سے استدلال

سورہ الفاتحہ کا آغاز بھی اسی فلسفے کی نشاندھی کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَO — تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہےO (الفاتحہ '۱:۱)

یہ بات بڑی واضح ہے کہ جب کسی کی خوبی یا تعریف ہو گی تو یقیناً کوئی نہ کوئی تعریف کرنے والا بھی ہو گا۔ کیونکہ زبانِ حمد کھولے بغیر بیان حمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں حمد کا ذکر ہے' حامد یا فعلِ حمد کا بیان نہیں ہے۔ محض اس لئے کہ اگر حمد کرنے والے کا ذکر کر دیا جاتا تو ممکن ہے وہ یہ سمجھتا کہ محمود میری حمد کا محتاج ہے یا میری تحمید نے اسے عظمت دی ہے حالانکہ حمد کسی کا کارنامہ نہیں۔ یہ حسن الوہیت کا اپنا استحقاق ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا

Marfat.com

محمود ہونا بیان کر دیا۔ مگر کسی کا حامد ہونا صراحت سے بیان نہیں کیا۔

اسی طرح تسمیہ میں فعل اور فاعل کو محذوف رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ یقیناً وہ کام جس کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی جارہی ہے تو کوئی نہ کوئی شخص ہی کرے گا۔ لیکن کہیں وہ اپنی فاعلیت پر ایسا گمان نہ کرنے لگے کہ یہ کام میں اپنی ہمت و توفیق سے کر رہا ہوں۔ چنانچہ خدا کا نام محض برکت کی غرض سے نہیں بلکہ اس یقین و اعتماد سے لیا جائے کہ اس کام کی توفیق بھی محض اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔

چوتھی حکمت

اولاً یا آخراً کسی صورت میں بھی خدا کے ماسوا کے ذکر کا تسمیہ میں نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واجب الوجود صرف اسی کی ذات ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ممکن ہے اور اس وجہ سے ہالک و معدوم۔ تسمیہ چونکہ تمام معارف قرآنی کا خلاصہ ہے اس لئے اس کا اندازِ بیان بھی دین حق کے جملہ مقاصد و مطالب کا خلاصہ ہو گا۔ بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا آغاز و انجام صرف خدا ہی کی ذات و صفات کے ذکر پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں نہ کسی فعل کا بیان ہے نہ کسی فاعل کا۔ گویا یہ الفاظ خدا کی واحدانیت کو اسی طرح اجاگر کر رہے ہیں کہ اس کائنات میں اس کے بغیر نہ تو کسی فعل کا صدور ممکن ہے اور نہ کسی فاعل کا وجود۔ بلکہ دوام حقیقی اور ثبات ابدی اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ صرف خلاق عالم ہی کی ذات ہے۔ وہی اول اور وہی آخر بھی ہو گا۔ اس لئے نہ اس سے پہلے کسی فعل کا ذکر ممکن ہے اور نہ اس کے بعد، ارشاد ربانی ہے۔

۱۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ O (الحدید ۵۷:۳)	وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے بعد بھی ہے اور وہی عیاں ہے اور وہی پنہاں اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہےO

Marfat.com

۲۔ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ (الروم، ۳۰:۴) — حکم اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔

۳۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ (القصص، ۲۸:۸۸) — اس کے سوا کوئی خدا یعنی واجب الوجود نہیں ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے۔

چنانچہ تسمیہ کے کلمات میں خدا کے سوا ہر قسم کے فعل اور فاعل کے ذکر کا محذوف و معدوم ہونا انسان کو پوری کائنات اور اس کے نظام کی بے ثباتی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ کلام پکار پکار کر دنیا کی بے حقیقت رنگینیوں میں محو و مستغرق انسانوں کو حقیقت ابدی کی طرف متوجہ کر رہا ہے تاکہ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو کر بے کم و کاست اسی احکم الحاکمین کی قدرتوں اور قوتوں پر کامل ایمان لے آئیں اور اس سراب حیات کو ہی آخری منزل نہ سمجھ لیں۔ تسمیہ سے چونکہ قرآن کا آغاز ہو رہا ہے اس موقع پر جامع و مانع انداز سے خدا کی ہستی اور اس کی صفات کا ذکر اور اس کے ماسوا کا حذف و اضمار انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ دل و دماغ سے غیر کا خیال نکال دے اور ہر لمحہ ذات حق پر نظر رکھے۔ یہ معراج عبدیت ہے اور قرآن کا پہلا سبق بھی یہی ہے جیسا کہ ارشاد ایزدی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (البقرہ، ۲:۱۱۵) — اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے، پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)۔

مزید برآں وہ ایسا موجود حقیقی ہے کہ ہر وجود کا مبدا بھی وہی ہے اور مرجع بھی۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں ہر وجود کائنات کا جواز بھی اسی کے وجود سے ہے۔ وہ حقیقت ہے اور اس کے ماسوا ہر شے مجاز ہے۔ اس لئے تسمیہ میں حقیقت کا ذکر کیا گیا اور مجاز کو ترک کر دیا گیا۔

Marfat.com

حرفِ باء کی افادیت

کلمات تسمیہ کا پہلا حرف "باء" ہے۔ جس کا معنی "سے" کیا گیا ہے یہ فعل محذوف سے متعلق ہے۔ محذوف سے مراد وہ فعل اور فاعل ہے جس کا ذکر یہاں لفظاً نہیں بلکہ معناً موجود ہے۔ یعنی "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے" گویا حرف باء فعل محذوف کو اللہ کے نام سے ملانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حرف "باء" کی اپنے استعمال وافادیت کے لحاظ سے متعدد اقسام ہیں۔ جنہیں علماء نحو نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن یہاں یہ حرف ان میں سے تین اقسام پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

۱۔ بائے الصاق ومصاحبت ۲۔ بائے استعانت ۳۔ بائے تیمن وتبرک

بائے مصاحبت

الصاق ومصاحبت کا معنی اکٹھا ہونا، متصل ہونا اور رفاقت ومعیت اختیار کرنا ہے۔ اس صورت میں جب کہ با مصاحبت کے لئے تصور کی جائے تو تسمیہ کا مفہوم یہ ہو گا کہ میں اللہ کے نام کو اپنا ساتھی بناتے ہوئے، اس کے دامن رحمت سے وابستہ اور منسلک ہوتے ہوئے اور محض اسی کی رفاقت ومعیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کام کا آغاز کرتا ہوں۔ امام فخر الدین رازیؒ اس مقام پر فرماتے ہیں۔

هذا الباء باء الصاق فهو يلصق العبد بالرب فهو كمال المقصود۔ (تفسیر کبیر، ۱:۹۹)	یہ "ب" بائے الصاق ہے چنانچہ یہ بندے کو رب سے ملاتی ہے اور یہی انسانی مقصود کا کمال ہے۔

حرف باء کے اس مفہوم کی افادیت یہ ہے کہ تسمیہ کے ذریعے انسان کو اپنے ہر کام کے آغاز سے انجام تک خدا کی رفاقت ومعیت کا احساس رہے۔ یہ امر واقع ہے کہ اگر انسان کو کسی نہایت قوی، مضبوط اور ہمدرد بہی خواہ ساتھی کی رفاقت کا احساس اور یقین ہو تو اسے کسی سطح پر بھی خوف وخطر دامن گیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انسان کو کارگہ زیست میں ہر

Marfat.com

خوف و غم سے بے نیاز کرنے کے لئے بسم اللہ کے ذریعے دل و دماغ میں یہ احساس جاگزیں کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروگے تو اس کی معیت بھی تمہیں حاصل ہو گی۔ جس کی حفاظت کے باعث تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچ سکے گا اور نہ تمہاری کاوشیں بے نتیجہ ہوں گی۔ اسی تصور کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌO	اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہےO

(الحدید'۵۷:۴)

اسی طرح شب ہجرت صدیق اکبرؓ کو غار ثور میں تنہائی کے احساس سے کچھ خدشہ سا محسوس ہوا کہ شاید کفار مکہ جو آنحضرت ﷺ کے تعاقب میں تھے انہیں نقصان پہنچا دیں۔ اس پر حضور ﷺ نے ان سے بزبان وحی ارشاد فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ۔	غمزدہ نہ ہو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی۔

(التوبہ'۹:۴۰)

اس ارشاد پر غور کریں تو اندازہ ہو گا کہ خدا کی معیت پر ایمان تو حضرت صدیق اکبرؓ کا پہلے سے ہی تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس قدر عداوت و مخالفت کے ماحول میں اپنے گھر والوں کو اکیلا چھوڑ کر حضور ﷺ کے شریک سفر نہ ہوتے۔ لیکن ظاہراً بے سروسامانی کا عالم' تنہائی کا ماحول اور کفار و مشرکین کے مخاصمانہ تعاقب کا خیال وقتی طور پر حزن و ملال کا باعث بنا اور یہ انسانی طبیعت کا لازمی تقاضا تھا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے صرف انہیں معیت خداوندی کی طرف متوجہ کر دیا۔ یہ احساس بحال ہونا تھا کہ دل کو سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہو گئی۔ گویا معیت خداوندی قلبی تسکین کا لازمی سبب ہے۔ یہی فلسفہ تسمیہ ہے کہ انسان خدا کی معیت و رفاقت کا احساس اجاگر کر کے جہد حیات کا آغاز کرے تو کوئی خوف و حزن اسے پریشان نہیں کر سکتا۔ خوف و حزن سے نجات پا کر انسانی جدوجہد کو وہ تازگی اور

Marfat.com

قوت میسر آتی ہے جس سے کامیابی و کامرانی کی منزل بھی آسان ہو جاتی ہے۔ ورنہ بے یقینی اور مایوسی کی کیفیت تگ و دو کو مطلوبہ منزل تک نہیں پہنچنے دیتی' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْآ اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْO (محمد' ۳۵:۴۷)	پس تم سستی نہ کرو اور خود صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہاری کوششیں بے نتیجہ نہیں جانے دے گا۔

یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ خدا کی معیت تو در حقیقت ہمہ وقت انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اسے اس معیت کا احساس اور شعور نہیں ہوتا۔ شعور معیت الٰہی متحقق نہ ہونے کی بنا پر وہ اس کے جملہ ثمرات و لطائف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ تسمیہ معیت الٰہی مہیا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کا شعور بیدار کرنے کے لئے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِO (ق' ۱۶:۵۰)	اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم اس سے اس کے دل کی رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیںO

اس آیت سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ معیت الٰہی تو انسان کو پہلے سے ہی میسر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا شعور بیدار نہیں ہوتا۔ جب اس معیت و رفاقتِ خداوندی کا شعور انسان کے اندر ایک زندہ قوت بن جاتا ہے تو تمام وساوس نفسانی اور دنیوی خطرات و خدشات نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور قلب و باطن پر اس احساس کے محیط ہو جانے سے ایک عجیب لطف و سکون اور لذت و طمانیت کی مستقل کیفیت طاری ہو جاتی ہے' انسان کو پھر نہ تو کسی اور کی رفاقت کی طلب رہتی ہے اور نہ کسی کے قرب کی۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

Marfat.com

لیکن اس لطف کا اندازہ بیان سے نہیں خود دھیان سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لذت بتانے کی نہیں محسوس کرنے کی چیز ہے۔

بائے استعانت

استعانت سے مراد مدد طلب کرنا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے مفہوم تسمیہ یہ ہو گا کہ "اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں" حضرت نوح علیہ السلام نے قیامت خیز طوفان سے اپنے پیروکاروں کو بچانے کے لئے حکم الٰہی سے ایک کشتی بنائی اور انہیں اس میں سوار ہو جانے کو کہا۔ قرآن حکیم اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

وَ قَالَ ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۝
(ہود ۱۱:۴۱)

اور نوح نے کہا تم لوگ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اسکا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے بے شک میرا رب بڑا ہی بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

گویا اس آیت کے ذریعے جملہ مہمات میں خدائے رحمان و رحیم کے نام سے استعانت کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ انسان پر یہ حقیقت آشکار ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت کے بغیر نہ تو کسی خیر کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی شر سے محفوظ ہوا جا سکتا ہے۔ چونکہ فعل محذوف کے اعتبار سے یہاں کام کے شروع کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس لئے بائے استعانت کا معنوی اطلاق یوں ہو گا کہ "اے اللہ میں ہر کام کے شروع کرنے میں بھی تیری مدد کا محتاج ہوں۔" جب کوئی کام خدا کی مدد اور توفیق کے بغیر آغاز پذیر ہی نہیں ہو سکتا تو اس کا انجام پذیر ہونا کیونکر ممکن ہو گا۔ دراصل یہاں انسان کو اپنی حاجت مندی کا احساس دلایا جا رہا ہے تاکہ وہ دنیوی متاع کو کثرت کے ساتھ حاصل کر کے خدائے لم یزل کے حضور سر نیاز خم کرنے سے باغی نہ ہو جائے۔ انسان کے ذہن میں یہ حقیقت ہر وقت موجود رہے کہ میں رب ذوالجلال کی عنایت کے بغیر اپنی جہدِ حیات میں پہلا قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ کس قدر

Marfat.com

ظالم اور احسان فراموش ہے وہ شخص جس کا قدم بھی خدا کے لطف وانعام سے اٹھے لیکن وہ بجائے اس کی اطاعت کے اسی کے احکام کی خلاف ورزی کے لئے بڑھ رہا ہو۔ اگر انسان کا یہ شعور بیدار ہو کہ اس کی زبان کو قوت گویائی' اس کے کانوں کو قوت سماعت' اس کی آنکھوں کو قوت دید' اس کے دست وبازو کو قوت عمل' اس کے قدموں کو قوت نقل وحرکت اور اس کے دماغ کو قوت فکر الغرض سب کچھ خدا کی مدد واعانت کے سبب میسر آیا ہے تو اس کے ظاہری اور باطنی اعضاوجوارح میں سے کوئی عضو بھی رضائے الٰہی کے خلاف حرکت میں نہ آئے۔ ہم سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اور ہمارے فکر میں جو تمرد وانحراف جنم لیتا ہے یہ دراصل اسی شعور وادراک کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ تسمیہ فی الحقیقت انسان کی فکری وعملی اصلاح کا شاندار ذریعہ ہے۔ اگر ہر کام شروع کرنے سے پہلے زبان اور دل خدا کا نام لینے اور اس سے مدد طلب کرنے کی طرف راغب ہوں اور یہ ان کی عادی خصوصیت بن جائے تو نواہی ومحرکات سے از خود پرہیز ہونے لگے گا۔ کیونکہ خدا کی یاد کے ہوتے ہوئے حکمِ خدا کی خلاف ورزی ممکن نہیں رہتی۔ مزید برآں استعانت دعا ہے اور دعا خود مغزِ عبادت۔ اس لحاظ سے تسمیہ فی نفسہ عبادت کی روح قرار پاتا ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان خود کو کسی کام کے کرسکنے میں اپنے ذرائع اور اسباب ووسائل کے باوجود ناکافی وعاجز تصور کرتا ہے اور پھر اپنی بے بسی وبے کسی کے اعتراف کے ساتھ خدائے بزرگ وبرتر کی مناجات کرتے ہوئے اس سے مدد طلب کرتا ہے۔ گویا انسان بارگہ ایزدی میں سراپا سوال بن کر حاضر ہے۔ وہ دنیا ومافیہا سے ناامید اور تمام اسباب سے مایوس ہو کر مسبب الاسباب کی بارگاہ میں نیازمندی کے ساتھ آن کھڑا ہوا ہے۔ اس کی آرزومندی دل کو درد وسوز کی لذت سے آشنا کردیتی ہے اور یہی کیفیت انسان کو مقام بندگی سے ہمکنار کرتی ہے۔ بقول شخصے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا مجھ کو
وگرنہ میں خدا ہوتا جو دل بے مدعا ہوتا

اسی مقام کو علامہ اقبالؒ یوں بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

متاع بے بہا ہے درد و سوز و آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

قرآن میں حرف باء کا استعمال کئی مقامات پر اسی مقصد کے لئے ہوا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَO (البقرہ'۲:۱۵۳)	اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو' یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہےO

یہاں صبر اور نماز دونوں کو ذریعہ استعانت کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ استعانت تو لامحالہ باری تعالیٰ سے ہو گی 'لیکن اس کے کامل استحقاق کے لئے صبر و نماز کو اپنالو تاکہ ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور عنایت و اعانت زیادہ سے زیادہ نصیب ہو سکے۔اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں واضح کیا گیا ہے۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا۔ (الاعراف'۷:۱۲۸)	موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

اسباب سے صرف نظر کر کے مسبب الاسباب پر نظر رکھنا ہی صبر کہلاتا ہے اس لئے قرآن استعانت کے ساتھ توحید مطلب کی بھی تعلیم دے رہا ہے۔ تسمیہ میں بائے استعانت سے پہلے یا بعد میں کسی اور کا ذکر نہیں۔ صرف خدا ہی کے نام پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جس کا واضح مقصد یہی ہے کہ انسان کی تمام ضروریات و مشکلات میں خدا ہی کی ذات کافی ہے۔اسے کسی اور چیز پر توکل یا انحصار کی ضرورت نہیں۔

بائے تبرک

تبرک کا معنی برکت حاصل کرنا ہے لہٰذا بائے تبرک کے حوالے سے تسمیہ کا

Marfat.com

معنی یہ ہوگا کہ "اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں" خدا کے نام سے شروع کرنا اس اعتبار سے باعث برکت ہے کہ اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اسباب و وسائل کا مہیا کرنا بھی تو اسی کا کام ہے۔ اس لئے جب اس ذات کے مقدس نام سے برکت طلب کی جائے تو وہ ذات اس کام کا انجام تک پہنچنا آسان کر دیتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

کل امر ذی بال لم یبدأ فیه بسم اللّٰه فهو أجذم اوقطع اولم یبدء فیه بسم الله فهو ابتر اولا یفتح یذکر الله فهو ابتر او اواقطع۔

جو کام بسم اللہ پڑھے بغیر شروع کیا جائے وہ دم بریدہ اور ناقص رہ جاتا ہے۔ جو کام بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے نا تمام رہ جاتا ہے جس امر کا افتتاح خدا کے ذکر کے بغیر ہو گا ٥ انجام خیر تک نہیں پہنچے گا۔

۱۔ (سنن ابن ماجه '۱:۶۱۰' رقم: ۱۸۹۴)

۲۔ (کنز العمال '۱:۵۵۵' رقم: ۲۴۹)

کلمہ اسم سے ذات نبوی ﷺ پر استدلال

عربی زبان میں کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے:

اسم، فعل، حرف

تمام ائمہ نحو و ادب اس امر پر متفق ہیں کہ

الحرف: هی الکلمة لایصح الاخبار عنها ولا بها۔

حرف وہ کلمہ ہے جو نہ تو کسی اور کی خبر دیتا ہے اور نہ خود کسی پر دلالت کرتا ہے۔

حرف جب تک کسی اور سے منسلک نہ ہو اس میں کوئی معنویت پیدا نہیں ہوتی۔ یعنی یہ از خود کسی کامل مفہوم کی نشاندہی نہیں کر سکتا' اس لحاظ سے حرف نہ "مسند" ہے اور نہ "مسند الیہ"۔

Marfat.com

الفعل: هی الکلمۃ لا یصح الا خبار عنھا لکن یصح الاخبار بھا۔

فعل وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ کسی اور کی خبر تو نہیں دے سکتا لیکن خود کسی نہ کسی خبر پر دلالت کرتا ہے۔

اس لحاظ سے فعل "مسند" تو ہے لیکن "مسند الیہ" نہیں۔ یعنی یہ خود تو کسی عمل یا خبر پر دلالت کرتا ہے مگر کسی اور کی (یعنی فاعل کی خبر نہیں دے سکتا) جب تک کوئی اسم اس کا فاعل بن کر مذکور نہ ہو۔ اس کی اپنی معنویت بھی کامل نہیں ہوتی۔

الاسم: هی الکلمۃ یصح الاخبار عنھا و بھا۔

اسم وہ کلمہ ہے جو کسی اور کی خبر بھی دیتا ہے اور خود بھی کسی خبر پر دلالت کرتا ہے۔

اس لحاظ سے اسم کو "مسند اور مسند الیہ" دونوں حیثیتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ خود بھی کسی نہ کسی کی خبر دیتا ہے اور اگر کوئی دوسرا اس سے منسلک ہو جائے اور اس سے نسبت پیدا کر لے تو وہ بھی بامعنی ہو کر خبر پر دلالت کرنے لگتا ہے۔ بالفاظ دیگر اسم خود کامل بھی ہے اور "کامل گر" بھی۔ مذکورہ بالا تینوں کلمات کا باہمی تعلق یہ ہے کہ حرف بھی اسم سے نسبت پیدا کر کے خود کو بامعنی بناتا ہے۔ فعل بھی اسم سے نسبت پیدا کر کے اپنی معنویت اور دلالت کو کامل بناتا ہے۔ لیکن اسم ایک ایسا کلمہ ہے جو خود ہی کامل ہے۔ یہ نہ صرف خود باخبر ہے بلکہ دوسروں کو بھی باخبر کرتا ہے۔ (اپنے مقصد اور ذات معینہ پر دلالت کرتا ہے یا اس کی خبر دیتا ہے) اس کو اپنی اس حیثیت کی تشکیل کے لئے نہ کسی اور حرف کی حاجت ہے نہ کسی فعل کی۔ گویا اسم میں دلالت اور معنویت کاملہ ہوتی ہے۔

تسمیہ میں فعل، حرف اور اسم کے باہمی تعلق پر اشارہ لطیف

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں "تسمیہ" کے الفاظ پر غور فرمائیں تو "فعل" جس کا تعلق کسی غیر سے ہو سکتا تھا۔ مثلاً أبداء یا أشرع وغیرہ (میں شروع کرتا ہوں) جیسے فعل

Marfat.com

کے بیان میں کام شروع کرنے والے کا ذکر تھا یعنی غیر از خدا کسی کا ذکر ہوتا ہے اسے حذف کر دیا گیا۔ تاکہ بسم اللہ میں کسی غیر کا ذکر ہی نہ ہو۔ کلمات تسمیہ کا آغاز ہی حرف باء سے کیا گیا جو حرف ہونے کی بنا پر اپنا کوئی معنی و مفہوم ہی نہیں رکھتا اس میں جو بھی معنویت پیدا ہوئی ہے۔ صرف اسم کے ساتھ نسبت کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ "حرف باء" کا مقصد محض اپنے ماقبل محذوف کو یعنی بسم اللہ کے متکلم اور فاعل کو اسم کے ساتھ ملانا ہے' پھر لفظ "اسم" وارد ہوا اور اس کے بعد "اللہ الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ بیان ہوئے' جو باری تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اسم کا معنی "علامت" ہے۔ ذات و صفات باری تعالیٰ کے ذکر سے پہلے "اسم" کا لایا جانا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ اپنی وحدانیت' الوہیت اور ہویت میں اس طرح غیر محسوس' غیر مبصر' فہم وادراک سے بالا اور عقل و خرد سے بلند ہے کہ اس تک کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا' بندوں کا اس تک پہنچنا محال ہے۔ لہٰذا اس مخفی و باطن اور پاک و منزہ ہستی تک وصال کے لئے کوئی ایسی علامت درکار تھی جو خود اس سے باخبر ہو اور دوسروں کو بھی خبر دے۔ جو اپنی ذات کے ظہور میں بھی کامل ہو اور اس ذات مطلق کے اظہار کے لئے بھی کامل ہو۔ یعنی وہ علامت ذات حق کے ظہور کی ایسی دلیل ہو کہ خود بھی اس سے واصل ہو اور دوسروں کو بھی اس سے ملا سکے وہ خود بھی معنی وجود پر دلالت کرے اور جس کسی کو اس سے نسبت ہو جائے اس کی معنویت اور دلالت بھی تام ہو جائے اور اس غرض سے دوسرے اس سراپا علامت سے نسبت اور تعلق قائم کرنے کے لئے مامور ہوں' گویا ایسی کامل علامت جو اپنی شان اور خاصیت میں مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی اور اسم کے خواص کی صحیح طور پر حامل ہو' ذات محمدی ﷺ ہی ہے۔ جس کے حق میں کیا خوب کہا گیا ہے۔

اُدھر اللہ سے واصل' اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ کو ہے حرف مشدّد کا

وہ علامت صرف ذات محمدی ﷺ کی ہی تھی جسے کلمہ اسم کے عنوان سے بیان کیا گیا۔

Marfat.com

تصوّرِ دلالت اور کلمہ اسم کی وساطت

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ "لفظ اللہ" کی دلالت کے لئے کلمہ اسم بطور ذریعہ وارد ہوا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "کیاذات حق اپنی دلالت کے لئے کسی ذریعے کی محتاج ہے؟" اس کا جواب صاف نفی میں ہے۔ بذات خود باری تعالیٰ اپنی دلالت کے لئے کسی ذریعے' واسطے اور علامت کی محتاج نہیں ہے۔ مگر ہم اس تک رسائی اور اس کی معرفت کے لئے ذریعے کے محتاج ہیں۔

یہ جواب خود عبارت تسمیہ میں ہے' جو حرف باء سے شروع ہوتی ہے "حرف باء" اپنے سے پہلے بہر صورت کسی فعل و فاعل کو محذوف کے طور پر چاہتا ہے۔ یہ محذوف وہ شخص ہے جو بارگہ الوہیت تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جو "ابداء' اشرع' اقرا" وغیرہ کا فاعل ہے اور اس شخص کو "اسم" یعنی علامت ذات حق سے ملانے کے لئے حرف باء درمیان میں لگایا گیا ہے۔ گویا مخلوق خدا حرف باء کے توسل سے اسم کے ساتھ اپنی نسبت پیدا کر رہی ہے' تاکہ اسم کے ساتھ نسبت اور تعلق پیدا کر کے طالبان حق کو ذات حق کی خبر' معرفت اور اس تک رسائی نصیب ہو سکے۔ جس طرح عالم امر میں اسم کا مدلول "لفظ اللہ" ہے اسی طرح عالم خلق میں اسم کا مدلول وجود محمد ﷺ ہے جس طرح غیر مخلوق ہونے کے اعتبار سے لفظ اللہ کی دلالت ذات حق پر کامل ہے۔ اسی طرح مخلوق ہونے کے اعتبار سے وجود محمد ﷺ کی دلالت بھی ذات حق پر کامل ہے۔ کیونکہ اسم کے جتنے بھی خواص' اعمال اور کمالات ہو سکتے ہیں خواہ ظاہری ہوں یا باطنی' معنوی ہوں یا دلالتی سب کے سب ذات محمدی ﷺ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ اسم علامت کے طور پر اس ہستی مبارکہ کو بھی بیان کر رہا ہے جو ذات حق سے واصل اور اس کی عارف بھی ہے' دیگر مخلوقات کو ذات حق کا وصال اور معرفت عطا کرنے والی بھی ہے۔

Marfat.com

ذات محمدی ﷺ کلمہ اسم کا مدلولِ کامل ہے

پورا قرآن شروع سے آخر تک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ انبیاء و رسل اسی مقصد کے لئے دنیا میں تشریف لاتے رہے۔ وہ ذات حق کی معرفت اور اس تک رسائی کا بہترین ذریعہ اور واسطہ بھی تھے اور علامت و دلالت بھی۔ پھر یہ انبیاء و رسل ایک دوسرے پر فضیلت بھی رکھتے تھے' ارشاد قرآنی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

(البقرہ' ۲:۲۵۳)

یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان مین سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

انبیاء و رسل کی تمام فضیلتیں جس نقطے پر جا کر اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گئیں۔ وہ نقطہ نبوت محمدی ﷺ کا تھا۔ اس لئے ذات حق پر آپ کی دلالت بھی سب سے زیادہ اکمل و افضل تھی اور آپ کی شان علامت و مظہریت بھی سب سے ارفع و اعلیٰ تھی۔ اس لئے نبوت و رسالت جہاں مقام و مرتبہ کے اعتبار سے آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہو گئی۔ وہاں ادوار زمانی کے اعتبار سے بھی آپ ہی پر اختتام پذیر ہو گئی۔ چنانچہ آپ ﷺ ذات حق کی علامت تامہ اور دلالت مطلقہ قرار پا گئے۔ قرآن مجید نے کئی مقامات پر اس حقیقت کی واضح نشاندہی کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۝

(النساء' ۴:۶۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آ جاؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ (کی طرف رجوع کرنے) سے گریزاں رہتے ہیں۝

Marfat.com

گویا انہیں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے میں کوئی امر مانع نہیں، مگر اے محبوب ﷺ تمہاری بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کرنا انہیں گوارہ نہیں اس لئے دوری اختیار کریں گے یعنی آپ سے منہ موڑلیں گے۔

اس آیت نے صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ منافقت یہ ہے کہ رسول ﷺ کے واسطہ وذریعہ کے بغیر ہی ذات حق کی بارگاہ میں باریابی کے حصول کی کوشش کی جائے۔ قرآنی الفاظ میں منافقت کی پہچان یہ ہوئی کہ "رسول ﷺ کو وصال حق کا ذریعہ نہ مانا جائے۔ اس کو معرفتِ حق کی علامت اور ذات حق کی دلالت تسلیم نہ کیا جائے" یعنی منافق یہ سمجھتا ہے کہ نسبت رسول ﷺ کے بغیر ہی احکام خداوندی پر عمل باعث ایمان ثابت ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن اسے "منافقت" کہہ کر رد کر چکا ہے۔ اسی تصور کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ O

(المنافقون، ۶۳:۵)

اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں تاکہ رسول ﷺ تمہارے لئے مغفرت چاہیں یعنی تمہیں اللہ سے بخشوا دیں تو وہ رسول ﷺ سے اپنے سر غرور کے ساتھ گھما لیتے ہیں اور تکبر کرتے ہوئے دوسری طرف منہ پھیر لیتے ہیں O

یعنی ان کی سوچ یہ ہے کہ بخشنا تو اللہ تعالیٰ نے ہے، ہم رسول ﷺ کی بارگاہ میں کیوں نیاز مندی کرتے پھریں اور ان کی سفارش وشفاعت سے زیر بار احسان کیوں ہوتے پھریں۔ کیوں نہ ہم براہ راست اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں۔

ان گستاخانِ رسالت اور بے نیازانِ در نبوت ﷺ کے بارے میں مزید حکم صادر کیا گیا کہ اے رسول ﷺ! میری غیرت اور شان محبیت کا تقاضا یہی کہ اگر یہ تیرے

Marfat.com

ذریعہ اور واسطہ کو اپنا کر میری ذات تک پہنچیں گے تو انھیں بخش دوں گا۔ لیکن اس طرح تجھ سے منہ موڑ کر، تجھ سے تکبر کرتے ہوئے، تجھے میری ذات تک رسائی کا واحد ذریعہ و واسطہ اور علامت نہ سمجھتے ہوئے براہ راست مجھ سے معافی مانگنا چاہیں، یا سراپا رحمت و رافت ہونے کی بنا پر ان کے غرور و تکبر کے باوجود اپنے طور پر ان کے لئے مغفرت مانگے تو میں ان بدبختوں کو پھر بھی معاف نہیں کروں گا۔ ان کو تجھ سے منہ موڑنے کا مزہ چکھا کر ہی رہوں گا۔

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ۔

(المنافقون، ۶۳:۶)

(یہ لوگ جو تکبر کرتے ہوئے آپ ﷺ کی سفارش سے منہ موڑ کر آئے ہیں) ان کے لئے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں ان کے حق میں برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اگر یہ آپ کی سفارش، شفاعت اور غلامی کے ذریعہ کو ٹھکرا کر بھی بخشے جائیں تو پھر ان غلامان رسالت کا کیا حال ہوگا جو قدم قدم پر تیری بارگاہ میں نیاز مندیاں کرتے ہیں اور تجھے میری ذات کی علامت سمجھ کر تیرے واسطے سے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ میں ان بدنصیبوں کو ان خوش نصیبوں کے برابر نہیں ٹھہرا سکتا اور پھر میرا دستور مغفرت ہی یہی ہے کہ لوگ بارگاہِ رسالت ﷺ کی وساطت سے مجھ تک پہنچیں۔

باری تعالیٰ خود اعلان فرماتے ہیں۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا۝

(النساء، ۴:۶۴)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور (اے حبیب) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے

Marfat.com

معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان
کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس
وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو
توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان
پاتے۔

اس آیت کا مفہوم و مدعا سابقہ آیت کی روشنی میں سمجھا جائے تو حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ لوگ ظلم و معصیت کے بعد اگر ذات محمدی ﷺ کو واسطہ وصال الٰہی اور ذریعہ مغفرت حق مان کر در رسول ﷺ پر سر نیاز خم کر دیں، حضور ﷺ کی وساطت سے بارگاہ الوہیت تک رسائی کی آرزو کریں اور حضور ﷺ بھی ان کے لئے شفاعت و سفارش فرما دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بخشے نہ جائیں اور اگر وہ لوگ حضور ﷺ کو ذریعہ و واسطہ سمجھنے سے انکاری ہوں، بلکہ آپ کی سفارش سے ہی منہ پھیر لیں تو پھر کوئی صورت نہیں کہ وہ بخشے جائیں۔ اس لئے کہ اندریں صورت ان کی بخشش سنت الٰہی کے خلاف ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا O | اور تو ہرگز خدا کی سنت میں تبدیلی نہ پائے گا O
(الفتح، ۴۸: ۲۳)

متذکرہ بالا آیات نے اس حقیقت کو اظہر من الشمس کر دیا کہ ذات حق تک رسائی کے لئے صرف اور صرف ذات محمدی ﷺ ہی واسطہ و ذریعہ اور علامت و دلالت ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کو تسمیہ میں "کلمہ اسم" سے تعبیر کر دیا گیا اور آپ ﷺ کو علی الاطلاق "بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" (تمہارے رب کی طرف سے حتمی و قطعی دلالت) کے لقب سے سرفراز فرمایا گیا۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اولین تعلیم ہی یہی تھی کہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ تک رسائی واسطہ و علامت کے بغیر ممکن نہیں اور وہ واسطہ جلیل عالم خلق میں ذات محمد مصطفی ﷺ ہے۔ جس طرح عالم امر میں لفظ اللہ ہے، بنا بریں اس ذات

Marfat.com

نے اس واسطے کو محمد ‘احمد‘ حامد ‘اور محمود کے اسماء مبارکہ کے ذریعے اپنی شان اسمیت کے ساتھ نوازرکھا ہے۔

ذات محمدی ﷺ اور شانِ اسمیت

مذکورہ بالا تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ جناب محمد مصطفی ﷺ ”اسم“ ہیں۔ کیونکہ ان کو اللہ سے نسبت ہے اور ساری مخلوقِ خدا کو ان سے نسبت ہے۔ یہی اسم کی شان اور تعریف پہلے بیان ہو چکی ہے کہ وہ مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی اسی حیثیت کو اس طرح واضح فرمایا۔

انما انا قاسم و اللہ یعطی۔

بے شک نعمتوں کو مخلوق خدا میں تقسیم میں ہی کرنے والا ہوں اور مجھے عطا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری‘ ۱:۱۶‘کتاب العلم‘ باب من یرد اللہ خیر یفقھہ فی الدین‘ رقم: ۷۱.

۲۔ صحیح لمسلم‘ ۲: ۳۳۳‘کتاب الزکوۃ‘ باب النبی عن المسالۃ‘ رقم حدیث:۱۰۰

اس حدیث صحیح کے ذریعے ذات محمدی ﷺ کی دو نسبتیں واضح ہو گئیں۔

(۱) نسبت الی الخالق

(۲) نسبت الی الخلق

”نسبت الی الخالق“ یہ ہے کہ حضور ﷺ خالق سے حاصل کرتے ہیں اور ”نسبت الی الخلق“ یہ ہے کہ خلق میں تقسیم فرماتے ہیں۔

سورہ والضحیٰ میں یہی دو نسبتیں خاص انداز سے بیان کی گئی ہیں۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىO اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰىO وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰىO وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا

اور بے شک قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گےo کیا اللہ نے آپ کو حالت یتیمی میں

فَاَغْنٰیO
(الضحیٰ، ۹۳:۵-۸)

نہ پایا۔ پس اس نے آپ کو بلند مقام سے سر فراز کر دیاO اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا۔ پس اپنا قرب و وصال عطا کر دیا اور اس نے آپ کو اپنی نعمتوں کا ضرورت مند اور طلب گار پایا تو اتنا عطا کیا کہ غنی اور مالدار کر دیاO

ان آیات میں پہلی نسبت کا بیان تھا کہ جس جس چیز کی ضرورت ذات مصطفوی ﷺ کو محسوس ہوئی رب ذوالجلال نے حضور ﷺ کو عطا کر دی۔ اپنی نعمتوں اور عطاؤں کے خزانے ذات نبوی ﷺ پر اس طرح کھول دیئے کہ انہیں "غنی" یعنی بے نیاز کر دیا۔ اب مخلوق خدا کو حکم دیا کہ میری نعمتوں اور عطاؤں کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو میں نے تمہارے لئے واسطہ اتم مقرر فرمادیا ہے۔ جاؤ در رسول ﷺ پر، وہاں دامن سوال دراز کرو، جو کچھ مانگو گے وہی کچھ ملے گا۔ کیونکہ ہم نے عطا میں کوئی کمی نہیں کی، وہ تقسیم میں بھی کچھ کمی نہیں کریں گے۔ ساتھ ہی "نسبت الی الخلق" کے حوالے سے اپنے "اسم مقدس" کو حکم صادر فرمادیا۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْO وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَاتَنْهَرْ O وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْO
(الضحیٰ، ۹۳:۹-۱۱)

پس اے محبوب! اے تقسیم کرنے والے، اب اگر آپ کے پاس کوئی یتیم آئے تو اس (کے مانگنے) پر ناراض نہ ہوںO اور جو کوئی سائل آپ کے در پر آئے۔ پس اسے خالی نہ موڑیئےO اور اپنے رب کی عطاؤں اور نعمتوں کو ہر ایک میں تقسیم کر کے خوب چرچا کروO

لہٰذا ذات محمدی ﷺ کی شان اسمیت یہ قرار پائی کہ آپ ﷺ "نسبت الی

Marfat.com

الخالق" کے نتیجے میں ذات حق کے فیضان رحمت کے مظہر اتم بن گئے اور "نسبت الی الخلق" کے نتیجے میں ساری کائنات میں انعامات الٰہیہ کی تقسیم کے ضامن بن گئے۔ جس کو مولانا احمد رضا خانؒ نے یوں بیان فرمایا:

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

سورۃ الضحیٰ کی آیت متذکرہ ۸ اور ۱۰ اور حدیث مذکورہ بالا دونوں مقامات میں نہ عطا میں تخصیص فرمائی گئی ہے اور نہ "تقسیم" میں۔ عطا بھی مطلق اور بلا قید ہے۔ تقسیم بھی مطلق اور بلا قید ہے۔ اسی طرح سائلوں اور وابستگان پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی کہ تم کیا مانگو اور کیا نہ مانگو۔ جو کچھ بھی مانگو گے 'دنیا مانگو یا آخرت' سب کچھ ملے گا' کیونکہ ہم نے اپنے اسم مقدس ﷺ کو بلا استثنیٰ تمہاری ضرورتوں سے بھی زیادہ عطا کر دیا ہے۔ پھر اس سے قبل یہ بھی اعلان فرما دیا گیا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ○ — اے محبوب! تمہاری ہر آنے والی گھڑی' گزری ہوئی گھڑی سے بہتر ہو گی ○ (الضحیٰ' ۹۳:۴)

یعنی آپ ﷺ پر ہر آن ہماری عطاؤں کا سلسلہ بڑھتا رہے گا۔ جب عطاؤں میں کمی نہیں آ سکتی' اسی طرح تقسیم میں بھی کمی یا رکاوٹ نہیں آنی چاہئے۔ چنانچہ ابد الآباد تک ذات محمدی ﷺ کی یہ دونوں نسبتیں "نسبت الی الخالق" جو حصول فیضان سے عبارت ہے اور "نسبت الی الخلق" جو تقسیم فیضان سے عبارت ہے) قائم و دائم رہیں گی۔ اس لئے قرآن کے پیغام ابدی کے ساتھ ساتھ مخلوق خدا کے لئے اسم مقدس ﷺ کا فیضان وساطت و رسالت بھی جاری و ساری رہے گا۔

حرفِ جار کی نسبت ایک لطیف نقطہ

یہاں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ تسمیہ میں کلمہ اسم کو حرف جار (باء) سے

Marfat.com

منسلک کیا گیا ہے "جر" کے معنی کشش اور جذب کرنے کے ہوتے ہیں۔ حرف جار کشش کے لئے مقرر ہے۔ چونکہ حرف جار فعل محذوف کو اسم سے ملانے کے لئے واقع ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بھی ذات حق کا ماسوی ہے اور اسے ذات باری تعالیٰ کا قرب و وصال اور معرفت و اعانت مطلوب ہے۔ وہ ذات محمدی ﷺ سے جسے بطور علامت عنوان "اسم" کے تحت بیان کیا گیا ہے جذب و کشش پیدا کرلے۔ اسے جس قدر ذات محمدی ﷺ کا قرب اور جذب و کشش نصیب ہوگی اسی قدر ذات حق کی محبوبیت کا سزاوار ہوتا چلا جائے گا۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔

(آل عمران، ۳:۳۱)

(اے حبیب) آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی اسی شان کریمی کا ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا۔

مثلی کمثل رجل استوقد نارا فلما أضاء ت ما حولها جعل الفراش و هذه الدوآب التی فی النار یقعن فیها و جعل یحجزهن ویغلبنه فیتقحن فیها قال فذلکم مثلی و مثلکم انا اخذ بحجزکم عن النار هلم عن النار هلم عن النار فتغلبونی و تقحمون فیها۔

(صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ، ۲:۲۴۸، رقم:۱۸۔)

میری مثال اور میری امت کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس آگ نے ماحول کو روشن کر دیا تو اس میں پروانے اور حشرات الارض گرنے لگے وہ شخص ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہے اور وہ اس پر غالب آکر آگ میں دھڑا دھڑ اگر رہے ہیں۔ پس یہ میری مثال اور تمہاری مثال ہے میں تمہاری کمر پکڑ کر تم کو جہنم میں جلنے سے روک رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ جہنم

Marfat.com

کے پاس سے چلے آؤ اور تم لوگ میری
بات نہ مان کر جہنم میں گرے جارہے ہو۔

اس حدیث کے ذریعے اس جذب وکشش کی ماہیت بھی واضح ہو گئی، جو کلمہ "جر کے باعث اسم مقدس میں پیدا ہو گئی تھی" اسم نحوی کا خاصہ جر من حیث الوقوع ہے اور اسم الٰہی کا خاصہ جر من حیث الصدور ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ذریعے باری تعالیٰ نے "توحید خالص" کی تعلیم دی، لیکن اس کی صحت وقبولیت کی شرط بھی متعین فرمادی اور وہ شرط واسطہ رسالت محمدی ﷺ ہے۔ اسی لئے اسم ذات "اللہ" کو علیٰ التخصیص الرحمان الرحیم کے ذریعے صفت رحمت سے اجاگر کیا تاکہ "شانِ اسمیت" کے معنی ومفہوم پر بھی دلالت ہو جائے کہ اسم مقدس کا کامل ترین مدلول ذات محمدی ﷺ ہے۔

Marfat.com

باب ۳

تسمیہ میں
لفظ اسم کی معنوی حکمت

Marfat.com

تسمیہ کی تفسیر میں حرف باء کے معنی و مفہوم اور افادیت استعمال کے بعد دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ ان الفاظ کو ذات باری کے ذکر سے نہیں بلکہ اسم باری کے ذکر سے شروع کیا گیا ہے۔ اگر باللہ الرحمٰن الرحیم کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو ان کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے (مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں) جو رحمان ور حیم ہے۔ لیکن یہاں الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے استعمال ہوئے ہیں۔ جن کا معنی یہ ہے کہ "اللہ کے نام سے (مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں) جو رحمان ور حیم ہے" الفاظ قرآنی سے صاف ظاہر ہے کہ اس جگہ براہ راست باری تعالیٰ سے استعانت کی بجائے اسم باری تعالیٰ سے استعانت کی تلقین کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسم کا معنی کیا ہے؟ اس کا اپنے مسمی یعنی ذات و صفات باری سے کیا تعلق ہے؟ اور اس کی اپنی کیا اہمیت و خصوصیت ہے، جس کی بنا پر ہر فعلِ مشروع کا آغاز اسی کے ذکر سے کرنے کا حکم ہے؟ کیونکہ یہ نکتہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے کہ ذات و صفات باری کے ذکر پر لفظ اسم کو کیوں مقدم کیا گیا۔

لفظِ اسم کا معنی

لفظ "اسم" نام کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تعریف عام طور پر یوں کی گئی ہے۔

Marfat.com

الاسم ما يعرف به ذات الشئ۔ اسم وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔
(المفردات: ۲۴۴)

اس کے لغوی اشتقاق کے بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اسم سَمَا یَسْمُو سے مشتق ہے اور دوسرے وَسَمَ یَسِمُ سے۔

(۱) سُمُوٌّ: یہ لفظ اسم کا پہلا مادہ اشتقاق ہے جس کا معنی بلندی ہے۔ اسی سے اَلسُّمُوُّ ہے جو بلند ہونے اور ظاہر ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ آسمان کو بھی اس کی بلندی کے باعث سماء کہتے ہیں۔ نام کو محض اس لئے اسم کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے کسی شخص کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس کی ذات کو ظہور ملتا ہے۔ اگر کسی کا نام نہ لیا جائے تو وہ شخصیت مخفی رہتی ہے۔ اس کے ظاہر ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ گمنامی اور اخفاء کی کیفیت سے نکل کر ذکر اور ظہور کی بلندی تک پہنچ جائے۔ کیونکہ نامعلوم کا معلوم ہو جانا یقیناً ظہور اور بلندی ہی کی ایک صورت ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔

سمو و سمو و هو الذى به رفع ذكر المسمى فيعرف به۔ سمو اور سمو۔ اس سے مراد وہ نام ہے جس کے ذریعے مسمی کا ذکر بلند اور نمایاں ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے۔
(المفردات: ۲۴۴)

امام فخر الدین رازیؒ اور دیگر مفسرین لفظ اسم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فاسم الشئ ما علاه حتى ظهر ذالك الشئ به۔ پس کسی چیز کا اسم وہ (نام) ہے جو اس چیز کو بلند کرے یہاں تک کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے۔
(تفسیر کبیر '۱:۱۰۸)

اسم کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ نقطۂ نظر علماء بصرہ کا تھا۔

(۲) وِسْمٌ ...... علماء کوفہ کے نزدیک اسم کا مادہ اشتقاق وَسْمٌ ہے۔

وَسَمَ، یَسِمُ، سِمَةً ...... کا معنی علامت اور پہچان ہے۔ جب کہ امام راغبؒ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

الوسم التاثیر والسمة الاثر۔ وسم تاثیر کو اور سمہ اثر کو کہتے ہیں۔

(المفردات: ۵۲۴)

قرآن میں وسم بمعنی علامت کی تائید یوں ملتی ہے۔

سِیْمَاهُمْ فِی وُجُوهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ان کی علامت ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے۔

(الفتح، ۴۸: ۲۹)

قرآن پاک میں مزید فرمایا گیا۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ۔ تم انہیں ان کی صورت سے پہچان لو گے۔

(البقرہ، ۲: ۲۷۳)

علامت اور تاثیر کے دونوں معنوں میں تطبیق یہ ہے کہ کسی چیز کی تاثیر ہی دراصل اس چیز کی صحیح پہچان اور علامت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے یہ دونوں معنی ایک ہی مدعا کو پورا کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ لفظ اسم کا پہلا معنی بھی کسی چیز کے ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا بھی۔ گویا اسم وہ لفظ ہے جو کسی ذات کو یا اس کی تاثیر کو ظاہر کر رہا ہو۔ تاثیر بالاتفاق ذات کی صفت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ”کسی ذات یا اس کی صفت کو ظاہر کرنے والا لفظ اسم کہلاتا ہے“ گویا یہ امر تحقیق کے ساتھ طے پا گیا کہ اسم ایک ایسا لفظ ہے جو کسی ذات کو یا اس کی صفات کو ظاہر اور نمایاں کرتا ہے۔ اگر اسم کسی ذات کی نشاندہی کرے تو اسے اسم ذات کہتے ہیں۔ اور صفات کی نشاندہی کرے تو اسم صفات، ذاتی اور صفاتی نام کا امتیاز اسی تقسیم پر مبنی ہے۔ لفظ ”اسم“ کا الف گرا کر اس کی جگہ ”ب“ ملا دیا گیا اور اس طرح باسم کی بجائے بسم معرض وجود میں آ گیا۔

Marfat.com

اسم اور مسمیٰ کا تعلق

اس موضوع پر زمانہ قدیم میں حشویہ، کرامیہ اور اشاعرہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسم اور مسمی عین یک دگر ہیں ان میں کوئی فرق وامتیاز نہیں۔ لیکن یہ موقف اس لئے درست نہ تھا کیونکہ مسمی کسی ذات یا صفت کو کہتے ہیں اور اسم اس کے مظہر یعنی ظاہر کرنے والے کو، اس لئے ان کو ایک ہی چیز تصور کرنا غلط ہے۔ مذہب مختار بھی یہی ہے کہ اسم مسمی کا غیر ہے۔ اس فرق کو یوں آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ "آگ" کا لفظ اسم ہے اور آگ بذات خود مسمی۔ آگ کی اپنی ایک مستقل ماہیت اور تاثیر ہے جس کی بنا پر وہ جلاتی ہے۔ یہ جلانے کا کام آگ (یعنی مسمی) کا ہے۔ آگ کے لفظ (یعنی اسم) کا نہیں لیکن آگ کی نشاندہی بھی صحیح طور پر اس لفظ (یعنی اسم) کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ گویا یہ لازم وملزوم تو ہیں مگر ایک دوسرے سے واضح طور پر ممتاز بھی ہیں۔ لہٰذا کسی بھی صورت میں آگ کے لفظ کو بذات خود آگ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یہی تعلق اور فرق ہر اسم اور اس کے مسمی کے درمیان ہوتا ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور یقیناً اس کے بغیر مسمی کی نشاندہی بھی نہیں ہوسکتی۔ لیکن اسم کو مسمی یا مسمی کو اسم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں قرآنی استدلال کے دو پہلو درج ذیل ہیں:

قرآنی استدلال کے دو پہلو

ایک یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے متعدد اسماء کا ذکر کرتا ہے۔ اگر اسم (نام) اور مسمی (ذات) ایک ہی چیز ہوتے ہیں تو تعدد اسماء کے ساتھ تعدد الٰہ بھی لازم آتا ہے حالانکہ ذات حق صرف ایک ہی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ۔
(الاعراف، ۷:۱۸۰)

اور اللہ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں سو اسے ان ناموں سے پکارا کرو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں حق سے انحراف کرتے ہیں۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر اس کی ذات کا واحد ہونا لیکن اس کے اسماء کا متعدد ہونا اس طرح مذکور ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی○ — اللہ (اسی کا اسم ذات) ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں○

(طٰہٰ‘ ۲۰:۸)

قرآن حکیم اس تصور کو مزید یوں واضح کرتا ہے۔

ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ○ — وہی ہے اللہ بنانے والا‘ پیدا کرنے والا‘ ہر ایک کو صورت دینے والا‘ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی تسبیح کرتا ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے○

(الحشر‘ ۵۹:۲۴)

آیات متذکرہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ ذات حق صرف ایک ہی ہے۔ لیکن اس کے اسماء متعدد ہیں اور قرآن ان اسماء کو بیان کرنے کے بعد پھر اس کی توحید کا ذکر کرتا ہے تاکہ کوئی شخص تعدد اسماء سے تعدد ذات کا استدلال نہ کرنے لگے۔ اس لئے اسم اپنے مسمی پر دلالت کرنے کے باوجود اپنی حیثیت میں اس سے الگ ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ لفظ اسم کی اضافت اللہ یا رب کی طرف کی ہے اور یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ مضاف کبھی مضاف الیہ کا عین نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کِتَابُ زَیْدٍ (زید کی کتاب) اس میں کتاب کی اضافت زید کی طرف کی گئی ہے۔ لہٰذا کتاب اور زید دونوں کو ایک ہی چیز تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے درمیان تعلق اور نسبت جس قدر چاہے قریبی ہو‘ وہ اپنے وجود میں بہر حال الگ الگ ہی رہیں گے۔ کتاب کو زید یا زید کو کتاب قرار دینا غلطی ہے۔ اس ضمن میں ارشادات باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ۔	اس (شکار جانور) پر اللہ کا نام لیا کرو۔
(المائدہ ۵:۴)	
فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔	سو تم اس (ذبیحہ) سے کھایا کرو جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہو۔
(الانعام ۶:۱۱۸)	
وَمَالَكُمْ اَلَّا تَاكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ۔	اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا گیا ہے۔
(الانعام ۶:۱۱۹)	

مذکورہ بالا تین آیات میں حلال جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ پڑھنے کا حکم اللہ کے نام کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ ذات فی نفسہ تو پڑھی نہیں جاتی اور یہاں اللہ کے نام سے مراد "تکبیر" ہے۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ جو حلال جانور اللہ کا نام لے کر یعنی تکبیر پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو اسے کھاؤ اور جس پر تکبیر نہ پڑھی گئی ہو اسے نہ کھاؤ خواہ وہ بنیادی طور پر حلال ہی کیوں نہ ہو۔ ہر چند کہ "اللہ" کا نام اس کی ذات پر ہی دلالت کرتا ہے۔ یعنی نام دال ہے اور ذات مدلول۔ لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ذات کا ذکر دل میں ہوتا ہے اور نام کا زبان پر اور یہ زبان کا ذکر ہی ہے۔ جو کبھی تسبیح و تحمید کہلاتا ہے اور کبھی تہلیل و تکبیر۔ یہ فرق ایمان کی تعریف سے مزید واضح ہو جاتا ہے جس کے دو رکن ہیں۔ اِقرار باللسان (زبان سے اقرار کرنا) اور تصدیق بالقلب (دل سے تصدیق کرنا) اسی امتیاز کو قرآن حکیم کی ایک اور آیت سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝	اور اپنے رب کا نام لو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو ۝
(المزمل ۷۳:۸)	

"رب کا نام لینا" بالکل واضح ہے کہ یہ اسم کا ذکر ہے اور "سب سے ٹوٹ کر اسی کا

Marfat.com

ہو رہنا" اس کی ذات کا ذکر ہے۔ اس جگہ حکم تبتیل کا معنی یہ ہے کہ یادِ الٰہی میں اس طرح محو و منہمک رہو کہ دل ماسوی کی محبت اور یاد سے بالکل پاک ہو جائے۔ گویا اس آیت میں اسم اور مسمی دونوں کے ذکر کا حکم ہے کہ زبان اس کے نام کے ورد میں مصروف رہے اور دل اس کی یاد سے لبریز رہے' ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیO وَ ذَکَرَاسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰیO

پس مراد کو پہنچا جو ستھرا ہواO اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھیO

(الاعلیٰ' ۸۷: ۱۴۔۱۵)

سورہ علق کی پہلی آیت بھی اسی امر پر دلالت کرتی ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO

اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا فرمایاO

(العلق' ۹۶: ۱)

الغرض ہر جگہ اسم اور لفظ اللہ یا رب کے درمیان اضافت موجود ہے۔ جس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ اسم اور مسمی' دال و مدلول تو ہیں' لیکن ایک دوسرے کا عین نہیں۔ کیونکہ اسم کا ذکر پڑھنے سے ہوتا ہے اور ذات کا دل کی یاد سے' یعنی سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہو رہنے سے۔ اسم اور مسمی کے باہمی تعلق کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ اسم کبھی ذات کا مظہر ہوتا ہے اور کبھی صفات کا۔ اس لئے اسم سے اس تاثیر کا ضرور پتہ چل جاتا ہے جو مسمی یعنی ذات یا صفات میں پائی جائے۔ گویا اسم سے ذات اور صفات کی نہ صرف معرفت نصیب ہوتی ہے بلکہ فی الواقع ذات و صفات تک رسائی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسم ظاہر و مظہر ہے جب کہ ذات و صفات باطن اور مخفی۔

اسم اور ذات و صفات کا باہمی رشتہ

اسم اور مسمی کے تعلق اور ذات و صفات کے باہمی رشتے کی بحث اس لئے ضروری ہے کہ اس وضاحت کے بغیر اس حقیقت کی سمجھ نہیں آسکتی کہ تسمیہ کا آغاز بجائے

Marfat.com

اللہ کی ذات کے ذکر سے اللہ کے اسم کے ذکر سے کیوں کیا گیا ہے؟ اگر ان تینوں کے باہمی رشتے کی ماہیت کو سمجھ لیا جائے تو یہاں پر اسم کی صحیح اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔ کسی بھی ذات کو بغیر کسی ذریعے کے نہیں جانا جا سکتا' اسے جاننے کے لئے بعض ذرائع اور وسائط ضروری ہوتے ہیں۔ ذات کو من وجہ اس کے نام کے ذریعے سے معلوم تو کیا جا سکتا ہے' سمجھا نہیں جا سکتا۔ اسے پوری طرح سمجھنے کے لئے اس کی صفات کا علم ضروری ہے اس امر کی تائید سب اکابر علماء کرتے چلے آئے ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر میں مذکور ہے۔

لانعرف الذوات الا بواسطة الصفات القائمة بها	ہم ذاتوں کو ان کے ساتھ قائم اور متصل صفات کے واسطہ کے بغیر نہیں جان سکتے۔
	(تفسیر کبیر' ۱:۱۱۱)

گویا ذات وصفات کا باہمی تعلق یہ ہے کہ صفات کے بغیر ذات کی صحیح معرفت نہیں ہو سکتی اور اسم ان دونوں کو جاننے کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ اسم' ذات وصفات دونوں کا مظہر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر زید کہا جائے تو اس لفظ سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ کسی شخص کا نام زید ہے۔ لیکن زید کی ذات کا صحیح تشخص اور اس کے مقام کا صحیح تعین اس کی صفات کو جانے بغیر ہرگز نہ ہو سکے گا۔ یوں کہنا پڑے گا کہ جو عالم ہے' جو فصیح وبلیغ ہے' حسین وجمیل ہے' شاندار مقرر ہے' بڑا خلیق اور منکسر المزاج ہے' فلاں کا باپ ہے یا فلاں کا بیٹا ہے' الغرض جوں جوں اس کے اوصاف اور تعینات بیان ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کی ذات نکھرتی چلی جائے گی۔ حتی کہ اس کے ظاہری وباطنی محاسن اور صفات کے بیان سے اس کی ذات اچھی طرح معین اور متشخص ہو جائے گی۔ اب اگر زید نامی کئی اور شخص بھی موجود ہوں تب بھی ذہن کو مغالطہ نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ زید کی ذات کی معرفت اس کی صفات کے ذریعے ہو چکی ہے۔ جس طرح ذات کو صفات کے ذریعے صحیح تشخص ملتا ہے۔ اسی طرح صفات کو اسماء کے ذریعے صحیح تشخص نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ لفظ عالم اسم ہے جو زید کی صفتِ علم پر دلالت کرتا ہے۔ فصیح وبلیغ اس کی فصاحت وبلاغت پر' حسین وجمیل اس کے حُسن وجمال پر' مقرر اس کے فن

Marfat.com

تقریر پر، خلیق اس کے حسن خلق پر، منکسر المزاج اس کی تواضع اور انکساری طبع پر، علی ھذہ القیاس، یہ تمام اسماء واعلام جو زید کے مختلف محاسن پر دلالت کر رہے ہیں۔ اور انہیں ایک دوسرے سے جدا جدا کر کے ان میں سے ہر ایک کی ماہیت واضح کر رہے ہیں۔ جن جن معانی پر دلالت کرتے ہیں وہی زید کی صفات ہیں۔ جس طرح معانی اپنے ظہور کے لئے الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں، (مثلاً سفید، سرخ، سبز، سیاہ وغیرہ الفاظ استعمال کئے بغیر رنگوں کی ماہیت اور ان کا باہمی امتیاز اجاگر نہیں ہو سکتا) اسی طرح صفات اپنے ظہور و معرفت کے لئے اسماء کی محتاج ہوتی ہیں۔ مخصوص اسماء وضع کئے بغیر صفات کا تعین نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لفظ حسن یا اس کا کوئی مترادف اسم استعمال کئے بغیر شکل وصورت کی دل فریبی اور اعضاء وجوارح کا توازن متصور نہیں ہو سکتا۔ شجاعت یا اس کا مترادف لفظ استعمال کئے بغیر جوانمردی اور بہادری کی صفت معلوم نہیں ہو سکتی۔ ذہانت وفطانت یا ان کا مترادف لفظ استعمال کئے بغیر ذکاوت ذہنی کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ رحم کا لفظ استعمال کئے بغیر رقت قلبی اور شفقت وعنایت کا میلان معلوم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح غیرت وحمیت، جود وسخا، علم وفضل، عفو ودرگزر وغیرہ یہ سب الفاظ انسانی شخصیت کی مختلف صفات، عادات وخصائل اور احوال واطوار پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ خصائل وصفات اپنی ماہیت کے اعتبار سے نہ حسی ہیں نہ مرئی، لیکن ان کے تشخص اور امتیاز کو قائم کرنے کے لئے انہیں مختلف الفاظ سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ جیسے مختلف اشیاء کو میز، کرسی، کتاب، قلم وغیرہ کے اسماء سے پکارا جاتا ہے۔ اگر ان اشیاء یا صفات کو ان مخصوص ناموں سے نہ پکارا جائے تو نہ ان کا صحیح بیان ممکن رہے گا اور نہ معرفت۔ چنانچہ ہر شے اپنی ماہیت ذاتی اور ماہیت عرضی کے بیان اور ظہور ومعرفت کے لئے مختلف اسماء واعلام کی محتاج ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نام کو نظر انداز کر کے کسی بھی شے کی ذات یا صفت کو نہیں جانا جا سکتا۔ گویا اسم ہی ذات وصفات، دونوں کو جاننے کے لئے واحد موثر ذریعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسم کا واسطہ درمیان میں نہ رہے تو نہ کسی ذات کا پتہ چل سکے اور نہ اس کی صفات کا۔ لہٰذا اسم ذریعہ ہے اور ذات وصفات کا جاننا مقصد ٹھہرا۔

Marfat.com

حضرت آدم اور تعلیمِ اسماء کی حکمت

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت علمی کا ذکر اس انداز میں کرتا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَO (البقرہ‘۲:۳۱)	اور اللہ نے آدم کو (تمام اشیاء کے) نام سکھادیئے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھے ان اشیاء کے نام بتادو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہوO

"علم الاسماء" کی وضاحت کرتے ہوئے تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے اسماء‘ان کی صفات اور خواص وافعال تک کا علم عطا کر دیا تھا۔ تب ہی تو اس علم کو بنائے فضیلتِ آدم قرار دیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو محض نام جاننے میں کونسی نمایاں فضیلت موجود تھی جس کا اعتراف ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کی صورت میں کرایا جارہا تھا۔ اس سلسلے میں حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

والصحیح انه علمه اسماء الاشیاء کلها ذواتها و صفاتها وافعالها۔ (تفسیر ابن کثیر‘۱:۷۳)	اور صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام‘ان کی ذوات اور افعال وصفات کا علم عطا کر دیا تھا۔

علامہ زمخشریؒ یہاں اسماء کے ساتھ ان کے مسمّیات کا ذکر محذوف تسلیم کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں۔

لان الاسم لابد له من مسمی۔ (الکشاف‘۱:۱۲۶)	یعنی اسم بہر صورت اپنے مسمی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

مزید بر آں علامہ زمخشریؒ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آدم علیہ السلام کو

Marfat.com

تعلیم اسماء کا فائدہ کیا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی تخلیق کردہ تمام اجناس وانواع دکھادیں اور ان میں سے ہر ایک کے نام بتائے' اس کے بعد لکھتے ہیں۔

و علمه احوالها و مایتعلق بها من المنافع الدینیه والدنیویه۔
(الکشاف'۱:۱۲۶)

اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیاء کے احوال وخواص اور ان کے جملہ متعلقات جو دینی اور دنیاوی منافع سے منسلک تھے بتادیئے۔

امام فخر الدین رازیؒ بھی اسی قول کو دلائل کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں۔

(وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا) ای علمه صفات الاشیاء ونعوتها وخواصها۔
(تفسیر کبیر'۱:۱۷۶)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھا دیئے یعنی تمام اشیاء کی صفات اور خواص واعراض سکھادیں۔

پھر اس کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔

ان الفضیلة فی معرفة حقائق الاشیاء اکثر من الفضیلة فی معرفة اسمائها۔
(تفسیر کبیر'۱:۱۷۶)

حقائق اشیاء کے علم ومعرفت کی فضیلت محض معرفت اسماء کی فضیلت سے زیادہ ہے۔

متذکرہ بالا دلائل کی روشنی میں جب یہ امر طے شدہ ہے کہ فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی فضیلت اور فوقیت کو بالخصوص علم کے حوالے سے نمایاں کیا جارہا تھا۔ جیسا کہ امام بغویؒ امام خازنؒ اور دیگر مفسرین کی تصریحات سے بھی ثابت ہے۔

فاظهر الله تعالیٰ فضل آدم علیهم بالعلم۔
(تفسیر خازن'۱:۴۲)

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں پر علم کے ذریعے فضیلت بخشی۔

تو یہ فضیلت واقعۃً اسی علم سے ہی ممکن تھی جو نہ صرف اسماء کی بلکہ مسمیات کی ذوات اور جملہ افعال وصفات کی کامل معرفت عطا کرتا ہے' لہٰذا آدم علیہ السلام کی معرفت

Marfat.com

اسماء بلاشک وشبہ معرفت ذوات وصفات تھیں اور اس سے ہی آپ کی فضیلت کو اجاگر کیا جا سکتا تھا' سید قطبؒ لکھتے ہیں۔

و لکنه وهب من الاسرار مایرفعه علی الملائکة لقد وهب سر المعرفة کما وهب سر الاراده المستقلة التی تختار الطریق۔

(فی ظلال القرآن'۱:۶۸)

اور آدم علیہ السلام کو وہ اسرار عطا کئے گئے جو ان کے لئے فرشتوں پر فوقیت کا باعث بن گئے۔ بے شک آپ کو معرفت (حقائق) کا راز عطا کیا گیا۔ جس طرح کہ آپ کو ایسے مستقل ارادے کا راز عطا کیا گیا تھا جس سے کسی طریق زندگی کو اپنایا جا سکتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

"تعلیم نامہا برای آں واقع شد کہ نام عبادت از لفظے ست کہ دلالت کند بر حقیقی ومنظور افادہ علم بحقائق بود تا کار خلافت سر انجام تواند کرد دنام اقل آں چیز ست کہ بسبب آں امتیاز درمیان حقائق می شود ونیز منظور آں بود کہ خواص جمیع اشیا، ومنافع ومضار آں او را تعلیم کردہ شود"

(تفسیر فتح العزیز'۱:۱۶۶)

اسی سلسلے میں مزید لکھتے ہیں۔

"کہ امتیاز آدم از فرشتگان ہمیں تعلیم عالم بود نہ تعلیم اسما،"

(ص'۱:۱۶۷)

تعلیم اسماء کی افادیت اور حکمت کا بیان کرتے ہوئے مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ لکھتے ہیں۔

"ہنوز اس کے استحقاقِ خلافت کی کوئی فضیلت خاص معلوم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دل میں یہ القاء کر دیا کہ فلاں شے کا یہ نام ہے فلاں کا یہ۔

Marfat.com

یعنی آدم کی سرشت میں وہ اجزائے مختلفہ اور قوائے متبائنہ رکھے کہ جن سے اس کو طرح طرح کے معقولات و محسوسات، متخیلات و متوہمات، حقائق اشیاء، ان کے خواص، نام، اصول علم، قوانین صنعت اور ان کے آلات کی کیفیت کا علم معلوم ہو سکے" (تفسیر فتح المنان)

متذکرہ بالا تمام عبارات و تصریحات سے یہی امر واضح ہوا ہے کہ علماء و محققین اسلام کے نزدیک تعلیمِ اسماء سے مراد وہ تعلیم ہے جو اسماء کے واسطے سے تمام اشیاء کی ذوات و صفات کے علم و معرفت پر منتج ہو اور اس تعلیم کو قرآن نے علم الاسماء سے محض اس لئے تعبیر کیا، کیونکہ اسم، ذات اور صفات دونوں پر دلالت کرتا ہے اور دونوں کی معرفت کا باعث بنتا ہے۔ چونکہ اسم کو جانے بغیر نہ تو ذات کی صحیح معرفت ممکن تھی اور نہ صفات کی۔ اس لئے آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ O (البقرہ، ۲:۳۱)	اور اللہ نے آدم کو (تمام اشیاء کے) نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا مجھے ان اشیاء کے نام بتا دو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو O

یہاں یہ نکتہ مزید واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر تمام اشیاء یعنی مسمیات کو پیش کیا اور حکم دیا کہ "ان کے نام تو بتا دو" گویا اس بات پر زور دیا جا رہا تھا کہ اگر تم اشیاء و موجوداتِ عالم کی ذوات و صفات اور افعال و خواص کو جانتے ہو اور انہیں اچھی طرح پہچانتے ہو تو ان سب کے نام بتا دو۔ کیونکہ نام کا جاننا ہی چیزوں کی ذات و صفات کے جاننے پر سند ہے۔ اس حکم میں اس امر کا اشارہ تھا کہ اشیاء کو ان کے ناموں کے حوالے سے ہی جاننا معتبر ہے۔ کسی شے کی ذات و صفات کی صرف اس معرفت کو قبول کیا جائے گا جو اس شے کے نام کے ذریعے سے حاصل ہوئی۔ کیونکہ نام کے بغیر کسی شے کا تعین و تشخص صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے واسطہ اسم کے بغیر ذات و صفات کی کامل پہچان ممکن نہیں رہتی۔ ورنہ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کا علم دے دیا اور فرشتوں سے

Marfat.com

بھی اسی طرح کا سوال کیا جا سکتا تھا کہ 'یہ اشیاء کیا ہیں؟

چنانچہ تعلیم آدم کو، تعلیم الاسماء قرار دینا اور فرشتوں سے بھی "علم الاسماء" سے متعلق سوال کیا جانا "اسم" کی اہمیت وافادیت اور ذات و صفات پر اس کی دلالت و تعلق کو نمایاں کر رہا ہے مزید برآں اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہو گئی کہ ذات و صفات کا علم اسماء کی معرفت سے ہی نمایاں کمال کو پہنچتا ہے۔ اس لئے اسم کا ذکر مقدم کیا گیا اور ذات و صفات کا موخر۔ چونکہ اسم ذات و صفات دونوں کو ظاہر کرنے والا' ان کی معرفت اور ان تک رسائی عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان "اسم" کے ذریعے کیا گیا' ارشاد ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O اللہ کے نام سے شروع (کیا گیا) ہے جو
(النمل' ۲۷:۳۰) بے حد مہربان بڑا رحم فرمانے والا ہے O

یہاں ایک اور نکتہ غور طلب ہے کہ چونکہ اسم کا تعلق ذات اور صفات دونوں سے ہوتا ہے اور اس کی دلالت بھی دونوں پر ہوتی ہے۔ اس لئے "اسم" کے بعد متصلاً ذات و صفات دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ ذات حق پر دلالت کرتا ہے اور الرحمان الرحیم اس کی صفات پر۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہو گئی کہ اسم باری تعالیٰ کی ذات کی ہی نہیں بلکہ اس کی صفات کی بھی راہ دکھا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر کام کے آغاز کے لئے ایسا لفظ تعلیم فرمایا جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات دونوں طرف متوجہ اور وابستہ کرے' تاکہ انسان ذات کے فیض سے بھی مستفید ہو اور صفات کے فیض سے بھی۔

اسم کی شانِ مظہریت

تسمیہ کو اسم الٰہی سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس کے حسن مطلق کے بے پایاں جلووں کا مظہر ہے۔ جس طرح ذات حق ازلی' ابدی' غیر محدود اور لامتناہی ہے۔ اسی طرح اس کی تمام صفات بھی جملہ حدود و قیود اور خواص' حدوث سے پاک

Marfat.com

ہیں۔ انسانی ذہن اپنی تمام تر وسعتوں اور فکری بلندیوں کے باوجود خدا کی ذات و صفات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ جس جلوہ حسن کا ادراک اور احاطہ بھی بساطِ عقل سے ماوراء ہو، زبان کے ذریعے اس کا بیان کس طرح ممکن ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جو چیز غیر محدود بلکہ غیر محسوس ہو۔ احاطہ بیان میں نہیں آسکتی۔ کسی شخص نے اس حسن ازل کے انسانی حواس و عقل کے حصار سے ماوراء ہونے کا ذکر کیا خوب انداز میں کیا ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

لہٰذا اس کی ذات و صفات کے جلووں کا کما حقہ قابل بیان ہونا بھی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ بیان کسی کو الفاظ کا جامہ پہنا دینے کا نام ہے۔ بقول اصغر گونڈوی

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی ہے سب کچھ
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

چونکہ اسم تو ذات و صفات کی مظہریت ہے ہی۔ اس لئے اس کا ذکر کر کے گویا اس حسن لازوال کے تمام جلووں کی اجمالی جھلک دکھا دی گئی۔ اس لئے "بسم" کے دامن میں اللہ تعالیٰ کے حسنِ ذات کا جلوہ بھی ہے اور حسنِ صفات کا بھی۔ بنا بریں اسم کی اضافت ذات و صفات دونوں کی طرف کر دی گئی۔ تسمیہ میں اسم اور ذات و صفات کے ذکر کے علاوہ کسی دوسری شے کا بیان اس لئے ضروری نہ تھا کہ جب ازل سے ابد تک کائنات کے تمام جلوے اور مناظر یا تو باری تعالیٰ کے حسن الوہیت کے آئینہ دار ہیں یا حسنِ رحمانیت و رحیمیت کے، تو پھر کسی اور کا ذکر کیوں کیا جاتا۔ اسم کی شانِ مظہریت کا عالم یہ ہے کہ سب کچھ اسی کے دامن میں سمٹ آیا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے "بسم اللہ" کو ہی اسم اعظم قرار دیا ہے۔

اگر اسم ذاتِ حق کے جلووں اور قدرتوں کا مظہر نہ ہوتا تو حرف باء کو اسم سے متصل نہ کیا جاتا۔ تسمیہ کی ترکیب باللہ الرحمن الرحیم نہیں بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ یہاں حرف باء جس معنی پر بھی دلالت کرے، وہ بہر حال اسم سے ہی متعلق ہو

Marfat.com

گا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حرف ب تین قسموں میں سے کسی بھی ایک قسم کا ہو سکتا ہے۔ (بائے مصاحبت' باء استعانت' یا باء تبرک) انسان ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ کے ذریعے یا تو خدا کے نام کی معیت و مصاحبت پر بھروسہ کرتا ہے یا خدا کے نام سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے یا خدا کے نام سے برکت کے حصول کا آرزومند ہوتا ہے۔

الغرض ہر صورت میں انسان کو خدا کے نام سے ہی استمداد کی تلقین کی جارہی ہے۔ اسم اور مسمیٰ میں ہر چند کہ دال اور مدلول کا تعلق ہے' لیکن اسم بہر حال اسم ہے اور مسمیٰ بہر حال مسمیٰ۔ جس طرح آپ ذات کو صفت سے جدا نہیں کر سکتے۔ لیکن دونوں کو ایک دوسرے کا عین بھی تصور نہیں کر سکتے' مگر تسمیہ اس امر کی شہادت پیش کر رہا ہے کہ جو فیضان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ہے وہی اسکے مبارک اسم سے بھی حاصل ہو کر رہے گا۔

چونکہ اسم مسمیٰ کا مظہر ہوتا ہے' اسی لئے اسے مسمیٰ کے ذریعے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس سے تعلق و وابستگی' اس کی معرفت اور آگہی' اس کی رضا و بقاء' اس کے جلوہ حسن میں فنا و استھلاک اور اس کی صفات و کمالات سے تخلق و اتصاف انسان کا اعلیٰ ترین نصب العین اور منتہائے کمال ہے۔ اور اسی مقصد کی خاطر انسان خدا کی معیت و استعانت اور اس سے حصولِ برکت کی آرزو کرتا ہے۔ لیکن بجائے براہ راست خدا کی ذات سے تمسک و استمداد کے تسمیہ انسان کو اس کے نام کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

بیانِ اسم کے چند اسرار

اس کے چند اسرار درج ذیل ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ نام' ذات تک رسائی کا ذریعہ ہے بلکہ ذات کی معرفت بھی نام ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ چونکہ واسطہ اسم کے بغیر انسان جلوہ ذات تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے اسے بطور ذریعہ اپنانے کی تعلیم کی گئی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہر کام میں نام سے ابتدا ہوتی ہے اور منزل ذات پر انتہا۔ چونکہ

Marfat.com

ذات حق کے انوار و تجلیات کا برداشت کرنا اور سمیٹنا ایک مبتدی کے بس میں نہ تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسان کو تجلیاتِ ذات اور تجلیاتِ صفات کو جذب کرنے اور نئی کیفیات کو اپنے قلب و باطن میں سمونے کا اہل بنایا جائے اور یہ اہلیت و صلاحیت بغیر واسطے کے ممکن نہ تھی۔ اس لئے اسمِ باری سے وابستگی کی راہ دکھائی گئی تاکہ یہ ابتدا انسان کو مطلوبہ انتہا تک پہنچنے کا اہل بنا سکے۔ چونکہ اسماء باری تعالیٰ کے انوار اس کی ذات و صفات کے انوار کے مقابلے میں زیادہ قابل برداشت ہوتے ہیں۔ اس طرح انسان روحانی قوت و استعداد اور وسعت باطنی حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ذات و صفات کے جلوؤں کا نظارہ کرنے کا بھی اہل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے سلوک میں صوفیاء کرام مختلف اسماء الٰہیہ کے بکثرت ذکر اور ورد کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے اپنے طریقے کے مطابق بعض اسماء کا بالالتزام بڑی کثرت کے ساتھ وظیفہ کرواتے ہیں۔ جن میں نفی و اثبات (یعنی لا الہ الا اللہ) اسم ذات (یعنی اللہ) اور دیگر اسماء صفات (مثلاً وھاب، ودود، علیم، بصیر، نور، ظاہر وغیرہا) شامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے اذکار متعدد احادیث نبویؐ ﷺ سے ثابت ہیں اور ان ہی ارشادات رسالت مآبؐ ﷺ پر صوفیاء کی تعلیمات کا انحصار ہے۔ لیکن جہاں تک ان اذکار و اوراد کی حکمت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ اسماء کے ذکر سے خصوصی انوار نصیب ہوتے ہیں جن کے باعث انسان رفتہ رفتہ باری تعالیٰ کی ذات و صفات کے انوار کا مرکز و مہبط بنتا چلا جاتا ہے۔ اور آسانی سے انہیں بھی اپنے اندر جذب کرنے کا اہل بن جاتا ہے۔ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صحبت میں صحابہ کرامؓ کو ذکر سے خصوصی کیفیات اور مکاشفات حاصل ہوتے تھے۔ لیکن یہ حالت ذکر کے علاوہ ہمہ وقت موجود نہ رہتی تھی۔ یہ ماجرا حضرت حنظلہ سیدیؓ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا، جس پر حضورؐ ﷺ نے فرمایا:

لو کانت تکون قلوبکم کما تکون عند الذکر، لصافحتکم الملائکۃ،	اگر تمہارے دلوں کی کیفیت ہمیشہ وہی رہے جو دوران ذکر ہوتی ہے تو فرشتے تم

Marfat.com

حتی تسلم علیکم فی الطرق ۔ (صحیح مسلم '۲: ۳۵۵' کتاب التوبہ 'باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرۃ' رقم: ۲۷۵۰)

سے مصافحہ کریں اور راستوں میں چلتے ہوئے بھی تمہیں سلام کہیں۔

ایک اور روایت کے الفاظ یوں ہیں۔

لصافحتکم الملائکۃ علی فرشکم و فی طرقکم ۔

تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں پر تم سے مصافحہ کریں۔

(ایضاً)

اسماء باری تعالیٰ کے بکثرت ذکر کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

قال رسول ﷺ ان للہ تعالیٰ تسعۃ و تسعین اسما' مائۃ الا واحدا من احصاھا دخل الجنۃ۔ (صحیح بخاری' ۱: ۳۸۲' کتاب الشروط' باب مایجوز من الاشتراط' رقم: ۲۵۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء ہیں جو ان کا ذکر کرے گا۔ جنت میں داخل ہوگا۔

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اسم باری تعالیٰ کا ذکر بذات خود بڑی برکت و فضیلت کا حامل ہے اور اس سے انوار ذات و صفات کو جذب کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تسمیہ کا آغاز اسم الٰہی سے کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہ عالم دراصل عالم اسباب ہے۔ اس میں اسباب وذرائع سے استفادہ اور اکتساب فیض نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔ تسمیہ چونکہ ہر کام کے آغاز میں پڑھے جانے کا حکم ہے اور اس کا بیان بھی اسم سے شروع ہوتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت کا ذریعہ ہے اور تسمیہ میں اسی "ذریعہ" سے مصاحبت' استعانت اور حصول تبرک

Marfat.com

کی تلقین ہے۔ لہٰذا حکم تسمیہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو وجود خدا کی ذات سے وابستہ ومنسلک ہو۔ اس کے فیضان کا ذریعہ و مظہر ہو اور اس کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو۔ اس سے کسبِ فیض عین حق و درست ہو گا۔ لیکن اس سے استعانت اور حصول برکت ذریعے کی حیثیت سے ہو گی نہ کہ حقیقت کی حیثیت سے۔ حقیقت میں مستعان اور معطی رب ذوالجلال ہی کی ذات ہو گی۔ جس کا فیضِ قدرت مختلف ذرائع واسباب کی صورت میں بنی نوع انسان تک پہنچ رہا ہے، کوئی شخص کسی دوا سے شفایاب ہو یا دعا سے، یہ سب باری تعالیٰ ہی کا فیضان ہے۔ جس نے انسانوں کی تخلیق کردہ اور تجویز کردہ دوا میں تاثیر و شفاء رکھ دی اور یہی حال کسی برگزیدہ کی دعا کا ہے کہ جس کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تاثیر و برکت رکھ دی ہے۔ ورنہ یہ فیض اور منفعت نہ دوا کی ذاتی خوبی تھی اور نہ کلماتِ دعا کی۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ان سے مل کر مصر سے اپنے گھر واپس لوٹنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنا قمیض دیا اور فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ يَاْتِ بَصِيْرًا۔	میرا یہ قمیض لے جاؤ سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔
(یوسف '۱۲:۹۳)	

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا۔	پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا اس نے وہ قمیض یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔
(یوسف '۱۲:۹۶)	

آنکھوں کی بینائی کا جانا اور اس کا پھر لوٹ آنا ہر چند کہ یہ سب کچھ اذن الٰہی سے ہوا تھا لیکن دونوں امور کسی نہ کسی ذریعے ہی کے باعث معرضِ وجود میں آئے تھے۔ ان کی بینائی یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں جاتی رہی تھی۔

Marfat.com

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ۔ اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں۔

(یوسف '۱۲: ۸۴)

چنانچہ اس بینائی کو لوٹانے کے لئے بھی قدرت نے یوسف علیہ السلام کے ہی ذریعے کو منتخب فرمایا۔ یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام دونوں خدا کے پیغمبر تھے۔ وہ خود بینائی کے لئے دعا بھی مانگ سکتے تھے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بجائے اس راستے کے نبی کی بابرکت قمیض کی وساطت اور توسل سے مدعا حاصل کیا گیا۔ تاکہ عالم اسباب میں سبب اور ذریعے کی اہمیت واضح ہو سکے اور لوگ دینی و دنیوی امور میں اپنے معاملات کی تکمیل کے لئے ذرائع اور وسائل سے استمداد و اکتساب کو انبیاء علیہم السلام کی سنت سمجھتے ہوئے جاری رکھ سکیں۔ یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ ایک قمیض جو عام کپڑے سے بنا ہوا تھا۔ فی نفسہ ایسی صلاحیت اور توفیق سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے مبارک جسم سے مس ہونے کی بنا پر اس میں معجزانہ تاثیر پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا اس سے استفادہ اور اکتساب فیض عین منشاء ایزدی قرار پا گیا۔

ذرائع سے اکتسابِ فیض اور انتسابِ فعل کا مسئلہ

مزید بر آں یہ امر بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اس عالمِ اسباب میں کوئی کام کسی سبب اور ذریعے کے توسط سے ہوا ہو تو اس کام کی نسبت بھی اس ذریعے کی طرف کی جا سکتی ہے' لیکن یہ نسبت مجازی ہو گی' حقیقی نہیں' کیونکہ فاعلِ حقیقی تو ذات حق ہی ہے۔ قرآن کریم میں اس تصور کی اصل یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کی بشارت دیں تو انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا○ (مریم'۱۹:۱۹)	(جبریل نے) کہا میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں○

اولاد عطا کرنا بلاشبہ رب العزت کا کام ہے اور اس کے سوا یہ قدرت کسی کو حاصل نہیں۔ لیکن یہاں جبرئیل امین "بیٹا عطا کرنے" کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا تولد بغیر رشتہ ازدواج کے ہوا تھا۔ اور ان کے تولد کا کوئی عادی وطبعی سبب ظاہر میں موجود نہ تھا۔ جبرئیل امین نے حضرت مریمؑ کے گریبان یا دامن میں دم کیا، جس سے وہ حاملہ ہو گئیں اور بالآخر عیسیٰ علیہ السلام کا تولد وجود میں آیا۔ چونکہ تولد عیسیٰؑ کا ظاہری سبب اور ذریعہ صرف جبرئیل علیہ السلام کا دم کرنا تھا۔ اس لئے مجازاً وہب الٰہیہ کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کر دیا تمام مفسرین بالاتفاق اس امر کی تصدیق کرتے ہیں، وہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

اسند الفعل الی نفسه مجازاً لکونه سبباً ظاهریاً بالنفخ فی الدرع - (تفسیر البیضاوی'۶:۸۸)	قمیض میں پھونک مارنے کے ظاہری سبب کی وجہ سے فعل کی نسبت حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف کرنا مجازا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، مادی ہو یا روحانی کسی ذریعے کا موثر اور فعال ہونا اور صدورِ فعل کی نسبت کا اس ذریعے کی طرف کیا جانا اس لئے درست ہے، کیونکہ یہ بھی بالواسطہ قدرت الٰہیہ کا ہی اعتراف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس ذریعے کو تاثیر وفعالیت سے نہ نوازتے تو وہ کبھی بھی صدورِ فعل کا باعث نہ ہو سکتا۔ جب اس کو ذریعے اور سبب کا درجہ ہی خلاق عالم اور مسبب الاسباب نے بخشا ہے اور وہی ذات اسے اسباب وعلل کی دنیا میں موثر کارفرمائی کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور کر رہی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ وہ لوگوں کے اس کی طرف متوجہ ہونے یا نسبتِ فعل اس کی طرف کئے

Marfat.com

جانے کو خود ناپسند کرنے لگے اور ان امور کو غیرت الوہیت یا شان توحید کے منافی سمجھے۔ یہ اس کے انداز پروردگاری کے خلاف ہے۔

اسی طرح متعدد قرآنی امثلہ اور احادیث کے اسالیب ایسے انداز بیان پر شاہد وعادل ہیں، جن میں صدورِ فعل کی نسبت سببِ حقیقی کی بجائے مجازاً ظاہری سبب کی طرف کی جاتی ہے، جیساکہ روزمرہ کی گفتگو کا معمول ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ عالم اسباب میں مادی وغیر مادی ذرائع و وسائط سے نہ صرف استعانت واستمداد جائز اور مشروع ہے بلکہ ان کی طرف نسبتِ فعل بھی درست ہے۔ لیکن یہ اعتقاد مجروح نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی حیثیت محض ذریعہ و وسیلہ کی ہے، مقصد کی نہیں اور ان کی طرف انتسابِ افعال مجازاً ہوتا ہے، حقیقۃً نہیں۔ فاعل حقیقی اور قادر مطلق رب ذوالجلال کی ذات ہے۔

تسمیہ کی عبارت اسم سے استعانت واستمداد اور مصاحبت و تبرک کے حوالے سے یہی تعلیم دے رہی ہے کہ انسان اپنے جملہ امور میں ان تمام ذرائع واسباب سے استعانت کرے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عون وامداد کے مظاہر کے طور پر عالم آب گل میں وجود بخشا ہے اور جن کی مدد خدا کے مالک ومعین ہونے کی نشاندہی کر رہی ہے لیکن اسباب وذرائع کو کبھی بھی مقصد کا بدل نہ بنایا جائے۔ انسان کو چاہئے کہ ان سب ذرائع سے حاصل ہونے والے منافع و نقصانات میں بھی اصل نظر خدا ہی کی قدرت مطلقہ پر رکھے۔ اس لئے "بسم" میں نام حق سے استعانت کی تعلیم دے کر ذریعہ کی اہمیت بھی واضح کر دی گئی اور اس کی اضافت 'اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرف کر کے حقیقتِ حال کو بھی بیان کر دیا گیا۔

اگر غور وخوض اور فہم صحیح کے ساتھ اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو "مسئلہ استعانت واستمداد" پر مذہبی حلقوں میں موجود علمی نزاع کافی حد تک مرتفع ہو سکتا ہے۔ (اس مسئلے کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے مصنف کی کتب 'عقیدہ توسل' اور 'مسئلہ استغاثہ' کو پڑھ سکتے ہیں)۔ ہندوستان کے دور آخر کے علماء و محققین کی تحقیقات و تصریحات کا بھی مطالعہ کیا جائے تو مذکورہ بالا وضاحت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دو علماء کے نقطہ ہائے

Marfat.com

نظر ملاحظہ ہوں۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ایاک نعبد وایاک نستعین کے تحت مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ لکھتے ہیں:

"ایاك نستعین" میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ، ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و خدام واحباب وغیرہ سب عون الٰہی کے مظہر ہیں، بندے کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء وانبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدہ باطلہ ہے، کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔

اب اسی آیت کے تحت متذکرہ بالا مفہوم کو مولانا محمود الحسن دیوبندی ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔"

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ دونوں عبارات کا مفہوم و مدعا ایک ہی ہے۔ تسمیہ میں لفظ اسم کے استعمال سے بھی انسانوں کو یہی تعلیم دینا مقصود تھا کہ جملہ امور حیات میں مستعان حقیقی صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ لیکن اس عالم اسباب میں ہر مخلوق و موجود کو خلاق عالم نے اپنے فیضان رحمت اور اپنی مدد واعانت کے واسطہ و مظہر کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ جو ہستی ذاتِ حق کے جتنی قریب اور اس کے نور قدرت سے جتنی مستنیر ہو گی، وہ اسی قدر شان مظہریت میں بھی اعلیٰ واولیٰ ہو گی۔ لہٰذا کاروبار حیات میں مادی مسائل ہوں یا روحانی، ان سے استفادہ واستمداد بھی کیا جائے کہ نظام کائنات کا اصول بھی یہی ہے اور ہر ایک اعانت میں کارساز حقیقی کے لطف و کرم پر بھی نظر رکھی جائے کہ تقاضائے بندگی یہی ہے۔

Marfat.com

باب ۴

لفظ اللہ کے تفسیری معارف

Marfat.com

لفظِ اللہ کی اسمی اہمیت

تسمیہ میں استعمال ہونے والا دوسرا لفظ "اللہ" ہے، جو ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اسم ذات کہتے ہیں اور اس کے علاوہ باقی سب ناموں کو اسمائے صفات۔ یہ لفظ باری تعالیٰ کی ان تمام صفات حسن و کمال کو حاوی ہے، جن سے وہ متصف ہے۔ کسی بھی ذات کا صحیح ادراک اس کی صفات کو جاننے ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تمام صفات و کمالات کو جانا جائے۔ محض چند صفات کے حوالے سے کسی شخصیت کی جزوی اور نامکمل معرفت تو حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کا جامع تعارف ممکن نہیں۔ اسم ذات، شخصیت کی من حیث الکل نشاندہی کرتا ہے۔

اس کی دلالت محض شخصیت کے کسی خاص گوشے یا پہلو پر نہیں ہوتی۔ جب کہ اسمائے صفات میں سے ہر ایک اسم، ذات کی کسی نہ کسی ایک صفت کو ہی اجاگر کر سکتا ہے۔ مثلاً قدیر اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ علیم اس کی صفت علم پر، حی اس کی صفت حیات پر، کلیم اس کی صفتِ کلام پر، سمیع و بصیر اس کی صفات سمع و بصر پر، خالق اس کی صفت خلق پر، رب اس کی صفتِ ربوبیت پر اور رحمان و رحیم اس کی صفتِ رحمت پر۔ الغرض یہ سب اسماء ذات باری تعالیٰ کی مختلف صفات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو جمیع صفات الوہیت کا احاطہ کر سکے اور اس کو سنتے ہی اس حسن مطلق کا ایسا تصور ذہن میں آسکے، جو من کل الوجوہ مکمل ہو "اللہ" ہی ایک ایسا نام ہے جس کی دلالت کلی طور پر

Marfat.com

اس واجب الوجود پر ہے جو جامع صفات و کمالات ہے۔ یہ ذات حق کی کسی ایک یا چند صفات کی نہیں بلکہ بیک وقت ذات اور اس کی تمام صفات کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ صفات ایک اعتبار سے گویا ذات کا حصہ ہوتی ہیں۔ جب کہ ذات اپنی کسی بھی صفت کا حصہ نہیں ہوتی۔ ذات کے دامن میں اس کی تمام صفات از خود موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے اسم ذات بھی جملہ صفات و کمالات کو پورے طور پر محیط ہوتا ہے۔

قرآن اور بیانِ اسم ذات

یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی باری تعالیٰ کے حسن صفات و کمال کا ذکر آیا ہے۔ اس کا آغاز بالعموم اسم ذات سے ہی ہوا ہے۔ اس کے ساتھ باقی اسماء حسنیٰ کا بیان یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اجمال کی تفصیل بتائی جارہی ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُO

(الحشر' ۵۹:۲۲)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر نہاں و عیاں کا جاننے والا' وہی ہے بڑا مہربان رحمت والاO

اس سے آگے پھر فرمایا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَO

(الحشر' ۵۹:۲۳)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' بادشاہ' نہایت پاک' سلامتی دینے والا' امان بخشنے والا' حفاظت فرمانے والا' عزت والا' عظمت والا' تکبر والا' اللہ پاک ہے ان کے شرک سےO

اس سے اگلی آیت کا بھی انداز بیان یہی ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ

وہی اللہ ہے بنانے والا' پیدا کرنے والا' ہر

Marfat.com

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُO

(الحشر '۵۹: ۲۴)

ایک کو صورت دینے والا' سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور عزت و حکمت والا ہےO

اسی طرح آیۃ الکرسی میں بھی صفات و افعال خداوندی کے بیان کا آغاز اسم ذات سے ہی ہوا ہے۔ مزید بر آں قرآن حکیم میں جا بجا ذات باری تعالیٰ کا تعارف اسی مقدس نام کے ذریعے کرایا گیا ہے' چند مقامات ملاحظہ کیجئے۔

۱۔قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ۔

(الرعد '۱۳: ۱۶)

فرمائیے! کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا' آپ ﷺ خود ہی فرما دیجئے اللہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

۲۔قُلْ مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ۔

(السباء '۳۴: ۲۴)

(ان کافروں کے سامنے) فرمائیے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ (خود ہی) فرما دیجئے اللہ ہے۔

ایک مقام پر کفار کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

۳۔وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔

(العنکبوت '۲۹: ۶۱)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے بنائے آسمان اور زمین اور (کس نے) کام میں لگائے سورج اور چاند تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔

اس سے آگے پھر فرمایا گیا۔

۴۔وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا

اور اگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کس نے اتارا آسمان سے پانی۔ پھر اس کے

Marfat.com

لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ۔

سبب سے زمین کو مردہ ہو چکنے کے بعد زندہ کر دیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔

(العنکبوت، ۲۹:۶۳)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

۵۔ اَللّٰہُ یَبْدَؤُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ○

اللہ ہے جو پہلے بناتا ہے، پھر دوبارہ بنائے گا۔ پھر تم اسی کی طرف پھرو گے○

(الروم، ۳۰:۱۱)

اسی صورت میں مزید فرمایا گیا۔

۶۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ۔

اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا۔ پھر تمہیں زندہ کرے۔

(الروم، ۳۰:۴۰)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

۷۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَھُمَا سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔

اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا۔

(السجدہ، ۳۲:۴)

علیٰ ہذا القیاس ہر جگہ باری تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف لفظ اللہ کے حوالے سے ہی کرایا ہے۔ بلکہ ہمیشہ صفات و کمالاتِ ربوبیت کا ذکر بھی اسی نام سے شروع کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کا یہ اندازِ بیان نہ صرف اس کے اسم ذات ہونے پر بلکہ اس کی اہمیت، جامعیت اور ہمہ گیریت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

یہ اسم ذات (اللہ) قرآن حکیم میں کم و بیش ستائیس سو ایک (۲۷۰۱) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اتنی کثرت سے کوئی دوسرا لفظ قرآن میں استعمال نہیں ہوا۔

Marfat.com

مذاہبِ عالم اور تصورِ اسم ذات

تاریخ عالم کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف مذاہب میں خواہ توحید کا عقیدہ غالب رہا یا شرک کا، ذات باری تعالیٰ کی نسبت لوگوں کے اذہان میں کوئی نہ کوئی ایسا تصور ضرور موجود رہا ہے۔ جسے وہ تمام کائنات کا خالق و مالک سمجھتے تھے۔

اس ذات کی نشاندہی وہ اپنی اپنی مخصوص اصطلاحات کے ذریعے کرتے رہے۔ مثلاً ہندو دھرم میں "پرمیشور" کا لفظ عام دیوی دیوتا کے لئے نہیں بلکہ رب کائنات کے لئے بولا جاتا ہے۔ "برہم" بھی اسی ہستی کا نام ہے۔ اسی طرح ہندو یوگ میں روحانی منازل طے کرنے کے لئے "اوم" کا ورد بطور ذکر اسم ذات مروج ہے۔ بلکہ یجروید ہندو دھرم کی مقدس مذہبی کتاب کے آخر میں بھی "اوم" کو "برہم" کا ذاتی نام لکھا گیا ہے۔ لیکن رگ وید ۴۔۱۸۔۶ میں جو منتر مذکور ہے۔ اس میں ندیوں کے اللہ، اللہ شبد پکارنے کا ذکر آتا ہے۔ جس سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ قدیم ہندو لٹریچر میں بھی ذات حق کے لئے لفظ "اللہ" بطور اسم ذات مستعمل تھا۔ مذہب زرتشت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی "آہورمزدا" کو خالق کائنات کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ المنعم، المکین، الکامل، القدس، الحکیم، الخبیر، الغنی، الطیب، القہار، الشافی، الخلاق، العلیم وغیرہا۔ یہ سب اس کے اسماء صفات ہیں اور اس کا اسم ذات ھرمز ہے۔ علامہ محمود العقاد اپنی کتاب "اللہ" میں جناب زرتشت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ زرتشت نے پکارا۔

"یا هرمز الرحیم صانع العالم المشهود، یا ایها القدس ..... ای شئی هو اقوی القوی جمیعا فی الملك والملكوت، فقال هرمز ..... انه هو اسم الذی یتجلی فی ارواح العلیین فهو القوی فی عالم الملكوت"

ترجمہ: اے ھرمز! رحم کرنے والے، عالم وجود کے پیدا کرنے والے، اے پاک ذات کے مالک ..... کونسی شے کائنات میں سب سے زیادہ قوی ہے۔

Marfat.com

ھرمز نے کہا وہ نام (ھرمز) جو مقام علیین میں روحوں کے اندر روشن ہے وہ تمام کائنات میں سب سے زیادہ قوی ہے۔

ایک اور مقام پر زرتشت کے حوالے سے منقول ہے۔

ان ھرمز خلق الدنیا فی ستة ادوار۔ کہ ہرمز نے دنیا کو چھ ادوار میں پیدا کیا۔

گویا باری تعالیٰ (یعنی آہور مزدا) کے لئے مذہب زرتشت میں "ہرمز کا لفظ اسم ذات کے طور پر منقول ہے۔ مختلف سامی زبانوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں باری تعالیٰ کے اسم ذات کے طور پر جو نام عام طور پر معروف رہا ہے۔ اس کا مادہ الف' لام اور ھ پر مشتمل ہے۔ عبرانی' سریانی' آرامی' کلدانی' حمیری اور عربی وغیرہ سب زبانوں میں یہی مادہ مختلف شکلوں میں پایا جاتا رہا ہے۔ کلدانی اور سریانی میں الاھیا عبرانی میں الوہ اور عربی میں الہ جو "ال" کے اضافے سے اللہ قرار پا گیا۔ الغرض ہر دور میں ہر طبقہ وملت کے افراد باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے لئے کوئی نہ کوئی ایسا جامع لفظ ضرور استعمال کرتے رہے ہیں' جس کی دلالت ہمہ گیر ہو اور جس سے بلاشرکت غیرے صرف ایک ہی ہستی کا سراغ مل سکے۔

لفظ اللہ کی شانِ علمیت

سیبویہ' خلیل اور دیگر فقہاء واصولیین میں سے امام شافعی' خطابی' امام الحرمین اور امام غزالی وغیرہم کے قول کے مطابق لفظ "اللہ" اسم علم غیر مشتق ہے۔ یعنی یہ لفظ صرف ذات باری تعالیٰ کے نام کے طور پر وضع کیا گیا ہے اور بلاشرکت غیرے اسی پر ہی دلالت کرتا ہے۔ نہ یہ خود کسی لفظ سے ماخوذ ہے اور نہ اس سے کوئی اور۔ گویا یہ لفظ خود بھی لفظی اور معنوی اعتبار سے توحید محض کی دلیل ہے' قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ

(وہ) آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دو کے درمیان ہے (سب) کا رب ہے پس

Marfat.com

سَمِیًّاO اس کی عبادت کیجئے اور اس کی عبادت میں

(مریم ۱۹: ۶۵) ثابت قدم رہیئےO

اس آیت میں جس حقیقت کے بیان پر زیادہ زور دیا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ اس خلاق کائنات اور معبود برحق کی شان توحید کا یہ عالم ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ اسمی شرکت بھی حاصل نہیں۔ اس کی وحدانیت اس قدر ظاہر ہے کہ مشرکین نے معبودانِ باطلہ کے لئے طرح طرح کے نام اور صفات وضع کر رکھی تھیں۔ لیکن آج تک کسی نے بھی اپنے کسی جھوٹے معبود کا نام "اللہ" نہیں رکھا لہٰذا یہ نام بھی اپنے وجود میں شروع سے آخر تک بے مثل اور بے نظیر رہا ہے۔ تاریخ عالم بھی اس حقیقت کی کھلی تائید کرتی ہے مولانا ابوالکلام آزادؒ اسی تصور کو یوں بیان کرتے ہیں۔

"کہ نوع انسانی کے دینی تصورات کا ایک قدیم عہد جو تاریخ کی روشنی میں آیا ہے مظاہر فطرت کی پرستش کا عہد ہے۔ اسی پرستش نے بتدریج اصنام پرستی کی صورت اختیار کی۔ اصنام پرستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف زبانوں میں بہت سے الفاظ دیوتاؤں کے لئے پیدا ہوگئے اور جوں جوں پرستش کی نوعیت میں وسعت ہوتی گئی الفاظ کا تنوع بھی بڑھتا گیا۔ لیکن چونکہ یہ بات انسان کی فطرت کے خلاف تھی کہ ایسی ہستی کے تصور سے خالی الذہن رہے۔ جو سب سے اعلیٰ اور سب کی پیدا کرنے والی ہستی ہے۔ اس لئے دیوتاؤں کی پرستش کے ساتھ ایک سب سے بڑی اور سب پر حکمران ہستی کا تصور بھی کم و بیش موجود رہا اور اس لئے جہاں بے شمار الفاظ دیوتاؤں اور ان کی معبودانہ صفتوں کے لئے پیدا ہو گئے وہاں کوئی نہ کوئی لفظ ایسا بھی ضرور مستعمل رہا جس کے ذریعے اس ان دیکھی اور اعلیٰ ترین ہستی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا" قرآن حکیم نے بھی کفار و مشرکین مکہ کے معتقدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسی بات کو واضح کیا ہے وہ کہتے تھے۔

مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔ ہم تو انھیں (یعنی بتوں کو) صرف اس

(الزمر ۳۹: ۳) لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس

Marfat.com

(نزدیک) کردیں۔

ہر چند کہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے لئے ان کا یہ استدلال اسلام کے نزدیک قابل قبول نہ تھا، لیکن اس سے اتنی بات ضرور عیاں ہو گئی کہ وہ بھی تمام معبودان باطلہ پر کسی ایک ہستی کو فائق و برتر اور کامل و برگزیدہ تصور کرتے تھے۔ اسی کے قرب کو اپنا منتہائے مقصود بیان کرتے اور اسی ہستی کو اللہ کے نام سے پکارتے تھے۔ چنانچہ یہ اس لفظ کی اپنی موزونیت اور انفرادیت ہے کہ اس ہستی مطلقہ کے لئے یہ لفظ بغیر کسی کی شراکت کے استعمال ہوتا رہا ہے۔ جب ہم اس لفظ کی شانِ علمیت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ذات والا صفات کے بیان کے لئے واقعی اس سے زیادہ موزوں لفظ اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ لفظ اللہ کی تعریف امام خازنؒ نے یوں بیان کی ہے۔

هو اسم علم خاص لله تعالیٰ تفرد به الباری سبحانه وتعالیٰ ليس بمشتق ولا يشركه فيه احد۔

(تفسیر خازن، ۱:۱۵)

یہ اسم علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور باری تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے نہ یہ کسی سے مشتق ہے اور نہ اس میں کوئی اور شریک ہے۔

لفظ اللہ کی ترکیب اور اس کی معنوی حکمت

ا۔ اس لفظ کا باری تعالیٰ کے اسم ذات کی حیثیت سے مستعمل ہونا کئی حکمتوں کی بنا پر ہے۔ ان میں سے ایک اس کی ترکیب لفظی میں پنہاں ہے۔ اگر اس لفظ سے کوئی حرف حذف بھی کر دیا جائے، تب بھی بقیہ حروف ذاتِ باری تعالیٰ کی نشاندہی کے لئے اپنا معنی برقرار رکھیں گے۔ مثلاً اللہ کا پہلا حرف (الف) حذف کر لیں تو للہ باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے "اللہ کے لئے" اگر دوسرا حرف (لام) حذف کر لیں اور پہلی الف بحال رکھیں تو الٰہ باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے معبود۔ اگر پہلے دونوں حروف (الف اور لام) حذف کر لیں تو لہ باقی رہ جائے گا جس کا معنی ہے "اس کے لئے" اور اگر پہلے تینوں حروف حذف کر لئے

Marfat.com

جائیں تو "ہ" باقی رہ جائے گا۔ جو پھر اسی کی ذات کی نشاندہی کرتا ہے اور "ھو" (وہ) کے معنی میں بطور ضمیر استعمال ہوتا ہے۔ صوفیاء بالعموم اس کا ذکر کرواتے ہیں گویا "اللہ" ایک ایسا لفظ ہے جو من حیث الکل بھی اور اپنے ہر حرف اور جزو کے اعتبار سے بھی ذات حق پر معنوی دلالت کرتا ہے۔ اس نام کی ترکیب لفظی کے حسن کا یہ عالم ہے کہ اس کا کوئی حرف یا کوئی حصہ بھی بے معنی نظر نہیں آتا۔ گویا یہ لفظ بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح ہر ہر اعتبار سے کامل ہے۔ کسی اسم کی اپنے مسمی پر اس سے زیادہ سے دلالت کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے۔

لفظ اللہ کی اصل اور اس کا اشتقاق

اکثر علماء و محققین کی رائے یہ ہے کہ لفظ "اللہ" اسم مشتق ہے۔ اس لحاظ سے اس کے متعدد مادے (Origins) بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مشتق منہ معنوی طور پر ذات باری تعالیٰ مختلف شانوں اور حیثیتوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ عام طور پر اہل علم یہ تصور کرتے ہیں کہ اس لفظ کی اصل "الٰہ" ہے جس کا معنی "معبود" ہے۔ جو "ال" کے اضافے سے معرف ہو کر "اللہ" قرار پا گیا۔ "لام تعریف" کے بارے میں عربی زبان کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی اسم کو معرف باللام کر دیا جائے (یعنی اس کے آغاز میں "ال" کا اضافہ کر دیا جائے) تو وہ اسم اپنے استعمال اور اطلاق میں خاص ہو جاتا ہے۔ مثلاً کتاب کا لفظ عام ہے۔ کسی بھی کتاب پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر اسے الکتاب کر دیا جائے تو اس کا اطلاق صرف کسی مخصوص کتاب پر ہو گا۔ ہر ایک پر نہیں۔ اسی طرح الٰہ کو معرف کر کے اللہ بنانے میں یہی مصلحت تھی کہ الوہیت صرف ذات حق سے مختص تصور کی جائے اور پوری کائنات میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور ہستی الٰہ کہلانے کی مستحق نہ رہے۔ یہی مفہوم کلمہ توحید کے پہلے حصے کے ذریعے ادا ہوتا ہے۔ اگر باری تعالیٰ کو صرف الٰہ کہہ کر ہی پکارا جاتا تو اس سے اس کی شان الوہیت اور شان معبودیت تو آشکار ہوتی لیکن معبودان باطلہ کی نفی نہ ہو سکتی۔ گویا صرف "اثبات" ہوتا، نفی کا بیان نہ ہوتا۔ اس طرح یہ اسم جامع ضرور تصور کیا جاتا لیکن مانع نہ ہوتا

Marfat.com

اور اسم باری تعالیٰ کی انفرادیت و موزونیت کے لئے ضروری تھا کہ وہ جامع بھی ہو اور مانع بھی۔

چنانچہ اس حکیم و خبیر نے اپنی ذات کی دلالت کے لئے ایسے لفظ کو منتخب فرمایا جو بیک وقت اس کے لئے الوہیت کا اثبات اور اس کے ماسوی کے لئے الوہیت کی نفی کر رہا ہے' یہاں نفی و اثبات کا اجتماع اس پہلو کو بھی اجاگر کر دیتا ہے کہ اسلام صرف حق کے اثبات کا ہی نہیں بلکہ ہر باطل کی نفی کا بھی نام ہے اور یہی تصور در اصل اسلام کے انقلابی فلسفے کی بنیاد ہے۔ لفظ اللہ کی اصل کے بارے میں امام راغب اصفہانی ؒ فرماتے ہیں۔

اصله اله فحذفت همزته وادخل عليه الالف واللام فخص بالباری تعالی

اس کی اصل اِلٰہ ہے۔ جس کے ہمزہ (ء) کو حذف کر دیا گیا اور اس پر ال داخل کر کے اسے ذات باری کے لئے خاص کر دیا گیا ہے۔

(المفردات: ۲۱ مطبوعہ آرام باغ کراچی)

(۱) پہلا مادہ اشتقاق ...... اِلٰہ (عبادت کرنا)

اس لفظ کے کئی مادے بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے لغوی اشتقاق کے سلسلہ میں علماء کا ایک قول یہ ہے کہ یہ 'اِلٰہ' یالہ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی عبادت کرنا ہے۔ اس طرح اِلٰہ کا معنی معبود (جس کی عبادت کی جائے) قرار پایا۔ زمانہ قدیم میں سورج کی پرستش کرنے والوں نے سورج کا نام الھہ رکھا ہوا تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی تھی کہ وہ اسے معبود تصور کرتے تھے۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ لفظ الہ معبود سے عبارت نہیں بلکہ اس کی دلالت اس وجود یا ہستی پر ہوتی ہے جو خود معبود ہونے کی اہل اور مستحق ہو۔ قرآن حکیم میں لفظ الہ اکثر و بیشتر معبود کے معنوں میں استعمال ہوا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ط قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ

جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت

وَ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ٥

(البقرہ‘۲:۱۳۳)

کرو گے؟ تو انہوں نے کہا ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود و یکتا ہے‘ اور ہم (سب) اسی کے فرماں بردار رہیں گے٥

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَ فَلَا تَتَّقُوْنَ٥

(الاعراف‘۷:۶۵)

انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم پرہیز گار نہیں بنتے؟

اسی مضمون کی متعدد آیات قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ جن سے الٰہ کا معنی "معبود" متحقق ہوتا ہے۔اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ٥

(الانبیاء‘۲۱:۲۵)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری (ہی) عبادت کیا کرو٥

اس مادہ اشتقاق کی بنا پر لفظ اللہ کا معنی یہ ہوا کہ وہ اکیلی ذات جو مستحق عبادت ہے۔جو اپنے وجود و کمال میں اس قدر جامع اکمل اور اتم ہے کہ وہ کائنات کے ہر ذرے کے لئے پرستش کے لائق ہے۔ جو خود واجب ہے اور باقی سب ممکن‘ جو خود خالق ہے اور باقی سب مخلوق‘ جو خود مالک ہے اور باقی سب مملوک‘ جو خود باقی ہے اور باقی سب فانی‘ جو خود قدیم ہے اور باقی سب حادث‘ جو خود غنی ہے اور باقی سب محتاج‘ جو خود ہی ازلی و ابدی ہے‘ اول و آخر ہے اور ظاہر و باطن ہے اور جو کچھ اس کائنات کے نقطہ آغاز سے لے کر نقطہ انجام تک وجود میں آرہا ہے‘ اسی کے فیضان ربوبیت کا پرتو ہے۔ چونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے

Marfat.com

ہونے' باقی رہنے اور کمال پانے میں اس کی محتاج ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں۔ کیونکہ جو محتاج ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ اخلاص میں تمام صفات الوہیت کے بیان کو اس طرح جمع کیا گیا کہ وہ سورت لفظ اللہ کی مکمل تعریف بن گئی' ملاحظہ ہو۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌO اَللّٰهُ الصَّمَدُO لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْO وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌO

(الاخلاص' ۱۱۲: ۱' ۴)

آپ فرمادیں وہ اللہ ہے (جو) ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کا کوئی جوڑ ہے۔

(۲) دوسرا مادہ اشتقاق......اله (تحیر و درماندگی)

لفظ اللہ کے اشتقاق میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ الہ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی تحیر و درماندگی ہے۔ رب ذوالجلال کے لئے اس لفظ کا اسم قرار پا جانا اس کی عظمت اور علو مرتبت کی صحیح نشاندہی ہے۔ کیونکہ انسان ذات باری تعالیٰ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو کچھ جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور فہم وادراک کی درماندگی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور کرے گا۔ اس کی حیرت واستعجاب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ معرفت الٰہی کی ابتدا بھی عجز و حیرت تھی اور انتہا بھی عجز و حیرت ہے۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

حواس انسانی ذات حق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ عقل انسانی اس کے فہم سے قاصر ہے۔ کشف و وجدان اس کی کامل معرفت سے عاجز ہیں۔ انسان جب اپنی تمام ظاہری و باطنی صلاحیتوں اور نفسی استعدادوں کو بروئے کار لا کر بھی اس حسن مطلق کے جلووں کا صحیح نظارہ

Marfat.com

نہیں کر سکتا اور اس حقیقت ابدی کو اپنے دامن عقل و فہم میں سمو نہیں سکتا تو اس کی زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے۔

مَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔

(اے حسن ازل! ہم تجھے اس طرح نہیں جان سکے جیسے تجھے جاننے کا حق تھا)

اس لئے کہ وہ کل ہے اور باقی سب جزو۔ وہ خود محیط ہے اور باقی سب محاط۔ وہ غیر محدود ہے اور باقی سب محدود۔ اس کی حقیقت سب جاننے والوں کی سرحد ادراک سے ماوراء ہے اور اس کی ہستی سب دیکھنے والوں کی منتہائے نظر سے بلند و بالا ہے۔

لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُO

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہےO

(الانعام' ۶: ۱۰۳)

اسی وجہ سے حکم دیا گیا۔

تفكَرُوْا فِیْ اٰلآءِ اللّٰهِ وَلَا تفكَرُوْا فِیْ اللّٰهِ۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرو اور ذات باری تعالیٰ میں غور و فکر نہ کرو۔

(الدر المنثور' ۲: ۱۱۰)

قرآن حکیم میں جا بجا آیات اللہ (خدا کی نشانیوں) میں غور و فکر اور تعقل و تدبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ ذات ایزدی میں تفکر کے لئے نہیں کہا گیا' ارشاد ہوتا ہے۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذَالِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ O اِنَّ فِیْ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَO

اللہ نے یہ (سب کچھ) نہیں پیدا فرمایا مگر درست تدبیر کے ساتھ' وہ (ان کائناتی حقیقتوں کے ذریعے اپنی خالقیت' وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے تفصیل سے واضح فرماتا ہے جو علم رکھتے ہیں بے شک رات اور

(یونس' ۱۰: ۵۔۶)

Marfat.com

دن کے بدلتے رہنے میں اور ان (جملہ) چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہیں (اسی طرح) ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو تقویٰ رکھتے ہیںo

دوسرے مقام پر اسی طرح ارشاد فرمایا۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔

ہم انھیں جلد ہی کائنات میں اور ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھادیں گے۔

(حم سجدہ، ۴۱: ۵۳)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔

کیا وہ اپنے نفوس میں تفکر نہیں کرتے۔

(الروم، ۳۰: ۸)

تفکر فی آیات اللہ کی تلقین دیگر مقامات پر اس طرح کی گئی ہے۔

كَذٰالِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَo

اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور و فکر کروo

(البقرہ، ۲: ۲۱۹)

مزید ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِo

(آل عمران، ۳: ۱۹۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو (سراپا نیاز بن کر) کھڑے اور (سراپا ادب بن کر) بیٹھے اور (ہجر میں تڑپتے ہوئے) اپنی کروٹوں پر (بھی) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق (میں کارفرما

اس کی عظمت اور حسن کے جلوؤں) میں
فکر کرتے رہتے ہیں (پھر اس کی معرفت
سے لذت آشنا ہو کر پکار اٹھتے ہیں) اے
ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے
حکمت اور بے تدبیر نہیں بنایا تو (سب
کوتاہیوں اور مجبوریوں سے) پاک ہے
ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے o

متذکرہ بالا آیات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ عالم کون و مکان میں کار فرما قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر سے ہستی باری تعالیٰ کا پتہ چلتا ہے اور اس کی معرفت کی راہ نصیب ہوتی ہے۔ جوں جوں انسان انفس و آفاق کی آیات و علامات کے فکر میں منہمک ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس پر ذات حق کی عظمتیں اور سطوتیں مزید آشکار ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ تحیر واستعجاب کے سمندر میں غرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر عالم حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک معرفت کی منزلوں میں اس "مقام حیرت" کو نہات بلند درجہ حاصل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کئی عرفاء طویل طویل مدت تک آیات الٰہیہ میں غور و فکر کرتے ہوئے مقام حیرت میں اس طرح گم کھڑے رہے کہ اس محویت میں نہ انھیں اپنی خبر رہی نہ دنیا کی۔ حتیٰ کہ یہی حیرت منتہائے معرفت قرار پا گئی۔ لیکن اس درجہ تک بھی عقل کو نہیں عشق و محبت ہی کو رسائی حاصل ہوتی ہے۔ بقول اقبالؒ:

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

اسی لیے علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

Marfat.com

دنیا کے تمام عرفاء اور حکماء اس امر پر متفق رہے ہیں کہ آگہی کی انتہا بے خبری ہے اور علم کا آخری نقطہ کمال لاعلمی ہے۔ جب چشم علم و معرفت پر تمام حجابات کے اٹھ جانے سے حقیقت ابدی منکشف ہو جاتی ہے اور عارف ذات حق کی معرفت کے لیے قدم آگے بڑھاتا ہے تو اسے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں اور اس لاعلمی کا علم ہی اس کے لئے سب سے بڑا علم قرار پاتا ہے۔ یہاں پہنچ کر وہ بیساختہ پکار اٹھتا ہے کہ:

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

بس بارگہ الوہیت میں یہی انسانی علم کی انتہاء ہے کہ انسان کو اس کے ہونے اور اپنے نہ ہونے کی خبر ہو جائے۔ کسی نے اس مقام معرفت کو کیا خوب بیان کیا ہے کہ:

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اکبر نے حیرت و درماندگی اور تحیر و بے خبری کو منتہائے علم تصور کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا کہ

ہر ایک بات پہ کہتا تھا من نمی دانم
یہ بات سچ ہے کہ اکبر بہت ہی عالم تھا

بلھے شاہؒ فرماتے ہیں۔

"علموں بس کریں او یار"

اس لیے اس ذات بلند و برتر نے اپنا نام اللہ منتخب فرمایا تاکہ انسان پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے کہ وہ اس ہستی مطلق کی عظمتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اسی کو امام رازیؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

فَھٰھُنَا الْعِجزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ ۔

پس اس مقام پر حصول ادراک میں عجز و ناکامی کا نام ہی ادراک ہے۔

Marfat.com

(۳) تیسرا مادہ اشتقاق ...... الہ (سکون پانا)

اس بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ "اللہ" "الہ" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی سکون پانا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ الهت الى فلان اى سكنت اليه (کہ میں نے فلاں سے سکون پایا) ذات باری تعالیٰ کو "اللہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ بیتاب دلوں کو اسی سے تسکین ملتی ہے' قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O

(الرعد' ۱۳:۲۸)

جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے O

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ O

(الانفال' ۸:۲)

ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے) O

اس آیت میں اہل ایمان کی حالتِ محبت بیان کی جا رہی ہے کہ اہل ایمان وہ ہیں جو اپنا رشتہ محبت اس محبوب حقیقی سے استوار کر لیتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ علامت محبت ہے کہ

Marfat.com

محبوب کا نام اور ذکر سن کر اہل محبت کے دلوں کو تسکین ملتی ہے، سب غمِ زیست بھول جاتے ہیں، دل اس کی یاد میں لذت و طمانیت اور کیف و سرور کی دولت پاتے ہیں۔ لیکن سورہ انفال کی آیت میں "وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جن میں دل کے لرز جانے کا ذکر ہے۔ اہل دل سے یہ حقیقت بھی مخفی نہیں ہوگی کہ جب محبت شدت اختیار کر کے عشق کا روپ دھار لے تو دل پر عجیب کیفیات طاری ہونے لگتی ہیں۔ اس وارفتگی اور جنون کی حالت میں جب محبوب کا نام سننے میں آئے۔ کہیں اس کا تذکرہ ہو یا خود دل میں اس کی یاد زور پکڑ لے تو دل لرز لرز جاتا ہے۔ بعض اوقات کپکپی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے جسم میں سے بجلی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ عاشق اس کی یاد میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتا ہے، آنکھیں برسنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہی یاد اسے بے چین کر دیتی ہے اور یہی اس کے لیے باعث سکون بھی بنتی ہے۔ متنبّی محبوب کا ذکر سننے پر دل کر کیفیت یوں بیان کرتا ہے۔

الیس وعدتنی یا قلب عنی
اذا ما تبت عن لیلی تتوب
فھا انا تائب عن حب لیلی
فما لک کلما ذکرت تذوب

(اے دل! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ جب میں لیلیٰ کی محبت سے تائب ہو جاؤں گا تو تو بھی توبہ کر لے گا۔ پس دیکھ میں تو لیلیٰ کی محبت سے تائب ہو چکا ہوں۔ اب تجھے کیا ہوا ہے کہ جب بھی لیلیٰ یاد آتی ہے (یا اس کا ذکر ہوتا ہے) تو تو پھر پگھلنا شروع کر دیتا ہے)

قرآن اہل ایمان کی اسی حالت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جب باری تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو اہل ایمان کے دل پگھلنے لگتے ہیں۔ کیونکہ جوں جوں حب الٰہی عشق میں بدلتی جاتی ہے، ایمان کمال کو پہنچتا ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (البقرۃ‘۲:۱۶۵) اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں۔

اسی ٹوٹ کر محبت کرنے کو ہی تو عشق کہتے ہیں اور اس کے کمال کا تقاضا یہ ہے کہ عاشق کو محبوب کے سوا نہ کسی اور کی طلب رہے اور نہ ضرورت۔ اسی بے نیازی کو قرآن "وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ" کے الفاظ سے تعبیر کر رہا ہے کہ اہل ایمان اپنے محبوب حقیقی کے علاوہ کسی اور کے لطف و کرم اور عنایت و احسان کی آرزو ہی نہیں کرتے۔ جب دنیا کی تمام متاع اور خیر کا منتہائے کمال سکون قلب ہی ہو اور یہ دولت انہیں دامن محبوب سے میسر آجائے تو پھر انہیں کسی اور جانب نگاہ اٹھانے کی حاجت ہی کیوں ہو کسی نے کیا خوب کہا ہے:

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

چنانچہ لفظ اللہ ذات باری سے انسان کے محبت کرنے اور اسی سے سکون قلب پانے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لفظ پر الف لام کے واقع ہونے سے جو تعریف اور اختصاص پیدا ہو رہا ہے۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ انسان پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ اس عالم آب و گل میں سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی ہستی ایسی نہیں جو اسے حقیقی سکون کی دولت سے بہرہ ور کر سکے۔ گویا یہ نام پریشان حال لوگوں اور بے چین و مضطرب دلوں کو مژدہ جانفزا سنا رہا ہے کہ دنیا کی گوناگوں مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات اور دل و دماغ کی آسودگی و طمانیت دنیوی عیش و آرام کے سامانوں سے میسر نہیں آسکتی۔ زیادہ سے زیادہ دولت اور مادی وسائل و ذرائع سمیٹنے سے نصیب نہیں ہو سکتی‘ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی ہوس نفس پرستی کے تحت محکوم اور غلام بنا لینے سے نہیں مل سکتی‘ بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دامن لطف و عافیت سے وابستہ ہو کر نصیب ہو سکتی ہے۔ بیشک بیقرار دلوں کو اسی کی یاد میں قرار ملتا ہے اور غم حیات کے ستائے ہوئے انسانوں کو اسی سے لو لگانے میں سکون ملتا ہے۔

Marfat.com

ذرا غور فرمائیے کہ دنیا میں کتنے انسان ایسے ہیں، جو تمام مالی آسائشوں اور رنگین سامانیوں کے باوجود سکون قلب سے محروم ہیں اور اسی دولت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اسی بنا پر وہ آئے دن متعدد امراض کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس، وہ خوش نصیب جنھوں نے تمام مادی دولتوں کے عوض ایک روحانی دولت یادالٰہی کی صورت میں پالی ہے۔ کس قدر مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کے مصداق ہر پریشانی سے محفوظ ہیں۔ یاد حق سے شغف وانہماک کتنی لذت، سکون، طمانیت اور کیف وسرور عطا کرتا ہے۔ اس کا اندازہ تو اسی کو ہو سکتا ہے، جس نے شب کی تاریکیوں میں محبوب حقیقی کی خاطر اپنا پہلو بستر سے جدا رکھا ہو، جس نے نصف شب اور آخر شب عشق الٰہی میں بسمل کی طرح تڑپنے کا مزہ چکھا ہو، جس نے راتوں کی خلوت کو محبوب کی یاد اور اس کے ذکر وفکر سے جلوت میں بدل کے دیکھا ہو۔ جس نے اسے منانے کے لئے رو رو کر اپنا دامن آنسوؤں سے بھگویا ہو اور جس نے عشق کی آگ کو سرد آہوں سے بجھانا سیکھا ہو اسی کو اس سکون اور لذت کی خبر بھی ہو سکتی ہے اور قدر بھی۔ جس پر کیفیات کبھی بیتی ہی نہ ہوں، اسے ایسے احوال کی کیا خبر۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص نہایت خوش ذائقہ پھل کھا کر اس کی وہ لذت اور شیرینی جو اسے کھانے میں محسوس ہوئی تھی ایسے شخص کو سمجھانے لگے جس نے کبھی وہ پھل چکھا تک نہ ہو۔ آخر یہ کیونکر ممکن ہو گا۔ وہ شخص یقیناً اس لذت کو سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ جب تک کہ وہ خود اس پھل کو نہ کھالے۔ لہذا اس سکون کو جو اللہ کی ذات سے لو لگانے میں میسر آتا ہے خود لو لگا کر محسوس تو کیا جا سکتا ہے دلائل سے سمجھا نہیں جا سکتا۔ اسی سکون قلب کے حصول کے لئے تو اہل دل شب بھر یاد حق میں مشغول رہتے ہیں۔ جن کا ذکر قرآن یوں کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا ۝

(الفرقان، ۲۵:۶۴)

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ ریزی اور قیام (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیں ۝

Marfat.com

اور یہ وہ لوگ جو ساری رات اپنے رب کے لئے سجود و قیام میں گزار دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○ اور وہ پچھلی رات (اٹھ اٹھ کر) استغفار کرتے ہیں○ (الذاریات '۵۱:۱۸)

اس آیت میں اہل محبت کی دائمی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ محبوب کو منانے کے لئے ہمیشہ پچھلی رات آہ و بکا کرتے ہیں۔ اس سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہیں۔ اس کی یاد میں راتوں کی نیند اور سحر کا خمار انگیز وقت قربان کرتے ہیں۔ تب جا کر انھیں "من کی دولت" نصیب ہوتی ہے 'اقبالؒ نے بجا کہا ہے:

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

یہ سکون قلب یا من کی دولت ایسی دولت ہے جس پر نہ غربت اثر انداز ہوتی ہے نہ امارت 'نہ سفر 'نہ حضر 'نہ بیماری 'نہ صحت 'نہ کمزوری 'نہ طاقت 'اس سے باطن میں ایک الگ دنیا آباد ہوتی ہے۔ جس کی رونقوں میں انسان مگن رہتا ہے اور تمام دنیوی احوال اس کے لئے اضافی ہوتے ہیں اور اضافی کیفیات عاشق کی دنیا میں اپنا کوئی اثر نہیں رکھتیں۔ اقبالؒ نے دونوں کا موازنہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے۔

تری دنیا جہان مرغ و ماہی
مری دنیا فغان صبح گاہی
تری دنیا میں میں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی

۴) چوتھا مادہ اشتقاق ..... الولہ (عقل کا گم ہونا)

دوسرے اور چوتھے مادوں میں معنوی یکسانیت ہے۔ دوسرا مادہ اشتقاق الہ تھا۔

Marfat.com

جس کا معنی تحیر و درماندگی بیان کیا گیا ہے اور ولہ میں بھی یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ ان دونوں مادوں کے اعتبار سے لفظ الٰہ اور اللہ کا معنی یہ قرار پایا کہ وہ ذات جس کی جستجو میں عقل و خرد گم ہو جائیں۔

عقل ہمیشہ سے اسی حقیقت ابدی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ لیکن آج تک بالیقین اسے پا نہ سکی۔ فلسفہ کا آغاز بھی اسی حقیقت یعنی منظور کو جاننے کی کوشش سے ہوا تھا۔ چنانچہ فلسفہ اپنے دور عقلیت میں حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکا۔ عقلیت سے مراد فلاسفہ یونان کا یہ نقطہ نظر تھا کہ صرف عقل ہی ذریعۂ علمِ حقیقت ہے۔ اس سے محسوسات کے حقیقت ہونے کا انکار لازم آیا اور حقیقت کو صرف معقولات سے مختص کر دیا گیا۔ لیکن جو ذات عقل کے حیطۂ ادراک سے ماورا تھی' حقیقت قرار نہ پا سکی اور بالآخر فلاسفہ اس تصور علم سے تائب ہو گئے۔ اس کے بعد فلسفے کے دور حقیقت کا آغاز ہوا۔ جس میں صرف حواس کو ہی ذریعہ علم حقیقت مانا گیا۔ اس طرح محسوسات حقیقت قرار پا گئے اور معقولات کے حقیقت ہونے کا انکار ہو گیا۔ لیکن جو وجود حواس کے حیطہ ادراک سے ماورا تھا' حقیقت قرار نہ پا سکا۔ عقل حقیقت کی تلاش میں سرگرداں و پریشان پھرتی رہی۔ بالآخر ''تشکیک اور سوفسطائیت'' کی نذر ہو گئی۔ فلاسفہ اور عقلاء کے پاس عقل کو اس بھنور سے نکالنے کی کوئی تدبیر نہ تھی اور نہ حقیقت کو پانے کا کوئی حتمی لائحہ عمل تھا' چنانچہ انھوں نے اپنی تلاش و جستجو کا رخ ہی پھیر لیا۔ انھوں نے توجہ منظور (جسے دیکھا جا رہا ہو) کی بجائے ناظر (خود دیکھنے والا) کی طرف کر لی۔ اور عقل کی بجائے ''اسے'' تلاش کرنے کے ''اپنی'' ہی تلاش میں مگن کر لیا۔ فلاسفہ کے اندازِ فکر اور سمت و جستجو میں یہ تبدیلی دراصل اس حقیقت کا اعلان تھا کہ ''عقل حقیقت ابدی کو نہیں پا سکتی'' عقل کے سفر میں اتنے مراحل اس لیے آئے کہ وہ اقدام وخطا (Trial and Error) کے طریق پر گامزن تھی۔ اگر وہ شروع سے آستانِ مذہب پر سرِ تسلیم خم کر لیتی تو اسے اتنے جتن نہ کرنے پڑتے۔ کیونکہ مذہب تو اس حقیقت کو اللہ کا

Marfat.com

نام دے کر پہلے دن سے یہ پکار رہا تھا کہ اس ذات کا ادراک حواس و عقل کی پرواز سے بلند ہے۔ اگر عقل اس کی تلاش میں نکلے گی تو خود گم ہو جائے گی۔ عقل کو بالآخر اعلان الوہیت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اب عقل کا خود ناظر کی تلاش میں مصروف ہو جانا دراصل "معرفت نفس" کی سعی ہے اور یہ سعی "ذریعہ وجدان" کے بغیر ممکن نہیں۔ تلاش کے لئے دو تو عالم تھے۔ عالم آفاق اور عالم انفس جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

سَنُرِیۡهِمۡ اٰیٰتِنَا فِی الۡاٰفَاقِ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ۔ — ہم تمھیں اپنی نشانیاں انفس و آفاق کے دونوں عالموں میں دکھادیں گے۔

(حم سجدہ، ۴۱:۵۳)

عالم آفاق میں حواس اور عقل کی کاوشیں کارگر ہو سکتی تھیں وہ اپنی جدوجہد کر چکیں۔ انہیں حقیقت کا سراغ بھی ملا لیکن اسے پانہ سکیں، مگر عالم انفس میں معرفت نفس کی کاوش میں حواس اور عقل سے کہیں زیادہ وجدان کی ضرورت ہے۔ اس نہج پر بھی حقیقت کا احاطہ تو ممکن نہیں لیکن اس کی کچھ نہ کچھ معرفت ضرور حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کے ارشاد سے ظاہر ہے۔ اقبالؒ تلاشِ حقیقت کے لیے صحیح سمت کی نشاندہی اس طرح کرتا ہے۔

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی
کہ او پیدا ست تو زیر نقابی
تلاش اوکنی جز خود نہ بینی
تلاش خود کنی جز او نیابی

چنانچہ لفظ اللہ جس واجب الوجود کی ذات والا صفات پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی براہ راست معرفت عقل انسانی کے بس میں نہیں بلکہ یہ اس کے مظاہر سے ممکن ہے اور حقیقت انسانی خود اس ہستی مطلق کی سب سے کامل مظہر ہے۔ اس لئے اقبالؒ ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

Marfat.com

اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز
اگر زیری زخود گیری زبر شو
خدا خواہی بخود نزدیک تر شو

اسی تصور کو ایک اور انداز میں یوں واضح کیا گیا ہے۔

چیست دیں؟ در یافتن اسرار خویش
زندگی مرگ است بے دیدار خویش
بر مقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

معرفت ذات حق کی راہ پانا عقل سے نہیں ذوق و وجدان سے ممکن ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

عقل تو خود ہی اس راہ میں دم بخود ہے اور اس حقیقت کی تلاش میں عقل مادی کا سہارا لینے والے بھی گم گشتہ راہ ہیں۔ عقل کی بے سروسامانی اور عشق کی شناسائی منزل راہ نوردوں کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے

بیا کہ عشق مسلمان و عقل زناری

(۵) پانچواں مادہ اشتقاق...... لاہ (بلندی وارتفاع)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ الٰہ اور اللہ کا مشتق منہ 'لاہ' ہے۔ جس کا معنی "بلند ہونا" ہے۔ چنانچہ اس لفظ کی معنوی دلالت یہ ہوئی کہ وہ ذات جو ہر عجز اور کمزوری سے بلند ہو، جو ہر نقص اور حرمان سے بلند ہو۔ جو ہر عیب و خطا سے بلند ہو۔ جو ہر ضرورت واحتیاج سے بلند ہو۔ جو ہر مناسبت و مماثلت سے بلند ہو۔ جو ہر ایک کے کفر و شرک سے بلند ہو۔ جو انسانوں کے ظلم و معصیت سے بلند ہو جو انسانی وہم و گمان سے بلند ہو۔ جو ممکنات و محدثات

Marfat.com

سے بلند ہو۔ جو ہر مخلوق کی قوت ادراک سے بلند ہو۔ اور جو ہر ایک کی طاقت توصیف سے بھی بلند ہو' اسی لئے ارشاد فرمایا گیا۔

سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَO (الانعام' ۶:۱۰۱)

وہ ان (تمام باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے جو یہ (اس سے متعلق) کرتے پھرتے ہیںO

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَO (الصافات' ۳۷:۱۸۰)

تیرا رب جو عزت والا رب ہے ان کی باتوں سے پاک اور بلند ہےO

امام رازیؒ باری تعالیٰ کی مطلق بلندی و برتری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الواجب لذاته ليس الا هو' والكامل لذاته ليس الا هو' والاحد الحق فى هويته ليس الا هو' والموجد لكل ماسواه ليس الا هو (التفسیر الکبیر)

ارتفاع عام طور پر ایک اضافی امر تصور کیا جاتا ہے' جس کا تعلق مکان سے ہوتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات مکان اور اضافت مکانی سے بھی بلند و بالا ہے۔ اس لئے اس عالم کو جہاں اس کے انوار ذات کا جلوہ عیاں ہے۔ اصطلاح میں عالم لامکان کہتے ہیں۔ لامکاں کو عالم کہنا بھی مجاز ہے ورنہ اس کی ذات اس سے بھی بلند ہے کیونکہ اس کا ارشاد تو یہ ہے۔

انا مكون المكان وليس لى مكان سوى الانسان۔ (الرسالۃ غوث اعظمؒ)

میں مکان کو پیدا کرنے والا ہوں اور سوائے انسان کے میرا کوئی مکان نہیں ہے۔

اس کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا۔

لايسعنى ارضى و لاسمائى و لكن

مجھے زمین اور آسمان کی وسعتیں اپنے اندر

Marfat.com

يسعنى قلب عبدى المومن (الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ، ۱۳۹)

نہیں سمو سکتیں لیکن میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماجاتا ہوں۔

اس لئے وہ ذات مکان اور سمت و جہت کے تعینات کے بغیر ہر شے سے بلند ہے۔ لیکن اس کی بلندی کائنات کی تمام جہتوں میں اس کے ظہور کو بھی مانع نہیں ہے۔ بناء بریں ارشاد قرآنی ہے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (البقرہ، ۲:۱۱۵)

پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)۔

(٦) چھٹا مادہ اشتقاق......"لاہ یلوہ" (مخفی ہونا)

اس اعتبار سے الٰہ اور اللہ کا اطلاق اس ذات اقدس پر ہوتا ہے جو ہر آنکھ سے پنہاں ہے، قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌO (الحدید، ۵۷:۳)

وہی اول ہے وہی آخر، وہی عیاں ہے وہی نہاں اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہےO

گویا وہی ذات عیاں بھی ہے اور نہاں بھی۔ ظہور و احتجاب (اجاگر ہونا اور مخفی ہونا) دونوں شانوں کا بیک وقت ایک ہی ذات میں موجود ہونا اس طرح ممکن ہے کہ

(۱) صفات سے عیاں ذات سے نہاں

وہ جلوہ حسن اپنی صفات کے اعتبار سے عیاں ہو مگر ذات کے اعتبار سے نہاں، گویا کائنات میں ہر سو اس کی صفات و کمالات ربوبیت کا جلوہ ظہور پذیر ہو۔ اس کی بے پایاں رحمتیں اور نشانیاں اظہر من الشمس ہوں جو قدم قدم پر انسان کو اس کے ہونے کا یقین دلا رہی ہوں۔ لیکن جب انسان اس کی ذات کا بے حجاب دیدار کرنا چاہے تو وہ مستور و محجوب

Marfat.com

رہے۔ یعنی اس کی صفات ظاہر ہوں اور ذات باطن جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔

نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(الانعام‘ ۶: ۱۰۳)

(۲) شدتِ ظہور کے باعث آنکھوں سے نہاں

احتجاج ظہور و بطون کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ذات اس قدر ظاہر ہو کہ دکھائی نہ دے سکے گویا وہ شدت ظہور کی بناء پر آنکھوں سے مخفی رہے۔ اس ضمن میں امام رازی فرماتے ہیں۔

قال بعض المحققين: سبحان من احتجب عن العقول بشدة ظهوره واختفى عنها بكمال نوره۔

(تفسیر کبیر)

بعض محققین کہتے ہیں پاک ہے وہ ذات جو اپنی شدت ظہور کے باعث عقلوں سے محجوب ہے اور کمال نور کے باعث ان سے مخفی ہے۔

جیسے سخت گرمی کے موسم میں عین نصف النہار کے وقت سورج کو اس کی شدتِ ظہور کے سبب سے براہ راست دیکھا نہیں جا سکتا۔ اس طرح وہ عیاں ہو کر بھی نہاں رہتا ہے لیکن آفتاب کو اس نور حق کے ظہور تام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جس کا بیان اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ کے لفظوں میں کیا گیا ہو اور وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا کا اعلان جسکی جلوہ تابانیوں پر دلالت کرتا ہو۔ چنانچہ وہ ذات اپنے نور ذاتی اور نور صفاتی کے ساتھ اس قدر ظاہر‘ عیاں اور تاباں ہے کہ کوئی آنکھ اس کے جلوے کی تاب نہیں رکھتی۔ اس لئے وہ ظاہر ہو کر بھی مخفی رہتی ہے۔

(۳) انتہاء قرب کے باعث نظروں سے نہاں

ذات باری کے مخفی ہونے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ اس قدر قریب ہے کہ قابل

Marfat.com

ادراک نہیں۔ کسی چیز کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ درمیان میں مناسب فاصلہ ہو۔ اگر ناظر و منظور دونوں میں اتنا قرب ہو کہ نقطہ بھر بھی فاصلہ اور دوری باقی نہ رہے تو منظور مخفی ہی رہتا ہے اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ جیسے پتلی آنکھ کے اندر ہو کر بھی آنکھ سے مخفی ہے۔ اسی طرح ذات حق انسان کے باطن میں سما کر بھی اس سے مخفی رہتی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ۔

اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں۔ (البقرہ ۲:۱۸۶)

ایک اور مقام پر اس قرب کی نوعیت بھی بیان کی گئی ہے۔

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِO

اور ہم اس سے دل کی رگ سے بھی زیادہ قریب ہیںO (ق ۵۰:۱۶)

اس آیت میں بھی قرب کو مبالغے کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن قرب کی حد متعین نہیں کی گئی جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ذات اپنے بندے سے اتنی قریب ہے کہ اس کا اندازہ بھی ممکن نہیں۔ گویا ذات حق سارے جہان اور اہل جہان کی جان ہے اس لئے بدن اسے دیکھنے سے قاصر ہیں، بقول شخصے

حق جان جہان است وجہاں جملہ بدن
توحید ہمیں است دگر حیلہ و فن

حضرت رومیؒ جان و تن کے قرب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سر من از نالہ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست
تن ز جان و جاں زتن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

Marfat.com

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں۔

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست
مرز با نرا مشتری چوں گوش نیست

حقیقت یہی ہے کہ قرب الٰہی کا یہ ہوش پوری دنیا و مافیہا سے بے ہوش ہوئے بغیر نصیب نہیں ہو سکتا۔

چوں ایں جا بے خودی می آورد ہوش
عبارت را اشارت گفت خاموش

(۴) خود مخفی مگر اپنی تصرف قدرت کو ظاہر کرنے والی ذات

ذات حق کے ظاہر اور باطن ہونے کا معنی یہ بھی ہے کہ وہ ذات خود مخفی ہے، لیکن ہر شے میں اپنی قدرت کو ظاہر کرنے والی ہے۔ اس کی مثال روح کی سی ہے، جو خود مخفی رہتی ہے مگر اپنے تصرفات کو جسم کے ذریعے ظاہر کرتی ہے۔ جسم در حقیقت مردہ و بے جان ہوتا ہے لیکن روح کا محکوم۔ لوگوں کی نظر میں جسم کی حرکات عیاں ہوتی ہیں اور وہ روح جو اصل محرک ہے، نہاں ہوتی ہے۔ گویا روح کی حیثیت "ہست نیست نما" کی ہوتی ہے کہ خود حقیقت میں متصرف ہے لہذا "ہست" ہے اور حرکت جسم جو اصلاً نیست تھی روح کی وجہ سے ہست نظر آنے لگی۔ اسی طرح گرد باد میں ہوا اصل محرک ہوتی ہے لیکن خاکی ذرات تیز رفتاری کے ساتھ گول چکر میں متحرک دکھائی دیتے ہیں۔ ہوا مخفی اور محجوب رہتی ہے اور ذرات ظاہر و عیاں۔ لوگوں کی نگاہیں ذرات کی حرکت پر پڑتی ہیں لیکن ہر ہر ذرے کے پیچھے کار فرما قوت نظر نہیں آتی۔ در حقیقت ہست تو وہ صاف ہوا تھی جس نے تحریک کے ذریعے ذرات خاک کی حرکت کو نیست سے ہست بنا دیا۔ اس طرح وہ قادر مطلق جو قیوم عالم ہے وہی ہست ہے لیکن نیست نما ہے جس نے اپنے تصرف سے موجودات عالم کو متحرک بنا دیا ہے وہ خود تو مخفی ہے لیکن اس کا تصرف کائنات کے ذرے ذرے میں ظاہر و باہر ہے۔ ورنہ

Marfat.com

اس کے بغیر ہر چیز نیست و معدوم تھی۔اس قرآنی ارشاد کا یہی معنی ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ سوائے اس کے ہر ہست 'نیست ہے۔

(القصص '۲۸:۸۸)

چونکہ ہر شے اسی کی ہستی سے قائم ہے اس لئے ارشاد فرمایا گیا۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

(الحدید '۵۷:۴)

لہذا اللہ کا لفظ ان معنوں میں اس ذات کے مخفی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) ساتواں مادہ اشتقاق...... الہ (جھکنا'راغب ہونا اور رجوع کرنا)

اس اعتبار سے الہ کا معنی ہوا جس کی طرف جھکا جائے اور رجوع کیا جائے۔اور اللہ کا معنی لام تعریف کے باعث یہ طے پایا کہ وہی ایک ذات ہے جس کی طرف جھکنا'راغب ہونا اور رجوع کرنا فطری اور لابدی امر ہے گویا "اللہ" کے کلمات اس حقیقت کا کھلا اعلان کر رہے ہیں کہ اے انسان تو چاہے جتنا سرکش و باغی بن جا۔اپنے رب کی اطاعت و غلامی سے جتنا بھی منہ موڑ لے۔سرکش و باغی شخص بھی بالآخر اسی کی طرف جھکتا ہے'اس کی ذات سے دل کا علاقہ جس قدر چاہے'منقطع کرلے'لیکن جب بھی تجھ پر آفت و مصیبت کی گھڑی آئے گی ساری دنیا کے اسباب و ذرائع سے تو کلیۃً مایوس ہو جائے گا اور کسی چیز پر بھی تیری کوئی امید باقی نہ رہے گی تو اس وقت تیرا دل عاجزی اور شکستگی کے ساتھ بے اختیار ذات باری تعالیٰ کی طرف جھک جائے گا'تو اسے والہانہ رغبت اور رجوع کے ساتھ پکار اٹھے گا کہ اے اللہ مجھے بچالے اور میرے حال پر رحم فرما'تیرے لاشعور کی یہ دبی ہوئی آواز بلند ہو جائے گی۔جب سب امیدیں ٹوٹ جائیں اور صرف ایک ہی امید باقی رہ جائے تو وہ امید "اللہ تعالیٰ" کی ذات رحیم و کریم کی ہوتی ہے اس وقت ہر انسان خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔موحد ہو مشرک'مومن ہو یا کافر ملحد بلا استثناء اسی ذات کو پکارتا ہے اور دل اس کے سوا کسی اور جانب جھکنے کو

Marfat.com

تیار نہیں ہوتا۔ یہ طبعی و فطری حقیقت ہر صورت میں رونما ہو کر رہتی ہے۔ خواہ بندہ اسے کوئی بھی نام دے دے۔ اس ہستی کو خدا کہے یا کوئی اور ماورائی طاقت لیکن اس کا دل کسی عظیم ہستی کے تصور سے پسیجتا ضرور ہے۔ بس یہی ذات وحدہ لاشریک ہے اور اسی کا نام ''اللہ'' ہے۔

لفظ اللہ کا معنی اور لفظ انسان کا معنی

مزید برآں جب ''اللہ'' کے لفظ میں اس کی طرف راغب ہونے کا معنی موجود ہے تو اس کے بالمقابل انسان ہی سب سے زیادہ مستحق ہستی ہے جو اس کی طرف سب سے بڑھ کر راغب اور مانوس ہو۔ کیونکہ لفظ ''انسان'' بھی اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ ''انسان'' کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ''انس'' سے ماخوذ ہے اور دوسرے یہ کہ ''نسیان'' سے۔ پہلے مادے کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا ''مانوس ہونے والا'' جب کہ دوسرے مادے کے اعتبار سے اس کا معنی ہوا ''بھولنے والا۔'' ان دونوں معنوں میں کوئی تضاد ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ انس سبب ہے اور نسیان اس کا نتیجہ۔ جب انسان کسی سے مانوس ہوتا ہے اور محبت کرنے لگتا ہے تو رفتہ رفتہ وہ محبوب کے ماسوا کو بھولتا جاتا ہے' جب انس و محبت کمال کو پہنچتے ہیں تو وہ محبوب کے علاوہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے اپنی بھی ہوش اور خبر باقی نہیں رہتی۔

ذاکر ہمہ ذکر و ذکر مذکور شود

گویا یہی نسیان اس کے انس کے کامل ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔ اب ایک طرف اللہ جلوہ حسن کے طور پر موجود ہے اور دوسری طرف ''انسان'' اس کی جانب راغب اور مانوس ہونے کے لئے۔ چنانچہ وہ ذات جس کیطرف محبت کرنے والے دل جھکتے اور راغب ہوتے ہیں ذات باری ہے۔ اور جو افراد اس حسن ازل کی محبت میں گرفتار ہیں ''کامل انسان'' ہیں یہی پیغام محبت لفظ اللہ کے ذریعے بنی نوع انسان کو دیا جارہا ہے کہ اے افراد نوع

Marfat.com

انسانی! زوال پذیر حسن کے جلووں سے دل لگانے کی بجائے اس لازوال حسن کے گرویدہ ہو جاؤ۔ اسی کی طرف لپکو اور اسی کو اپنا منتہائے مقصود سمجھو کیونکہ اس کی محبت میں جو موت آئے گی وہ حیات ابدی کا پیش خیمہ ہو گی۔

(۸) آٹھواں مادہ اشتقاق......الہ (پناہ دینا)

اس مادے کے اعتبار سے لفظ "اللہ" اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہی وہ ذات ہے جو ہر ایک کو پناہ دینے والی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔ (المومنون، ۲۳:۸۸)

اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی۔

پناہ دینا مصیبت زدہ افراد کے لئے سب سے بڑی نعمت اور عطا ہے۔ انسان اپنی زندگی میں جتنی بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہیں، وہ فی الحقیقت انسان کا اپنا کسب نہیں ہیں۔ آنکھوں کی بصارت ہو یا کانوں کی سماعت، زبان کا ذائقہ ہو یا ہاتھ پاؤں کی حرکت۔ دماغ کی فکری قوت ہو یا طبعی و نفسانی لذات۔ الغرض حیات دنیوی کی تمام نعمتیں اگر اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے تو پیدائش سے لے کر تا دم مرگ انسان کسی وقت بھی ان کے حصول پر قادر نہیں ہو سکتا۔ جب خود زندگی بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دین ہے تو اس کے لوازمات و انعامات اس کی عطا کیوں نہ ہوں، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ (النحل، ۱۶:۵۳)

اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ (الانعام، ۶:۱۴)

اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (خود اسے) کھلایا نہیں جاتا۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ۔ آپ فرما دیں (حقیقتاً) سب کچھ اللہ کی طرف سے (ہوتا) ہے۔ (النساء، ۴:۷۸)

چنانچہ لفظ "اللہ" کی معنوی افادیت یہ ہوئی کہ وہ ذات جو سب کچھ عطا کرے لیکن خود کچھ نہ لے۔ اسی لئے وہ خود کو الصمد (بے نیاز) کہتا ہے۔ یہاں یہ گمان نہیں ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے عبادت کا طلب گار ہے۔ نہیں نہیں۔ عبادت اس کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجرت، بلکہ عبادت دراصل خشوع و خضوع، تذلل انکساری اور عاجزی کی انتہائی صورت کا نام ہے۔ اس لئے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسان کو سائل بننے کا سلیقہ سکھاتے ہیں، تاکہ اس کی بارگاہ صمدیت سے کچھ مانگنے کا ڈھنگ آجائے اور وہ ذات اپنے بندے کی عاجزی دیکھ کر اسے مزید لطف و کرم سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ کا علی الاطلاق مجیر و معطی ہونا اس حدیث صحیح سے کتنا واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔ بے شک تقسیم میں ہی کرتا ہوں لیکن عطا اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب النہی عن المسئالۃ، رقم حدیث: ۱۰۳۷)

گویا انبیاء کرام بھی روئے زمین پر باری تعالیٰ ہی کی نعمتوں اور عطاؤں کو تقسیم کرنے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ متذکرہ بالا تمام معانی کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ذات باری تعالیٰ کی کامل دلالت کے لئے اللہ سے بہتر کوئی اور نام نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے تسمیہ میں اسی نام سے آغاز کیا گیا۔

Marfat.com

باب ۵

اَلرَّحمٰن الرَّحِیم
کے تفسیری معارف

Marfat.com

تسمیہ میں ذات باری تعالیٰ کا ذکر اولاً لفظ اللہ سے کیا گیا ہے اور اس کے بعد اسی اسم ذات کو مزید دو صفات "الرحمٰن الرحیم" سے متصف کر دیا گیا ہے۔ جس سے آیت تسمیہ کا معنی یہ قرار پایا۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ اب ان دو صفات باری کا معنی و مفہوم پیش خدمت ہے۔

الرحمٰن کے لغوی اور اصطلاحی معانی

یہ دونوں اسم 'مبالغے کے صیغے پر "رحمت" سے مشتق ہیں۔ لیکن "رحمٰن" "فُعلان" کے وزن پر زیادہ مبالغے کا معنی دیتا ہے۔ عربی قواعد کی رو سے "فُعلان" ایسا اسم مصدر ہے جس میں فعل کی انتہائی کثرت اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جو اسماء اس وزن پر ہوں گے ان میں معنویت، انتہائی کثرت، فراوانی اور مبالغے کے ساتھ موجود ہوگی۔ یعنی ان کے مادوں کا مفہوم ان اسماء میں نہایت شدت اور زیادتی کے ساتھ پایا جائے گا۔ مثلاً فُرقانٌ اس میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کی صفت اپنے منتہائے کمال پر موجود ہے۔ یہ قرآن کا نام ہے اس لئے کہ قرآن سے بڑھ کر اور کوئی کتاب حق و باطل میں واضح فرق پیدا نہیں کر سکتی۔ قُربانٌ اس میں قرب کا معنی انتہائی افراط کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا۔ نُدمانٌ اس میں نادم اور شرمندہ ہونے کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن اسم میں یہ صفت اس قدر شدت کے ساتھ موجود ہے کہ کوئی اور لفظ اس سے زیادہ معنی ندامت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح غَضبانٌ ہے اس میں بھی غیض و غضب کا معنی انتہائی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ اس اسم سے بڑھ کر غضبناک

Marfat.com

ہونے کا مفہوم کوئی اور وزن ادا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ الرحمٰن بھی اسی وزن پر "رحم" سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی صاف طور پر یہ متعین ہوا کہ "انتہائی مہربانی فرمانے والا۔" گویا لفظ رحمٰن میں صفت رحمت کی اتنی کثرت، فراوانی اور غایت و نہایت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی اور کا رحیم ہونا متصور ہی نہیں ہو سکتا۔

الرحمٰن کی اسمی خصوصیت

صفت رحمت تو مخلوقات میں سے بھی لاکھوں افراد میں موجود ہے۔ لیکن یہ لفظ رحمٰن کی تکثیری خصوصیت ہے کہ یہ صرف ذات باری تعالیٰ کا خاصہ بن گیا ہے۔ رحم اور رحمت کے دیگر مشتقات کا اطلاق دوسرے افراد پر ہو سکتا ہے مگر رحمٰن اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں کہا جا سکتا۔ گویا یہ ذات حق کا علم خاص تصور ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں "اللہ" کے ساتھ متصلاً رحمٰن کا لفظ استعمال کر کے اس کی صفت رحمت کو بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے الرحمٰن کو اصطلاحاً باری تعالیٰ کی شان الوہیت کو نمایاں کرنے کے لئے بھی استعمال کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔

فرما دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو جس نام سے بھی پکارتے ہو (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔

(بنی اسرائیل، ۱۷:۱۱۰)

اس آیت میں تعلیم یہ دی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں۔ سو جس نام سے چاہو اسے پکار لو لیکن اسم ذات "اللہ" کا جو مترادف قرآن نے خود بیان کیا ہے وہ "الرحمٰن" ہے۔ جس سے اس لفظ کی اسمی خصوصیت اجاگر ہوتی ہے۔

اسی طرح صرف سورہ مریم میں ہی کم و بیش سترہ (۱۷) مرتبہ "الرحمٰن" کا لفظ باری تعالیٰ کی الوہیت، خلاقیت اور ربوبیت کے اظہار کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا

Marfat.com

ہے۔

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا o وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًاo اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاo

(مریم ۱۹: ۹۱۔ ۹۳)

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں (خواہ فرشتے ہیں یا جن وانس) وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْo

(طٰہٰ ۲۰: ۹۰)

حالانکہ بے شک تمہارا رب (یہ نہیں وہی) رحمان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کروo

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًاo وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًاo

(الفرقان ۲۵: ۵۹۔ ۶۰)

پھر وہ (حسب شان) عرش پر جلوہ افروز ہوا (وہ) رحمان ہے (اے معرفت حق کے طالب) تو اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ (بے خبر اس کا حل نہیں جانتے)o اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ (منکرین حق) کہتے ہیں کہ رحمان کیا (چیز) ہے کیا ہم اسی کو سجدہ کرنے لگ جائیں جسکا آپ ہمیں حکم دیدیں اور اس (حکم) نے انہیں نفرت میں اور بڑھادیا۔

Marfat.com

ان آیات میں الرحمٰن کا ذکر کتنے پیارے اور وجد انگیز انداز میں کیا گیا ہے۔ "اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا" کے الفاظ میں لفظ رحمٰن کی کتنی معنوی وسعت ہے اور اس کی معرفت کی خصوصیت پنہاں ہے۔ اسے اہل ذوق ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کی شان رحمانیت' عام لوگوں کو کیا معلوم ہو گی۔ اس کا اندازہ تو انھیں کو ہے جو شرابِ معرفت کا جام پی کر ماسوا سے بے خبر اور عرش معلی پر چمکنے والے نور ازل سے باخبر ہیں اور اسی کے حسن مطلق کے جلوے دیکھنے میں مست و بے خود ہیں۔ اگر تھوڑی سی بھی توجہ کی جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ جابجا "الرحمٰن" کا لفظ باری تعالیٰ کے اسم ذات کے بدل کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت یہ ذات حق کا صفاتی نام ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ٥ — کیا ہم نے رحمٰن کے سوا کچھ اور خدا ٹھہرائے تھے جن کی عبادت کی جائے٥

(الزخرف' ۴۳:۴۵)

متذکرہ بالا آیات کی روشنی میں یہ امر طے پا گیا کہ الرحمٰن صفاتی نام ہونے کے باوجود ذات باری تعالیٰ کے بیان کے لئے اس قدر مخصوص و منفرد ہو گیا ہے کہ اس کا اطلاق کسی اور کے لئے جائز نہیں رہا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے کئی صفاتی اسماء ایسے ہیں' جو مخلوقات کے لئے بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً رحیم' کریم' رؤف' شہید' سمیع' بصیر وغیرھا لیکن خالق و مخلوق ہر ایک کے لئے ان کا استعمال ان کی حیثیت اور شان کے مطابق ہو گا۔ اسم رحمٰن کا خاصہ الٰہی ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس میں صفت رحمت جتنی کثرت' نہایت اور مبالغے کے ساتھ موجود ہے۔ وہ صرف خالق کائنات ہی کا حصہ ہو سکتی ہے۔ کسی مخلوق کے حق میں متصور نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

الرحیم کے لغوی اور اصطلاحی معنی

الرحمٰن کے بعد دوسرا اسم صفت الرحیم ہے۔ اس کا معنی بھی "بہت رحم فرمانے والا" ہے۔ یہ "رحمت" سے "فَعِیْلٌ" کے وزن پر اسم فاعل ہے اور اس میں بھی معنوی مبالغے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مستزاد یہ کہ الرحیم 'صفت مشبہ ہے۔ اس میں صفت رحم کے اعتبار سے ہیشگی اور دوام واستمرار کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ الرحیم اصطلاحی اعتبار سے الرحمٰن کے مقابلے میں عام ہے۔ اس کا استعمال غیر خدا کے لئے بھی جائز ہے۔ قرآن حکیم میں اس کے استعمال کی چند صورتیں ملاحظہ ہوں۔:

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُO (البقرہ‘۲:۵۴)	یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہےO
اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌO (البقرہ‘۲:۱۴۳)	بے شک اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےO
اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (البقرہ‘۲:۲۱۸)	یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےO

اسی طرح کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمت کا بیان "الرحیم" کے ذریعے کیا ہے۔ لیکن یہی لفظ جناب رحمۃ للعالمین ﷺ کی شان بیان کرنے کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

صفات کا اشتراک اور اختصاص

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی بعض صفات کو انبیاء اور دیگر مخلوقات کے لئے بھی ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے۔

Marfat.com

رؤف ور حیم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○

(التوبہ ۹: ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام رؤف اور رحیم نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کی توصیف میں بیان ہوئے ہیں۔ جب کہ لفظ رحمٰن کے لئے ایسا ممکن نہیں، حالانکہ تینوں صفات الٰہیہ ہیں اور ان کا معنی بھی ایک ہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو صفات الٰہیہ میں سے ہر ایک صفت کا اثبات مخلوق کے لئے جائز ہے اور نہ ایک صفت کا عدم اثبات۔ مختلف صفات کا معاملہ مختلف ہے۔ بعض صفات الٰہیہ ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عام مخلوق سے بھی بعض کے لئے ثابت کی ہیں۔ اس امر کی مزید تائید ملاحظہ ہو۔

سمیع و بصیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا○

(الدھر ۷۶: ۲)

بیشک ہم نے آدمی کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا کہ اسے جانچیں۔ پس اسے ہم نے سننے والا، دیکھنے والا بنادیا○

یہاں قرآن نے انسان کا "سمیع و بصیر" کی صفات سے بہرہ ور ہونا بیان کیا ہے

Marfat.com

حالانکہ یہی صفات جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد الٰہی ملاحظہ ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًاo	بے شک اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے
(النساء ۴: ۵۸)	والا ہےo

شہید

قرآن حکیم میں آنحضرت ﷺ کے لئے یہ صفات نمایاں طور پر بیان کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔	اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول تم پر گواہ ہو۔
(البقرہ ۲: ۱۴۳)	

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَابِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًاo	پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گےo
(النساء ۴: ۴۱)	

لیکن یہی صفتِ شہید جگہ جگہ باری تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوئی ہے۔

فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا۔	پس اللہ ہی گواہ کافی ہے۔
(یونس ۱۰: ۲۹)	

اسی طرح حیات، علم، کلام، ارادہ، جمال، جود و سخا، عطا و غنا، ملک و حکمرانی، مدد و اعانت اور عدل و انتقام وغیرہا ایسی متعدد صفات ہیں جو قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ ذات باری اور مخلوقات دونوں کے لئے استعمال ہوئی ہیں۔ لیکن الوہیت، ربوبیت، معبودیت، رحمانیت اور مالکیت وغیرہا ایسی صفات ہیں جو صرف ذات باری سے ہی مختص ہیں۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ان کا ثبوت جائز نہیں۔ صفات الٰہیہ میں بعض کا اشتراک

Marfat.com

اور بعض کا اختصاص اس فرق کی بنیاد پر ہے کہ کچھ صفتیں "خاصے" کے درجے میں ہوتی ہیں اور کچھ محض صفات کے۔ محض صفت دوسروں کے لئے ثابت ہو سکتی ہے لیکن خاصہ نہیں۔ جس طرح نبوت تمام انبیاء کی مشترک صفت ہے۔ لیکن ختم نبوت صرف حضور علیہ السلام کا خاصہ ہے۔ وہ کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صفات باری تعالیٰ اپنی "اسمی حیثیت" کے اعتبار سے عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ رحمٰن خاص ہے اور رحیم عام۔ اس لئے اگر خاصہ الٰہی کو کسی اور ذات کے لئے ثابت کریں گے تو شرک واقع ہو گا۔ مگر صرف صفت الٰہی کو کسی اور کے لئے مانیں گے تو شرک تصور نہیں کیا جائے گا۔ ہاں یہ امتیاز ضرور ملحوظ رہنا چاہیے کہ اشتراک صفات کی صورت میں دونوں کے لئے صفات کا اثبات اپنی اپنی نوعیتوں کے اعتبار سے بالکل مختلف ہو گا۔ مثلاً وہی صفت جب خالق کے لئے ثابت ہو گی تو وہ ذاتی، ازلی وابدی، واجب وقدیم، غیر محدود لامتناہی اور اس کی شان خالقیت کے لائق ہو گی اور جب کسی مخلوق کے لئے ثابت ہو گی تو عطائی، عارضی، ممکن وحادث، محدود ومتناہی اور اس کی شان مخلوقیت کے لائق ہو گی۔ اس فرق ماہیت کے ہوتے ہوئے شرک کا شائبہ نہیں رہتا۔ خلاصہ بحث یہ ہوا کہ الرحمٰن خاصہ الٰہی ہے، باری تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رحمٰن نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ الرحیم محض صفت الٰہی ہے۔ اس کا اطلاق دوسروں کے لئے بھی جائز ہے۔

الرحمٰن اور الرحیم میں معنوی امتیاز

رحمٰن اور رحیم کے لغوی اور اصطلاحی معنی سمجھ لینے کے بعد اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں اسم مبالغے کے ساتھ حق کی نشاندہی کرتے ہیں تو ان کو الگ الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا دونوں اسماء مختلف مرادی معنوں پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے جداگانہ تشخص کو برقرار رکھا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ الرحمٰن اور الرحیم، ہر چند کہ ایک ہی مادے اور اصل سے ہیں لیکن ان کے معنوی اطلاقات جدا جدا ہیں اور دونوں کو اس لئے انفرادیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک کا مدعا ومفہوم علیحدہ علیحدہ

Marfat.com

ثابت ہو سکے۔ الرحمٰن اور الرحیم' میں معنوی امتیاز کی چند وجوہ ہیں جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

الرحمٰن............ رحمت حق کا صفتی ظہور

الرحیم............ رحمت حق کا فعلی ظہور

عربی قاعدے کی رو سے الرحمٰن "اسم فُعْلان" کے وزن پر واقع ہوا ہے۔ فعلان کا باب عام طور پر ایسی صفات کے لئے استعمال ہوتا ہے جو محض حالت کی حیثیت سے کسی ذات میں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً پیاسے کے لئے 'عَطْشَانِ' مست و بے خود کے لئے "سُکْرَانِ"" غضبناک شخص کے لئے "غَضْبَانِ"" پریشان و ششدر ہونے والے کے لئے "حیران"" بہنے والے مائع کے لئے "جریان" اور سرکشی و بغاوت کے لئے "طغیان"۔ الغرض یہ سب اسماء ایسی صفت کی نشاندہی کرتے ہیں جو باوجود کثرت و فراوانی کے ان کا بطور "حالت" واقع ہونا ظاہر کر رہی ہوں۔ یعنی عطشان سے کسی شخص کی حالت پیاس ظاہر ہو رہی ہے۔ سکران سے کسی کی مستی و بے خودی کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ غضبان سے کسی کے غیض و غضب کی حالت کا پتہ چل رہا ہے۔ "حیران" سے کسی کی سراسیمگی اجاگر ہو رہی ہے۔ "جریان" سے کسی مائع کا بہاؤ معلوم ہو رہا ہے اور "طغیان" سے کسی کی بغاوت و سرکشی کی حالت و کیفیت کا علم ہو رہا ہے۔ مختصر یہ کہ ہر اسم کسی نہ کسی ذات کی ایسی صفت پر دلالت کرتا ہے جو اس کی حالت سے عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح الرحمٰن غایت و نہایت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت پر اس انداز سے دلالت کرتا ہے کہ رحمت اس ذات کی حالت معلوم ہوتی ہے۔ یعنی رحمٰن وہ ذات ہے جو حالت رحمت سے متصف ہے۔ لیکن الرحیم فَعِیْلٌ کے وزن پر ہونے کی وجہ سے صرف حالت رحمت کو ہی نہیں بلکہ ذات حق سے فعل رحمت کے صدور کو نمایاں کو رہا ہے' کیونکہ فعیل کا باب بالعموم صفات کے فعلی ظہور کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "کریم" اسے کہا جاتا جس سے سخاوت اور جود و کرم کا صدور ہو رہا ہو'

Marfat.com

"علیم" اسے کہا جاتا ہے جس سے علم و معرفت کا فعلی ظہور ہو رہا ہو۔ "حکیم" اسے کہا جاتا ہے، جس کے ہر کام سے حکمت و دانائی کا صدور ہو رہا ہو۔ "عظیم" اسے کہا جاتا ہے جس سے عظمت و بزرگی کا صدور ہو رہا ہو۔ اسی طرح الرحیم کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ذات جس میں رحمت کا صرف صفتی ظہور ہی نہیں بلکہ فعلی ظہور بھی ہے۔ اس میں رحمت فراوانی کے ساتھ گویا الرحمٰن ذات حق کے رحمت ہونے کی دلیل تھا۔ الرحیم اس کے رحمت صادر کرنے کی دلیل بن گیا۔ "الرحمٰن" سے رحمت کا ظہور تھا۔ "الرحیم" سے رحمت کا صدور ثابت ہو گیا۔ چنانچہ دونوں اسماء کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ رحمانیت کے ذکر سے انسانوں کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ ذات والا صفات سراسر رحمت ہے اور رحیمیت کے ذکر سے یہ پتہ چل جائے کہ اس کا ہر کام بھی اول سے آخر تک رحمت ہے۔ رحمت حق کا صفتی ظہور قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے۔

وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ۔ اور آپ کا رب بے نیاز ہے (بڑی) رحمت والا ہے۔ (الانعام ۶: ۱۳۳)

اور رحمتِ حق کا فعلی ظہور اس آیت میں مذکور ہے۔

أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے ○ (التوبہ ۹: ۷۱)

پہلی آیت میں موصوفیت کا انداز ہے اور دوسری میں فاعلیت کا۔ پس الرحمٰن اور الرحیم میں یہی معنوی امتیاز کار فرما ہے۔

الرحمٰن .... عموم رحمت کا بیان

الرحیم .... خصوص رحمت کا بیان

رحمانیت کا فیضان اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے عام ہے اور رحیمیت کا خاص۔ الرحمٰن

Marfat.com

ایسی شان رحمت پر دلالت کرتا ہے جو موجودات عالم میں سے ہر ایک فرد کے لئے بلا استثنیٰ ثابت ہے اور الرحیم کی رحمت مومنوں کے لئے خاص ہے چونکہ الرحمٰن کا لفظ باری تعالیٰ نے اپنی شان خلاقیت و ربوبیت کے اظہار کے لئے اختیار فرمایا ہے اور اس کی خلاقیت و ربوبیت ساری کائنات کے افراد کے لئے عام ہے۔ کسی خاص طبقے، جنس و نوع اور گروہ کے لئے مخصوص نہیں۔ وہ ساری مخلوقات کا بلا استثنیٰ خالق و رب ہے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے اس کی بارگاہ الوہیت میں کوئی سر تسلیم خم کرے یا نہ کرے۔ کوئی اس کی اطاعت و غلامی اختیار کرے یا بغاوت و سرکشی، کوئی بزعم خویش اس کا بندہ بنے یا کسی اور کا، کوئی اس سے اپنی حاجت بیان کرے یا نہ کرے، کوئی اس سے رحمت طلب کرے یا نہ کرے، اس کی خالقیت و ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر حال میں ہر فرد کو اپنی رحمت سے نوازے، ہر شخص کو اپنی نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ ہر ایک کو روزی دے، ہر ایک کو بیماری سے شفا دے، ہر ایک کو تکلیف سے نجات دے اور ہر ایک کو ضروریات حیات عطا کرے۔ پس اس کی خالقیت کا تقاضائے رحمت اس کی شان رحمانیت سے پورا ہو رہا ہے۔ وہ چونکہ رحمٰن ہے اس لئے اس کے خوان رحمت اور خرمنِ نعمت سے ہر مسلم و کافر برابر حصہ پا رہا ہے۔ اس کی عطائیں انسان کی طرح نہیں کہ اگر نوازا جانے والا شخص اپنے محسن کی نوازشوں کا انکار کر دے اس کی عنایات و احسانات کو فراموش کر دے اور اس کی رضا و خوشنودی کی کھلی خلاف ورزی شروع کر دے تو محسن اپنی نوازشوں کا سلسلہ منقطع کر لیتا ہے۔ اور اپنی عنایات اس سے ہمیشہ کے لئے روک لیتا ہے۔ لیکن خالق کائنات کی شان رحمانیت اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔ روئے زمین پر کتنے انسان اس کی ہستی سے کھلا کفر کر رہے ہیں۔ اس کے وجود، اس کی توحید، اس کی الوہیت، اس کی خالقیت، اس کی ربوبیت اور اس کی رحمانیت کا برملا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس نے کسی سے اپنی رحمتوں کو روک لیا ہو اور کسی کو اپنی نوازشوں سے محروم کر دیا ہو۔ اس کی رحمت کی یہ عمومیت اس کے نام الرحمٰن سے جھلک رہی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰىo (طٰہٰ، ۲۰:۵)

(وہ) نہایت رحمت والا (ہے) جو عرش (یعنی جملہ نظامہائے کائنات کے اقتدار) پر متمکن ہو گیاo

یہاں استواء علی العرش کا بیان اس کی شان رحمانیت کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عرش ساری کائنات پر سایہ فگن ہے۔ اسی طرح الرحمٰن کے سرچشمہ رحمت سے ساری کائنات سیراب ہو رہی ہے، لیکن جو لوگ عام افراد سے ہٹ کر اپنے آقا کی خصوصی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ ہمہ وقت اس کی یاد اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے شب و روز اسی کی رضا کے مطابق بسر کرتے ہیں۔ ضروری تھا کہ ان کے لئے باری تعالیٰ کی رحمت مطلقہ میں سے خصوصی حصہ مقرر ہو اور وہ اپنے نیک اعمال کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ رحمت الٰہی سے نوازے جائیں۔ پس ان مومنین و متقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رحیمیت کو مخصوص کر دیا۔ اسی وجہ سے الرحیم، الرحمٰن کے مقابلے میں بالالتزام اہل ایمان اور صالحین کو رحمت سے نوازنے کی صفت کو ظاہر کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًاo (الاحزاب، ۳۳:۴۳)

اور وہ مومنوں کے لئے رحیم ہے۔

الرحمٰن .... تمام انواعِ رحمت کو شامل ہے

الرحیم .... قبولِ توبہ اور مغفرت کو شامل ہے

الرحمٰن کے اسم سے جس رحمت کا ظہور ہو رہا ہے وہ اپنی نوعیت و ماہیت کے اعتبار سے عام ہے۔ یعنی رحمت کی جتنی صورتیں اور مدارج و مراحل ہو سکتے تھے وہ سب رحمانیت کے دائرے میں شامل ہیں۔ مگر الرحیم سے رحمت حق کا جو پہلو نمایاں ہوتا ہے وہ بالخصوص توبہ و مغفرت سے متعلق ہے۔ رحمت درحقیقت اس کائنات کی ضرورت ہے۔ موجودات

Marfat.com

عالم کا ایک ایک ذرہ باری تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے۔ ہر ہستی کی ضرورت کو پورا کرنا رحمت کہلاتا ہے۔ جیسے مخلوقات کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں' ویسے ہی رحمت کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ پیاسے کے لئے پانی رحمت ہے اور بھوکے کے لئے کھانا۔ بیمار کے لئے صحت رحمت ہے اور تھکے ماندے انسان کے لئے آرام۔ الغرض ہر ضرورت مند کے لئے اسی کی طلب اور ضرورت کے لحاظ سے رحمت کی نوعیت بدلتی جائے گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ضرورت تو کسی اور شے کی ہو لیکن رحمت کسی اور شے کو قرار دے دیا جائے۔ چنانچہ ضرورت اور رحمت کے تعلق کو جانتے ہوئے یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ضرورت کے تین درجے ہیں اور ہر درجے کی حیثیت کے مطابق رحمت بھی تین طرح کی ہے:۔

پہلا درجہ...... ایجاد...... کسی شے کو معرض وجود میں لانا۔

دوسرا درجہ...... ابقاء...... وجود میں لانے کے بعد اسے باقی رکھنا۔

تیسرا درجہ...... اکمال...... وجود کو باقی رکھ کر اسے نقطہ کمال تک پہنچانا۔

۱۔ رحمتِ حق کا ایجادی پہلو

سب سے پہلے عدم سے وجود میں آنے کا مرحلہ آتا ہے۔ عدم سے وجود میں آنا ایک ضرورت ہے جو بغیر رحمت کے پوری نہیں ہو سکتی۔ جب رحمت حق کی پہلی نوع ایجاد کے ارادے سے عدم کی طرف متوجہ ہوئی تو عدم کو وجود مل گیا۔ انسان کو باری تعالیٰ اپنی ایجادی رحمت کی یاد اس طرح دلاتا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ٥

بے شک آدمی پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

(الدھر' ۷۶:۱)

قرآن انسان کو وہ وقت یاد دلا رہا ہے جب وہ عدم محض تھا اور رحمت الٰہی نے اسے وجود اور ظہور عطا کر دیا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر انسان کو خطاب کرتے ہوئے تنبیہ کی گئی

Marfat.com

ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ o فِىْ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّاشَآءَ رَكَّبَكَ o

(الانفطار، ۸۲: ۶۔۸)

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم سے نافرمان کر دیا۔ جس نے تجھے وجود عطا کیا (یعنی پیدا کیا) پھر تجھے اعضاء و جوارح کے اعتبار سے سالم بنایا۔ پھر تیرے اعضاء جسمانی میں تناسب و توازن پیدا کیا۔ تجھے جس صورت میں چاہا ترکیب دیا۔

یہ توانسان کو خلعت وجود عطا کرنے کی بات تھی۔ قرآن نے ایک اور مقام پر جملہ مخلوقات کو وجود عطا کرنے کا ذکر یوں کیا ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىْ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى o

(طہٰ، ۲۰: ۵۰)

(موسیٰ نے) فرمایا ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے لائق) وجود بخشا پھر (اس کے حسب حال) اس کی رہنمائی کی o

خلق کے بعد ہدایت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ معرض وجود میں لانے کے بعد اسے باقی رکھنے اور کمال تک پہنچانے کے بھی کئی تقاضے ہیں۔ جن کے لئے انسانی سطح پر بالخصوص ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ابتداء "جبلی" پھر "حسی" پھر عقلی اور پھر "وجدانی" طور پر نصیب ہوتی ہے۔ لیکن وجود انسانی کے تمام وسائل کا حتمی و قطعی حل انسانی استعداد میں ودیعت کی ہوئی ان نفسی ہدایتوں سے میسر نہیں آسکتا۔ اس لئے اس کی ضرورتوں کی صحیح تکمیل کی خاطر انبیاء علیھم السلام کے ذریعے ہدایت الٰہی عطا کی جاتی ہے تاکہ انسان کی کوئی حاجت بھی تشنہ تکمیل نہ رہے۔ گویا جب وجود عالم ظہور میں آجاتا ہے تو اس کی بقاء خود ایک بنیادی ضرورت بن جاتی ہے۔

Marfat.com

۲۔ رحمتِ حق کا ابقائی پہلو

یہ شان رحمانیت کا وہ پہلو ہے جو عالم ہستی میں وجود کو باقی رکھتا ہے۔ اگر وجود باقی نہ رہے تو اس کی خلق کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا لہٰذا رحمت الٰہی کی دوسری نوع ابقاء کے ارادے سے اس وجود کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسے عالم خارج میں باقی رکھتی ہے۔

جس طرح عدم کا وجود میں آنا باری تعالیٰ کی ایجادی رحمت کا محتاج تھا۔ اسی طرح وجود کا باقی رہنا باری تعالیٰ کی ابقائی رحمت کا محتاج ہے۔ اگر رحمت حق کی یہ نوع عالم وجود کی طرف متوجہ نہ ہو تو وجود انسان بلکہ وجود کائنات ایک لمحہ بھر کے لئے بھی باقی نہ رہ سکے۔ اگر موجودات عالم اور نظام کائنات کا بغور مشاہدہ کیا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ذات رحمان نے اپنی رحمت کا ظہور اس طرح کیا ہے کہ ہر ایک شے کو اس غرض سے پیدا کیا گیا کہ وہ انسانی بقاء کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں مصروف رہے۔ اس کی شان رحمانیت کا پرتو ہر ایک ذرے میں دکھائی دے رہا ہے۔

زمین کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

قرآن حکیم نے زمین کی پیدائش، ساخت، جسامت، سطح اور اس کی تہ کا ذکر متعدد مقامات پر کیا ہے۔ تمام آیات اور ان کے مطالب یکسانیت کے ساتھ اسی امر پر زور دیتے ہیں کہ سارا نظام ارضی انسانی بقاء کے لئے رحمت الٰہی کی متشکل صورت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ	اور وہی ہے جس نے (گولائی کے باوجود) زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں میں (بھی) اس نے دو دو (جنسوں کے) جوڑے

Marfat.com

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰالِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ٥

(الرعد ‘۱۳: ۳۔۴)

بنائے (وہی) رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے بے شک اس میں تفکر کرنے والوں کے لئے (بہت) نشانیاں ہیں اور زمین (مختلف قسم کے) قطعات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جھنڈ دار اور بغیر جھنڈ کے ان (سب) کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشتے ہیں بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں٥

ان آیات کے ایک ایک لفظ سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ قدرت نے یہ سارا نظام انسانی بقا کی ضرورتوں کو پورا کرنے لے لئے پیدا کیا ہے۔ یہی حقیقت ایک اور مقام پر انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے ‘ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ٥

(الاعراف ‘۷: ۱۰)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین میں تمکن و تصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسباب معیشت پیدا کئے تم بہت ہی کم شکر بجالاتے ہو٥

دریاؤں اور سمندروں کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

سمندر اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے۔ سب انسانی بقاء کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔ یہ تخلیق بھی رحمت الٰہی کی بین دلیل ہے ‘ارشاد ربانی ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ٥

(النحل، ۱۶: ۱۴)

اور وہی ہے جس نے (فضاو بر کے علاوہ) بحر (یعنی دریاؤں اور سمندروں) کو بھی مسخر فرما دیا تاکہ تم اس میں تازہ (و پسندیدہ) گوشت کھاؤ اور تم اس میں سے موتی (وغیرہ) نکالو جنہیں تم زیبائش کے لئے پہنتے ہو اور (اے انسان) تو کشتیوں (اور جہازوں) کو دیکھتا ہے جو (دریاؤں اور سمندروں کا) پانی چیرتے ہوئے اس میں چلے جاتے ہیں (اور یہ سب کچھ اس لئے کیا) تاکہ تم (دور دور تک) اس کا فضل (یعنی رزق) تلاش کرو اور یہ کہ تم شکر گزار بن جاؤ٥

اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ۔

(البقرہ، ۲: ۱۶۴)

اور ان جہازوں (اور کشتیوں) میں جو سمندر میں لوگوں کو نفع پہنچانے والی چیزیں اٹھا کر چلتی ہیں۔

دریاؤں اور سمندروں کے شکار بھی انسانی بقا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے حلال قرار دیئے گئے ہیں، ارشاد رب العزت ہے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّیَّارَةِ۔

(المائدہ، ۵: ۹۶)

تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کی خاطر حلال کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

حیوانات کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

روئے زمین پر بسنے والی دیگر جاندار مخلوق حیوانات' مویشی اور چوپائے وغیرہ سب وجود انسانی کی بقاء کی خاطر معرض تخلیق میں آئے ہیں۔ یہ سب کچھ رحمت الٰہی کی ابقائی نوع کا ظہور ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَo وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَo وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo وَ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَo

(النحل' ۱۶:۵-۶)

اور اسی نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے ان مین تمہارے لئے گرم لباس ہے اور (دوسرے) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہوo اور ان میں تمہارے لئے رزق (اور دلکشی بھی) ہے جب تم شام کو چراگاہ سے (واپس) لاتے ہو اور جب تم صبح کو (چرانے کے لئے) لے جاتے ہوo اور یہ (جانور) تمہارے بوجھ (بھی) ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے' بے شک تمہارا رب نہایت شفقت والا نہایت مہربان ہےo

اسی سورۃ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا

اور بے شک تمہارے لئے مویشیوں میں (بھی) مقام غور ہے ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے

Marfat.com

لِّلشَّارِبِيْنَo
(النحل‘۱۶:۶۶)

(بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود مین آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لئے فرحت بخش ہوتا ہےo

اسی سورۃ میں مزید فرمایا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍo
(النحل‘۱۶:۸۰)

اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو (مستقل) سکونت کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے (عارضی گھر (یعنی خیمے) بنائے جنہیں تم اپنے سفر کے وقت اور (دوران سفر منزلوں پر) اپنے ٹھہرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو اور (اسی اللہ نے تمہارے لئے) بھیڑوں اور دنبوں کی اون اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو استعمال اور (معیشت و تجارت میں) فائدہ اٹھانے کے اسباب بنائے (جو) مقررہ مدت تک (ہیں)o

یہ وہ تمام فطری صنعتیں ہیں‘ جنھیں فروغ دے کر عقل انسانی نے ایک منظم مشینی کائنات بسالی ہے۔ لیکن قدم قدم پر انسان کو ہر شے کی تخلیق جس حقیقت سے آگاہ کر رہی ہے‘ وہ یہ ہے کہ یہ سب موجودات عالم صرف اور صرف انسانی بقا کی خاطر وجود میں لائے گئے ہیں‘ تاکہ انسان اپنے وجود کو باقی رکھنے اور مقاصد حیات کے حصول کی جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے ان سے استفادہ کر سکے۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان خلوت کی

Marfat.com

زندگی بسر کرے یا جلوت کی، تجرد کی زندگی بسر کرے یا ازدواجیت کی، الگ تھلگ جنگلوں میں رہے یا مہذب و متمدن معاشرے میں، ان ضروریات زندگی سے بے نیاز ہو کر اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے انسان کے مانگے بغیر اس کی ضرورتوں کی تکمیل کر دی ہے۔ یہ اس کی ابقائی رحمت کا پہلو ہے بلکہ ان موجودات و حیوانات میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کی بقا کا بھی ضامن ہے۔ یعنی یہ رحمت نہ صرف انسانوں کے لئے ہے بلکہ تمام مخلوقات کے لئے ان کی اپنی اپنی ضرورتوں کے مطابق یکساں ہے۔

شجر و حجر کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

صفحہ ہستی پر شجر و حجر کا وجود بھی انسان اور حیوانات کے لئے رحمت الٰہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ○

(یٰسین، ۳۶:۸۰)

یہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے سر سبز درختوں سے آگ پیدا کر دی اب تم انہیں میں سے آگ سلگاتے ہو۔

اور سورہ نحل میں مذکور ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ کَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ○

(النحل، ۱۶:۸۱)

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ کئی چیزوں کے سائے بنائے اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں مین پناہ گاہیں بنائیں اور اس نے تمہارے لئے (کچھ) ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور (کچھ) ایسے لباس جو تمہیں شدید جنگ میں (دشمن کے وار سے)

Marfat.com

بچاتے ہیں اس طرح اللہ تم پر اپنی نعمت (کفالت وحفاظت) پوری فرماتا ہے تاکہ تم (اس کے حضور) سرِ نیاز خم کر دو ○

شمس و قمر کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

باری تعالیٰ نے شمس و قمر اور ان کے نظاموں کو بھی انسان کے لئے وجود عطا کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی تخلیق بھی انسان کے حق میں رحمت الٰہی ہے اور دیگر جاندار مخلوقات بھی ان سے اپنی بقا کا سامان حاصل کرتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ○

(ابراہیم، ۱۴: ۳۳)

اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کر دیئے۔ یہ دونوں ایک خاص ڈھنگ پر گردش میں ہیں اور رات اور دن بھی تمہارے فائدے کے لئے مسخر کر دیئے۔

کائنات ارض و سما کی تخلیق رحمت الٰہی ہے

مختصر یہ کہ کائنات ارض و سما میں جو کچھ بھی ہے سب وجود انسانی کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت ہے اور ان کی غرض تخلیق بھی انسان ہی کو فائدہ پہنچانا ہے۔

قرآن اس امر کی وضاحت یوں کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً۔

(لقمان، ۳۱: ۲۰)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب تمہارے فائدے کے لئے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں اور رحمتیں تم پر ظاہراً اور باطناً پوری کر دی ہیں۔

Marfat.com

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود و ظہور کی نعمت سے بہرہ ور کیا یہ اس کی رحمانیت کے ایجادی پہلو کا صدور تھا' پھر اس نے عالم ہستی میں انسانی وجود کو باقی رکھنے کے لئے تمام ضروریات پوری کر دیں اور انسانی منفعت کی خاطر ہزاروں نظام وضع فرمائے۔ یہ اس کی رحمانیت کے ابقائی پہلو کا صدور ہے۔

۳۔ رحمت حق کا اکمالی پہلو

جس طرح کسی وجود کا معرض ظہور میں آنا یا کسی کا حالت عدم سے حالت وجود میں منتقل ہونا اس غرض سے تھا کہ وہ باقی رہے' کیونکہ بقا کے بغیر وجود کا کوئی مقصد نہیں۔ اسی طرح وجود کا باقی رہنا بھی فی نفسہ کوئی مقصد نہیں۔ بقاء تو محض اس لئے مطلوب ہوتی ہے کہ کمال حاصل ہو۔ وجود کو اپنی تکمیل کے لئے بقاء کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اصل ضرورت تکمیل ہے باقی سب مراحل اس کے لوازمات ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں صفات کو اکٹھا بیان کرنے کا مقصد از خود واضح ہے۔ چنانچہ اس غرض سے رحمت حق کی تیسری نوع اکمال کے ارادے کے ساتھ وجود کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اسے اپنے مطلوبہ کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ وجود کی یہ تکمیل تدریج وارتقاء کے اصول پر ہوتی ہے۔ کائنات کا ہر وجود اپنی بقا کے ساتھ تکمیل کے سفر میں گامزن ہے اور رحمت الٰہی کا التفات کائناتی موجودات کو کمال واتمام تک پہنچانے کے لئے ہمہ وقت قائم ودائم ہے۔ جس کا اظہار اقبالؒ نے اپنے اس شعر میں کیا ہے

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

لہٰذا شان رحمانیت کا امتیاز یہ ہے کہ انسان اور دیگر مخلوقات وجود میں آنے' باقی رہنے اور اپنے کمال کو حاصل کرنے میں مکمل طور پر ذات رحمٰن کے محتاج ہیں۔ رحمت الٰہی کے بغیر نہ کسی کو کائنات میں وجود مل سکتا ہے' نہ کوئی وجود باقی رہ سکتا ہے اور نہ کوئی اپنی

Marfat.com

تکمیلی جدوجہد کو پورا کر سکتا ہے۔ چونکہ مخلوقات عالم اپنی مختلف ضروریات کے پیش نظر ہر مرحلہ حیات پر ذات رحمٰن کے محتاج ہیں۔ اس لئے اس کی رحمت بھی تمام انواع واقسام ضرورت کو شامل ہے تاکہ ہر کسی کو حسب حال رحمت حق کا حصہ مل سکے۔ یہ شان "الرحمٰن" کی تھی۔ لیکن "الرحیم" رحمت کے اس پہلو کا آئینہ دار ہے جو بخشش و مغفرت کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یعنی کسی کو وجود و بقا اور کمال سے ہمکنار کرنا "رحمانیت" کا کام تھا۔ مگر کسی وجود کو اپنی بقا کے خلاف کارگزاریوں پر معاف کر دینا اور اس کے باوجود اسے باقی رکھنا "رحیمیت" کا کام ہے۔ اگر کوئی وجود ایسی خطائیں اور لغزشیں صادر کرے جس سے وہ باقی رہنے یا کمال پانے کے قابل نہ رہے بلکہ مٹا دیئے جانے کے لائق ہو جائے تو اس کی خطاؤں کو معاف کر کے اسے پھر مستحق نعمت بنا دینا رحیمیت کہلاتا ہے۔ اس گوشہ رحمت کا نام بخشش و مغفرت ہے۔ وصف رحیم اکثر و بیشتر قرآن حکیم میں امتیاز کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ کبھی یہ رؤف رحیم کے طور پر آیا ہے کبھی "توابا رحیما" کے طور پر اور کبھی غفور رحیم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ الغرض اس کے ساتھ بالعموم کوئی نہ کوئی ایسا وصف ضرور مذکور ہوتا ہے جس کا معنی بالواسطہ یا بلاواسطہ بخشش اور مغفرت پر دلالت کرے۔ اس سلسلے میں ارشادات باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (النساء، ۴:۱۶)	بے شک اللہ بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۝
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝ (النساء، ۴:۲۳)	بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۝
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ (النساء، ۴:۶۴)	وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۝

Marfat.com

وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo (النساء ۴:۱۰۶)	اور آپ اللہ سے بخشش طلب کریں، بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo
دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًاo (النساء ۴:۹۶)	اس کی طرف سے (ان کے لئے بہت) درجات ہیں اور بخشش اور رحمت ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo

الغرض رحیمیت کا وصف اکثر و بیشتر "غفوریت" اور "توابیت" ایسے اوصاف کے ساتھ متصلاً بیان ہوا ہے، جس سے اس کی رحمت کی وہ خصوصی نوعیت متعین ہو جاتی ہے، جو اپنے دامن میں بخشش و مغفرت کی دولت رکھتی ہے۔

الرحمٰن .... دنیا کی رحمت کا آئینہ دار ہے

الرحیم .... آخرت کی رحمت کا آئینہ دار ہے

مفسرین نے بالعموم الرحمٰن کو "رَحْمَانُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ" اور الرحیم کو "رَحِيْمُ الْآخِرَةِ" کے طور پر واضح کیا ہے۔ ان کے نزدیک رحمانیت دنیا و آخرت دونوں کی رحمت کو شامل ہے اور رحیمیت صرف آخرت کی رحمت کو اور اسی امتیاز کی بنا پر رحمٰن میں مبالغہ رحمت رحیم کی نسبت شدید تصور کیا جاتا ہے، لیکن بعض نے رحمٰن کو رحمتِ دنیا سے اور رحیم کو رحمت آخرت سے مخصوص کیا ہے۔ بہر حال رحمانیت میں دنیا کی رحمت کا پہلو غالب ہے، کیونکہ یہی تصور عموم رحمت کے پہلو کی بھی تائید کرتا ہے۔ دنیا کی رحمت مسلم و غیر مسلم سب کے لئے برابر فراوانی کے ساتھ صادر ہوتی ہے، جب کہ آخرت میں حصہ رحمت پانے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ایماندار بندے خصوصیت کے ساتھ مستحق ہوں گے۔ لہٰذا "الرحمٰن" کا اسم صفت ہر مومن و کافر کو اس حیات دنیوی میں رحمت ایزدی کا مژدہ جانفزا سنا رہا ہے۔ اور "الرحیم" کا اسم صفت آخرت میں مومنین کو رحمت خداوندی کی خوشخبری سنا رہا ہے۔

Marfat.com

امام ابن مبارکؒ کا قول

الرحمٰن اور الرحیم کے درمیان وجہ امتیاز بیان کرنے کے سلسلے میں امام عبداللہ بن مبارکؒ کا ایک قول نہایت لطیف نکتے پر مشتمل ہے' وہ فرماتے ہیں۔

اَلرَّحْمٰنُ اِذَا سُئِلَ اَعْطٰی وَالرَّحِیْمُ اِذَا لَمْ یُسْأَلْ یَغْضَبُ۔
(تفسیر ابن کثیر' ۱:۲۰)

رحمٰن وہ ہے کہ جب بھی اس سے مانگا جائے عطا کرتا ہے اور رحیم وہ ہے کہ اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔

رحمانیت کا یہ معنی مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ ذات باری تعالیٰ کی شان ہی یہ ہے کہ جب بھی کوئی اس کی بارگاہ میں دامنِ سوال پھیلاتا ہے وہ ذات اسے نامراد واپس نہیں لوٹاتی' قرآن کا ارشاد ہے۔

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔
(ابراہیم' ۱۴:۳۴)

اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا فرمادی جو تم نے اس سے مانگی۔

ضرورت اور طلب پر عطا کرنا تو اس کی شان رحمانیت میں تھا ہی ورنہ اس کے بغیر اس حکم کا بھی کوئی جواز نہ تھا کہ:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ۔
(البقرہ' ۲:۱۸۶)

میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔

لیکن رحیمیت اس کی رحمت کے ایک اور تقاضے کو اجاگر کر رہی ہے کہ اس ذات کی سخاوت اور اپنے بندوں کے لئے شفقت و عنایت کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی اس سے سوال نہ کرے تو وہ ناراض ہو جاتی ہے' یعنی اس کی عطا اور رحمت ہمہ وقت سائل کی تلاش میں ہے۔

اقبال کا یہ شعر رحمت حق کے اس پہلو کو خوب اجاگر کرتا ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں

Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ سے اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے۔

میں تو دعا مانگنے والے کی التجاؤں کو جب وہ مجھ سے دعا مانگے قبول کرتا ہوں پس (بندوں کو بھی) چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ من لم یسال اللہ یغضب علیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ کو اس پر غضب آتا ہے۔

۱۔ جامع الترمذی، ۲:۱۷۳، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، رقم: ۳۳۷۳

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعا، باب فضل الدعا، رقم: ۳۸۲۷

یہ اس کی شان کریمی کی انتہا ہے۔ اگر وہ ذات ترکِ سوال پر ناراض ہوتی ہے تو یقیناً کثرت سوال پر زیادہ خوش ہوتی ہوگی۔ لیکن انسانوں کی عطا کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اگر ان سے زیادہ مانگا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں، بلکہ دینے کے بجائے انہیں اس بات پر خوشی ہوتی ہے کہ دوسرا شخص زیادہ دیر تک حاجت مندی میں مبتلا رہ کر اس کے دروازے کے چکر لگاتا رہے اور مسلسل احساس محرومی کا شکار رہے، مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا مانگنا اور اسے اس کا عطا کر دینا خوش کرتا ہے۔ بقول شاعر:

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ
و بنی ادم حین یسال یغضب

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ سے اگر سوال نہ کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے اور اگر بنی آدم سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

الرحمٰن الرحیم...... دونوں کو اکٹھا بیان کرنے کا مقصد

الرحمٰن اور الرحیم کے معنوی امتیازات کو سمجھنے کے بعد ان دونوں اوصاف کو اکٹھا بیان کرنے کا مقصد از خود واضح ہو جاتا ہے۔ تاہم یہاں تلخیص کی صورت میں اس امر پر مزید روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کیونکہ ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ''رحمٰن'' ''رحیم'' کی نسبت زیادہ مبالغے کے ساتھ رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

مستزاد یہ کہ لفظ ''رحمٰن'' میں لفظ ''رحیم'' کے مقابلے میں زیادہ حروف استعمال ہوتے ہیں اور عربی ادب کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ زیادتی حروف زیادتی معنی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ یعنی زیادہ حروف پر مشتمل الفاظ اسی معنی میں کم حروف پر مشتمل الفاظ کے مقابلے میں زیادہ معنوی وسعت رکھتے ہیں' لہٰذا اس کی ضرورت کیوں ہو گی کہ ایک ایسے وصف یعنی ''الرحمٰن'' کو جو زیادہ رحمت پر محیط ہے پہلے بیان کر دینے کے بعد پھر دوسرے وصف یعنی ''الرحیم'' کو جو اس کے مقابلے میں کم دائرے کو حاوی ہے بیان کیا گیا اور اگر دونوں کو ہی بیان کرنا مقصود تھا تو اس ترتیب تقدیم و تاخیر کے ساتھ کیوں؟

۱۔ رحمٰن و رحیم دونوں کو اکٹھا بیان کرنے کا پہلا مقصد یہ تھا کہ یہ حقیقت واشگاف ہو جائے کہ ذات حق میں رحمت کا صرف صفتی ظہور ہی نہیں بلکہ فعلی ظہور بھی ہے۔ ہر چند کہ رحمان' رحیم کے مقابلے میں زیادہ معنی رحمت پر دلالت کرتا ہے' لیکن یہاں یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ذات کثرت کے ساتھ صفت رحمت کی حامل تو ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ وہ رحمت اس سے اسی قدر فعلاً بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں۔ تو رحمٰن کے بعد رحیم کے لفظ نے اس شبہ کا ازالہ کر دیا کہ ہستی باری تعالیٰ کی رحمت محض اس کی صفت اور حالت ہی نہیں بلکہ ہر لحہ عالم وجود اس کی رحمت سے بالفعل فیضیاب بھی ہو رہا ہے۔

۲۔ دونوں اوصاف کو اکٹھا بیان کرنے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ رحمانیت کی عمومی رحمت جو جمیع خلق کو بلا استثنیٰ محیط ہے' مومن و کافر دونوں کے لئے یکساں ہے اس یکسانیت

Marfat.com

کے پیش نظر کہیں مومنین و متقین مایوس نہ ہو جائیں کہ اگر کفار و مشرکین بھی ہمارے برابر حصہ رحمت پائیں گے تو ہمیں اطاعت و غلامی حق کا کیا صلہ ملا۔ اس سوال کا جواب پہلے ہی دے دیا گیا کہ بیشک سب مخلوق بلا امتیاز رب کائنات کے چشمہ رحمانیت سے فیضیاب ہو رہی ہے لیکن مومنین و متقین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحیمیت کی بارگاہ سے خصوصی رحمت کا اہتمام بھی کر رکھا ہے۔

۳۔ اس کا تیسرا سبب یہ ہے کہ شان رحمانیت کے بیان سے وجود و بقا اور کمال کے ہر مرحلے پر رحمت حق کے میسر آنے کا وعدہ تو ہو گیا تھا' لیکن گناہگار و خطاکار پریشان تھے کہ اگر ہم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور اپنی ہی بقا و کمال کے خلاف کوئی عمل صادر کر بیٹھیں تو کہیں رحمت حق کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔ بارگاہ رحیمیت سے ندا آئی کہ نہیں نہیں' خطا کاروں کے لئے بھی رحمت حق نے اپنی بخشش و مغفرت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ وہ ذات معاف کر کے اپنی رحمت بحال رکھے گی صرف اس سے صفائی قلب کے ساتھ معافی مانگنا درکار ہے' بلکہ اس کی رحمت خلوص نیت کے ساتھ معافی مانگنے والے گناہگار کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ پرہیزگاروں کے مقابلے میں زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔ سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مکشوفات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اهل الطاعات یذکرون النعیم و اهل العصیان یذکرون الرحیم۔

عبادت کرنے والے جنت کو یاد کرتے ہیں اور گناہگار رب کی رحمت کو یاد کرتے ہیں۔

(الرسالۃ غوث الاعظم: ٦٠)

ایک اور مقام پر ارشاد منقول ہے۔

انا اقرب الی العاصی اذا فرغ من العصیان۔

جب گناہگار گناہ سے دور ہو جاتا ہے تو میں اس کے زیادہ قریب ہو جاتا ہوں۔

(الرسالۃ غوث الاعظم: ٦٢)

Marfat.com

۴۔ دونوں اوصاف کو اکٹھا کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ شان رحمانیت چونکہ بندوں کو زیادہ تر دنیا میں رحمت سے نوازنے کا مژدہ سنا رہی تھی۔ اس لئے اس سے کہیں بندے یہ تاثر نہ لیں کہ آخرت میں جب لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن '۴۰:۱۶)'' کہ آج کس کی بادشاہی ہے۔ اللہ کی 'جو ایک ہی قہر والا ہے'' کا اعلان ہو گا تو ہم کہاں جائیں گے۔ کیونکہ رحمت حق کے بغیر تو کسی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو گا۔ چنانچہ شان رحیمیت نے انسانوں کو اس مایوسی سے بچا لیا کہ تم خود کو آخرت کے لئے تیار کرو رحمت حق وہاں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑے گی۔ کیونکہ رب ذوالجلال صرف رحمٰن الدنیا' ہی نہیں رحیم الآخرۃ بھی ہے۔

۵۔ دونوں اوصاف کو اکٹھا بیان کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ لوگ آداب بندگی سے بہرہ ور ہو جائیں' کیونکہ رحمانیت کی شان یہ تھی کہ ذات حق اپنے بندوں کو ہر وہ چیز عطا کرتی رہے۔ جس کی انہیں ضرورت اور طلب ہو اور بغیر مانگے بھی عطا کرنا رحمانیت کا تقاضا تھا۔ اس بے پایاں عطا سے لوگ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ جب سب کچھ از خود مل جاتا ہے تو اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ رحیمیت باری نے بنی نوع انسان کو متنبہ کر دیا کہ از خود عطا کرنا میری شان ہے مگر مجھ سے مانگنا تمہارا فرض ہے۔ اگر مجھ سے نہیں مانگو گے تو میری ناراضگی کے مستحق ٹھہرو گے۔ میں تمہیں دیتا رہوں اور تم ہر گھڑی مجھ سے مانگتے رہو۔ اس طرح رحمانیت و رحیمیت کی دونوں شانوں کے ظہور سے تمہارا تعلق بندگی پختہ ہو گا اور مجھے دینے میں خوشی ہو گی۔

۶۔ دونوں اسماء کا یکے بعد دیگرے بیان کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ رحمت حق کے امیدوار و طلب گار مطمئن رہیں کہ اس کے خزانہ رحمت میں کوئی کمی نہیں۔ جس طرح وہ اپنی صفت رحمت کو بار بار مختلف عنوانات کے تحت بیان کر رہا ہے' اسی طرح وہ ضرورت مندوں پر ان کے حسب حال رحمت بھی بار بار کرے گا۔ اس کی رحمت مختلف صورتوں میں مسلسل ہوتی رہے گی۔ مبرد کا قول اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ ''ھو انعام بعد انعام و تفضل بعد تفضل'' (اس کا انعام اور فضل مسلسل ہوتا رہتا ہے۔) یہ ان حکمتوں میں سے چند ایک تھیں

Marfat.com

جن کی بنا پر خالق کائنات نے خود کو بیک وقت الرحمٰن کے وصف سے بھی متعارف کرایا اور الرحیم کے وصف سے بھی۔

صفتِ رحمت کی تخصیص کیوں؟

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ باری تعالیٰ لاتعداد صفات و کمالات سے بہرہ ور ہے اور ہر لمحہ کائنات میں اس کی مختلف صفات کا ظہور ہو رہا ہے۔

وہ خالق و مالک بھی ہے، رب و مستعان بھی، علیم و خبیر بھی، سمیع و بصیر بھی، حفیظ و جلیل بھی ہے، علی و کبیر بھی، لطیف و حلیم بھی ہے، عزیز و جبار بھی ہے، مجید و قہار بھی، شہید و حمید بھی ہے، حی و ممیت بھی، قوی و قیوم بھی ہے اور رشید و صبور بھی۔ الغرض وہ ذات "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" کی مصداق ہے۔ ہمہ وقت اس کے اوصاف و افعال اس کی ہستی کی مختلف شانوں کو اجاگر کر رہے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تسمیہ میں شان الوہیت کو جن دو اوصاف سے متصف کیا گیا وہ دونوں شان رحمت پر مبنی تھے۔ دیگر اوصاف و کمالات الٰہیہ میں سے کسی اور کو کیوں نہ منتخب کیا گیا؟ صرف صفت رحمت کی تخصیص کس مصلحت پر مبنی تھی۔

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات و کمالات میں سے رحمت ایک ایسی صفت ہے جو اس کی تمام شانوں، حیثیتوں اور اوصاف و افعال پر محیط ہے۔ یعنی اس کی کوئی صفت اور کوئی فعل بھی رحمت سے خالی نہیں۔ اور یہی ان ارشادات ربانی کا معنی ہے۔

رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ۔ (الانعام، ۶:۱۴۷)
تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔

وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ۔ (الاعراف، ۷:۱۵۶)
اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا۔ (غافر، ۴۰:۷)
ہمارا رب جس کی رحمت اور علم ہر شے پر حاوی ہے۔

Marfat.com

جس طرح کائنات میں رونما ہونے والی کوئی حرکت علم الٰہی سے خارج نہیں ہو سکتی اسی طرح کائنات میں صادر ہونے والا کوئی امر بھی رحمت الٰہی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس ذات سے جس صفت اور فعل کا بھی ظہور ہو گا وہ خلق کے حق میں بہر صورت رحمت ہو گا خواہ مخلوق خدا اپنی دانست میں اسے رحمت سمجھے یا نہ سمجھے۔ چونکہ ہر فعل الٰہی اور وصف ربوبیت کی اصل اور حقیقت رحمت ہی تھی۔ اس لئے اسی کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا اور باقی صفات و کمالات کا لفظاً ذکر نہ کیا گیا۔ جب الرحمٰن اور الرحیم دونوں اسماء کی معنوی وسعتوں نے رحمت الٰہیہ کی ہر نوع، ہر درجہ اور ہر شکل و صورت کو بیان کر دیا تو ذات حق کی تمام صفتی اور فعلی شانیں از خود بیان ہو گئیں۔ الگ الگ نام لے کر مزید کسی کا بیان کیا جانا ضروری نہ رہا۔ اگر یہاں یہ گمان پیدا ہو کہ زندگی میں صرف راحتیں ہی نہیں ہوتیں ہزاروں دکھ اور آزار، مصائب و آلام اور آفات و شدائد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آخر ان پریشانیوں اور تکلیفوں کو کیوں رحمت تصور کر لیا جائے اور اگر انسانی زندگی کے یہ پریشان کن افعال بھی مشیت الٰہی کے باعث ہیں تو پھر اسے ہر حال میں رحمان و رحیم کیسے مان لیا جائے۔ اس الجھن کو صحیح طور پر حل کرنے کے لئے رحمت کے معنی و مفہوم اور رحمت باری تعالیٰ کے حقیقی و واقعی تصور کو سمجھنا ضروری ہو گا۔

رحمت کا معنی و مفہوم

رحمت عام طور پر مہربانی کو کہتے ہیں، لیکن اس کا اصل معنی بھلائی اور احسان کے لئے کسی کی طرف دل کا جھکنا اور نرم ہونا ہے۔ آئمہ لغت اور علماء و محققین نے اس کا معنی یوں بیان کیا ہے۔

الرحمة رقة تقتضی الاحسان الی المرحوم	رحمت دل کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جو کسی پر احسان کا تقاضا کرے۔

(المفردات: ١٩١)

Marfat.com

قاضی بیضاویؒ اسی معنی کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

الرحمة رقة القلب والانعطاف يقتضي التفضل والاحسان۔
(تفسیر البیضاوی ' ۱: ٦٥)

رحمت در حقیقت اس کیفیت کا نام ہے جو دل پر رقت اور نرمی کی صورت میں پیدا ہوتی ہے اور کسی مستحق کی طرف بھلائی اور احسان کے ساتھ پیش آنے کا تقاضا کرتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ رحمت دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ ایک دل کی نرمی و رقت اور دوسرے فضل و احسان۔ یہاں ایک نکتہ انتہائی اہم ہے کہ رقت قلب اور ارادہ احسان دونوں تبھی ممکن ہیں کہ خارج میں کوئی فرد پریشان اور خستہ حال موجود ہو۔ اس کی پریشانی' تکلیف اور خستہ حالی دیکھی نہ جاسکے۔ اس کی حالت دیکھتے ہی دیکھنے والے کے دل میں اس کے لئے ایسی نرمی' رقت اور ہمدردی پیدا ہو' جو اس پر احسان کرنے اور اس کی پریشانی کو دور کرنے کا سبب بن جائے' اسی قلبی کیفیت کا نام جو بالآخر فعلِ احسان پر منتج ہوتی ہے "رحمت" ہے۔ لیکن بہر صورت اس رحمت کا محرک کسی کی پریشانی' خستہ حالی یا ضرور تمندی ہوتی ہے۔ لہذا مصائب و آلام جو ظاہراً رحمت کے منافی معلوم ہوتے ہیں' فی الحقیقت چھپے ہوئے جذبہ رحمت کے جوش میں آنے اور اس کے بالفعل صادر ہونے کا حقیقی سبب بن جاتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ جب رحمت رحیم کی اس صفت اور فعل کا نام ہے' جس کا ظہور و صدور کسی مصیبت زدہ کی ایسی تکلیف کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ جس کا ازالہ اس رحمت کا مقصد ہو تو پھر ایسی تکلیف یا مصیبت کو مطلقاً منافی رحمت کیسے تصور کیا جاسکتا ہے۔ جو حالت خود رحمت کے ظہور اور صدور کا باعث ہو' زحمت نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ کیفیت اور حالت جسے آپ بعض ظاہری عوارض کی بناپر مصیبت اور تکلیف سمجھ رہے ہیں' موجود نہ ہوتی تو اس کے ازالے کی بھی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور اگر ایسے نہ ہوتا تو صاحب رحم' شفقت و عنایت اور فضل و احسان کے ارادے کے ساتھ کبھی بھی بالالتزام متوجہ نہ ہوتا اور اس خصوصی شفقت و احسان کے

Marfat.com

بغیر کوئی وجود پروان نہ چڑھتا' کسی کو کمال نصیب نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ اسی کیفیت کے باعث ہے' جسے آپ نے زحمت سمجھا' لیکن وہ در حقیقت رحمت کی ضرورت تھی۔ کم فہمی' عاقبت نا اندیشی اور ظاہر بینی کی بنا پر ان عوارض و کیفیات کو منافی رحمت تصور کرنے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک شیر خوار بچہ بھوک کی شدت محسوس کر کے روتا ہے' ہاتھ پاؤں مارتا ہے' چیختا اور چلاتا ہے۔ اس کی دانست میں یہ وقت یقیناً سخت "تکلیف اور مصیبت کا وقت ہوگا' جس کا اظہار اس کی ظاہری حالت سے بھی ہو رہا ہے' لیکن اس نا سمجھ کو کیا خبر کہ اس کی یہی حالت' احساس اور رد عمل جسے وہ اپنے حق میں زحمت تصور کرتا ہے حقیقت میں اس کے لئے رحمت ہے۔ جس نے اس کی ماں کو شفقت و محبت کے ارادے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر دیا اور اس نے اسے سینے سے لگا کر نہ صرف اس کے ظاہری عوارض کو دور کر دیا' بلکہ اس کی صحت و تندرستی اور پرورش کی تکمیل کا باعث بھی ہو گئی۔

ذات باری تعالیٰ اور مفہومِ رحمت

رحمت کے متذکرہ بالا معنی و مفہوم کو سمجھنے کے بعد یہ امر وضاحت طلب ہے کہ جب رحمت "رقت قلب اور ارادہ احسان" کا نام ہے تو ذات باری تعالیٰ کے لئے اثبات رحمت کیسے جائز ہوا' کیونکہ وہ ذات تو دل کے جھکنے' نرم ہونے اور اس طرح کی تمام صفات حدوث سے پاک ہے۔ بے شک دل کا ہونا اور رقت و لرزہ ایسی کیفیات اس کی شان کے لائق نہیں لہٰذا ذات حق کی رحمت سے مراد فضل و احسان کے ساتھ کسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا متوجہ ہونا ہوگا۔ کیونکہ رحمت کا اطلاق دونوں صورتوں پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ کسی کے لئے دل میں نرمی و رقت پیدا ہو یعنی اس پر بھلائی کرنے کا جذبہ اور خواہش دل میں موجزن ہو لیکن عملاً بھلائی اور احسان کر سکنے کی استطاعت نہ ہو۔ اس حالت میں احسان کا صدور تو نہیں ہو سکا لیکن دل رقت کے ساتھ احسان کرنے کی خواہش ضرور کرتا رہا۔ مخلوق میں بسا اوقات ایسی رحمت کی صفت پائی جاتی ہے۔ کئی انسان دل سے کسی کے ساتھ ہمدردی اور بھلائی کرنا چاہتے

Marfat.com

ہیں لیکن کر نہیں سکتے۔ یہ خوبی بہر حال بلا اختلاف رحمت کہلاتی ہے۔

دوسری صورتِ رحمت حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہے کہ وہ ذات دل اور رقت وغیرہ سے پاک ہے۔ وہ جس پر رحم کرنا چاہتی ہے' اس کی طرف فضل واحسان کے ارادے سے متوجہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مجرد ارادہ فضل واحسان سے باری تعالیٰ کے التفات و توجہ کو اس کی رحمت کہتے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ اسی امتیاز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قد تستعمل تارة فی الرقة المجردة و تارة فی الاحسان المجرد عن الرقة نحو: رحم الله فلانا' واذا وصف به الباری فلیس یراد به الا الاحسان المجرد دون الرقة و علی هذا روی ان الرحمة من الله انعام و افضال ومن الادمیین رقة و تعطف و علی هذا قول النبی ﷺ ذاکرا عن ربه انه لما خلق الرحیم قال له انا الرحمن و انت الرحیم' شققت اسمك من اسمی فمن وصلك وصلته و من قطعك بتة" فذالك اشاره الی ما تقدم و هو ان الرحمة منطوية علی معنیین: الرقة والاحسان فرکز تعالی فی طبائع الناس الرقة و تفرد بالاحسان"

(المفردات: ۱۹۱)

مذکورہ بالا تصریح سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مخلوقات عالم پر محض فضل واحسان کے ارادے سے متوجہ ہونا باری تعالیٰ کی رحمانیت ورحیمیت ہے۔ اور رقتِ قلب کے ساتھ کسی پر احسان کے ارادے سے متوجہ ہونا انسانوں کی رحیمیت ہے۔

رحمتِ حق کا حقیقی تصور

رحمت حق کے حقیقی تصور کو اس کی آفاقیت کے حوالے سے جانا جا سکتا ہے۔ پوری کائنات میں کار فرما نظامِ قدرت کا ایک ایک گوشہ رحمتِ باری تعالیٰ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ عالم ہستی میں ظہور پذیر ہونے والے احوال وواقعات کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں جو درحقیقت رحمت حق پر دلالت نہ کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے اپنی ذات کی

Marfat.com

نسبت واضح طور پر لزوم رحمت کا حکم صادر فرمایا۔

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام ۶: ۱۲)

اس نے اپنی ذات پر رحمت لازم فرمالی ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔

فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام ۶: ۵۴)

آپ (ان سے شفقتاً) فرمائیں کہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات (کے ذمہ کرم) پر رحمت لازم کرلی ہے۔

لزوم رحمت کے اس واشگاف اعلان کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ افعال الٰہی میں سے کوئی بھی فعل خلافِ رحمت ہو' خواہ وہ ظاہر اً عذاب ہی کیوں نہ دکھائی دے رہا ہو۔ اس لحاظ سے کائنات ہست وبود پر نظر ڈالی جائے تو رحمت الٰہی کی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ "حسی رحمت اور معنوی رحمت" جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً۔ (لقمان ۳۱: ۲۰)

اور اللہ نے تم پر حسی وظاہری طور پر بھی اور معنوی وباطنی طور پر بھی اپنی نعمتیں پوری کردیں۔

رحمتِ حق کی حسی صورت

اس سے مراد حیات انسانی کے وہ اوصاف واحوال ہیں جو ظاہر اُو شکلاً ہر ایک کو رحمت معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی افادیت میں کسی کو شک نہیں' اور ہر وجود بلا امتیاز رب العالمین کی ان کھلی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ یہ باری تعالیٰ کے وہ ظاہری انعامات واحسانات ہیں جن کا کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آپ انسانی خلقت کے اندر غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ باری تعالیٰ نے انسان کو عالم آب وگل میں وجود عطا کر کے اس دنیا کی رنگینیوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے کتنی جسمانی نعمتوں سے بہرہ

Marfat.com

ور کیا ہے۔ اس نے انسان کو سب سے پہلے ایک متوازن اور معتدل اعضا پر مشتمل ایسا خوبصورت وجود بخشا، جسے تمام حسی مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo	بے شک ہم نے انسان کو اچھی صورت پر بنایا۔
(والتین، ۹۵:۴)	

یہی وجہ ہے کہ انسان دیگر جاندار مخلوقات کو دیکھ کر احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتا۔ اسے اپنے برتر ہونے کا بخوبی علم ہے۔ اسے آنکھیں عطا کیں کہ نظارۂ فطرت سے لطف آشنا ہو سکے، ورنہ مناظر حسن و جمال کی لذتوں سے ناآشنا رہتا۔ اسے کان عطا کئے کہ وہ سن سکے، ورنہ صوتی احساسات سے نابلد ہو کر اس کی زندگی کا آدھا حسن جاتا رہتا۔ پھر اسے دل و دماغ عطا کیے کہ سوچ سکے اور جذبات کا حامل ہو سکے۔ ورنہ شعوری اور لاشعوری فیصلوں کی صلاحیت سے محروم ہوتا۔ ان نعمتوں کا ذکر قرآن اپنے الفاظ میں اس طرح کرتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo	اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤo
(النحل، ۱۶:۷۸)	

اسی طرح رات اور دن کے امتیاز کو بھی انسان کے لئے رحمت بنادیا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَo	اور یہ بھی اللہ کی رحمتوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن الگ الگ بنا دیئے۔ تاکہ تم رات کے وقت راحت پاؤ

Marfat.com

(القصص ۲۸: ۷۳)

اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو (یعنی کاروبار معیشت میں سرگرم رہو) تاکہ تم خدا کی نعمتوں کا شکر بجالا سکو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ۔

(الانعام ۶: ۱۴۲)

اور وہی ہے جس نے برداشتہ اور غیر برداشتہ (یعنی بیلوں کے ذریعے چڑھائے گئے اور بغیر اوپر چڑھائے گئے) باغات پیدا فرمائے اور کھجور (کے درخت) اور زراعت جس کے پھل گوناگوں ہیں اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور (ذائقہ میں) جداگانہ ہیں (بھی پیدا کئے)۔

انسانی زندگی میں ازدواجیت کو بھی ایک خاص قسم کے سکون اور لطف کا باعث بنا دیا، ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً۔

(الروم ۳۰: ۲۱)

اور یہ بھی اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے جوڑے (یعنی مرد اور عورت) پیدا کردیئے تاکہ تم ایک دوسرے سے سکون پاؤ اور پھر اس نے تمہارے درمیان (یعنی مرد اور عورت کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کردیا۔

Marfat.com

قرآن نے ایک اور مقام پر کائناتی سطح پر موجود حسی رحمتوں کا بیان اس طرح کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ
وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی
الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهٰرَ ○
وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ○
وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ
تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ
الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ○

(ابراہیم' ۱۴:۳۲-۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا پھر اس پانی کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے طور پر پھل پیدا کئے اور اس نے تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے سمندروں میں چلتی رہیں اور اس نے تمہارے لئے دریاؤں کو (بھی) مسخر کر دیا اور اس نے تمہارے (فائدہ) کے لئے سورج اور چاند کو (باقاعدہ ایک نظام کا) مطیع بنا دیا جو ہمیشہ (اپنے اپنے مدار میں) گردش کرتے رہتے ہیں اور تمہارے (نظام حیات) کے لئے رات اور دن کو بھی (ایک) نظام کے تابع کر دیا اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا فرما دی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو (تو) پورا شمار نہ کر سکو گے بے شک انسان بڑا ہی ظالم بڑا ہی ناشکر گزار ہے ○

باری تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بعض حسی صورتوں کو گنوا کر بالآخر یہ کہہ دیا کہ کس

Marfat.com

کس رحمت کا ذکر کیا جائے۔ یہ سلسلہ تو کوئی حد وانتہا ہی نہیں رکھتا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ انسان کو اپنی زندگی کی جملہ آسائشوں اور لذتوں کے لئے جو کچھ مطلوب تھا خواہ اسے اس کا شعور بھی تھا یا نہیں، ہم نے بغیر اس کے مانگے اسے سب کچھ مہیا کر دیا۔ لہٰذا کائنات ارض و سما کی وسعتوں میں جس طرف چاہو نگاہ اٹھالو، اس کی رحمت کے نظارے نکھرے ہوئے نظر آئیں گے، چونکہ خدا کی رحمتیں ہر قدم پر فراوانی کے ساتھ انسان کو میسر ہیں، اس لئے اسے ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہے۔

رحمت حق کی معنوی صورت

مذکورہ بالا گفتگو سے رحمت حق کی حسی صورت واضح ہو چکی ہے۔ راحتیں تو رحمت حق کی حسی صورتیں تھیں ہی، مگر زندگی کی تکلیفیں بھی اس کی رحمت کی معنوی صورتیں قرار دی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کارگہ حیات میں کوئی بھی شئے زحمت نہیں۔ انسان کو کیا خبر کہ پانی کتنی بڑی نعمت ہے اس کا اندازہ تو صرف اسی کو ہو سکتا ہے جس نے کبھی پیاس کی شدت محسوس کی ہو۔ اسے کیا خبر کہ دھوپ کتنی بڑی نعمت ہے اس کا علم تو انہیں لوگوں کو ہے جو موسمی اثرات کی وجہ سے عرصہ دراز تک سورج کی کرن کو ترستے ہیں۔ اسے کیا خبر کہ نیند کتنی بڑی نعمت ہے اس کا اندازہ ان سے پوچھو جو بدقسمتی سے معذور ہو گئے ہوں یا جسمانی صحت سے محروم ہوں۔ مختصر یہ کہ ظلمت کے بغیر دن کا، بیماری کے بغیر صحت کا، دھوپ کے بغیر سائے کا، سفر کے بغیر حضر کا، گمراہی کے بغیر ہدایت کا، باطل کے بغیر حق کا اور شر کے بغیر خیر کا، یعنی تضاد کے بغیر کسی حقیقت کی اصل افادیت کا پوری طرح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ مگر انسان کتنا بے انصاف اور احسان فراموش ہے کہ اسے نعمت ملے تو بھی شکر ادا نہیں کرتا اور محروم ہو جائے تو بھی نعمت کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی بندے پر کوئی تکلیف آجائے تو وہ اس کے لئے نعمت اور رحمت کیسے بنتی ہے اسکی وضاحت آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

(ا) تکلیف بنائے احساس رحمت ہے

تکلیفوں کا رحمت ہونا دو طرح سے ہے۔ ایک اس طرح کہ تکلیف کے بغیر نعمت کی لذت' لذت نہیں رہتی۔ تکلیفیں نہ ہوں تو نعمت و راحت انسانی زندگی کے لئے کسی بھی خصوصی لطف کا باعث نہ رہیں۔ یہ تکلیفیں ہی ہیں جو حیات انسانی کو لذت آشنا کر دیتی ہیں۔ اور دوسرے اس طرح کہ راحت کے بالمقابل تکلیف کے وجود سے نہ صرف راحت اپنا صحیح مقام حاصل کرتی ہے بلکہ زندگی بھی اسی اتار چڑھاؤ سے صحیح زندگی قرار پاتی ہے۔ اگر یہ حرکت نہ ہو اور زندگی میں ایک ہی حالت کارفرما ہے تو اس میں اور موت میں کیا فرق باقی رہے گا۔ کیونکہ راحت و تکلیف دونوں کے لزوم کے بغیر نہ زندگی کا کوئی مقصد باقی رہتا ہے نہ جدوجہد کا وجود۔ اس بزم حیات کی گرمی اور رونق' راحت و تکلیف دونوں کے دم قدم سے ہے۔ اگر ایک عنصر کلیتاً ختم ہو جائے تو زندگی سوائے جمود و تعطل کے کچھ باقی نہ رہے۔ زندگی تو نام ہی سعی' پیہم اور جہد مسلسل کا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان راحتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اگر تکلیف کا وجود باقی نہ رہے اور صرف راحت ہی راحت ہو تو پھر سعی و کاوش کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ آپ روزمرہ کے معمولات میں بھی اس امر کا اندازہ لگاتے ہوں گے کہ اگر کرنے کا کوئی کام نہ ہو' بالکل فراغت ہو تو انسان بیٹھا بیٹھا اکتا جاتا ہے۔ حتی کہ وہ وقت گزارنے کے لئے خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف کر لیتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بے مقصدیت اور جمود و تعطل زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہنے دیتے۔ اصل لطف کسی لذت کو پانے کی آرزو اور اس کی کوشش میں ہے۔ جو لذت بغیر محرومی کے اور بغیر آرزو کے اور بغیر کوشش کے از خود میسر آ جائے وہ درحقیقت لذت نہیں رہتی۔ چنانچہ اس خلاق اعظم نے حیات انسانی کے لئے لاکھوں نعمتوں اور راحتوں کو پیدا کیا تاکہ انسان اس سے لذت و سکون حاصل کرے اور اگر ان کے بالمقابل مصائب و آلام اور شدائد و تکالیف کے عوارضات سرے سے پیدا ہی نہ کرتا تو کوئی راحت' راحت نہ رہتی اور کوئی لذت' لذت نہ ہوتی۔ چنانچہ اس نے

Marfat.com

راحت اور اس کی گوناگوں لذتوں کو صحیح مقام دینے کے لئے زندگی میں تکلیفیں بھی پیدا کر دیں تاکہ ان تکلیفوں سے گزر کر انسان جب راحتوں کی منزل تک پہنچے تو اسے وہی لطف محسوس ہو جس کی اسے تلاش تھی۔ اس لئے راحتیں حسی رحمت اور تکلیفیں معنوی رحمت۔ تاکہ انسان کو نعمت بھی ملے، اور اس کا صحیح لطف و لذت بھی ملے اس امر کی وضاحت میں ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا o اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا o

یقیناً تکلیف کے ساتھ راحت ہے۔ یقیناً تکلیف کے ساتھ راحت ہے۔

(الانشراح، ۹۴:۵۔۶)

(۲) تکلیف وجۂ التفاتِ رحمت ہے

جیسا کہ "رحمت کے معنی و مفہوم" کے عنوان کے تحت پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر تکلیف اس وجہ سے معنوی رحمت ہے کہ وہ رحمت و عنایت اور فضل و احسان کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ رحمت کا صدور ضرورت کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کسی کا تکلیف میں مبتلا ہونا رحمت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس لئے تکلیف منافی رحمت نہیں بلکہ سبب رحمت قرار پاتی ہے۔ بسا اوقات تکلیف کے ظاہری عوارض کو دیکھ کر انسان پریشان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں خدا جانے کس وجہ سے مبتلاء زحمت ہوں لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی یہی حالت استحقاق رحمت کی بنیاد ہے۔ جس طرح موت نئی زندگی کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ رات کا اندھیرا نئے دن کے اجالے کی خبر لاتا ہے اور ہر شام نئی صبح کی اساس بنتی ہے۔ اس طرح ہر تکلیف نئی راحت و نعمت کا باعث بنتی ہے۔ دریائے رحمت کسی کو غمزدہ اور گرفتار مصیبت دیکھ کر اتنا جوش میں آتا ہے کہ اس کی بہتری اور بھلائی کی ہزاروں نئی صورتیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ جس کا اسے گمان تک نہیں گزرتا۔ لہٰذا تکلیف اس وجہ سے معنوی رحمت قرار پائی کہ وہ صاحب رحمت کی شفقت و التفات کو پہلے سے بھی زیادہ ارادہ احسان کے ساتھ اپنی طرف

Marfat.com

متوجہ کرلیتی ہے، کسی پریشان حال کے رونے کو مسکراہٹ میں بدل کر ذات رحمٰن ورحیم کو اتنی مسرت ہوتی ہے کہ شاید اس قدر کسی اور پر رحم کرنے سے نہیں۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنے مکشوفات میں بیان فرماتے ہیں کہ:

قلت یا رب ای ضحک افضل عندک؟ قال ضحک الباکین
(الرسالۃ غوث الاعظم، ۱۷)

"میں نے عرض کیا اے پروردگار! کونسی ہنسی تیرے نزدیک اچھی ہے اللہ نے فرمایا۔ رونے والوں کی ہنسی"

اسی طرح ایک اور مقام پر آپؒ نے باری تعالی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

جعلت الفقر والفاقۃ مطیۃ الانسان فمن رکبھا فقد بلغ المنزل قبل ان یقطع البوادی
(الرسالۃ غوث الاعظم: ۴۰)

میں نے فقروفاقہ کو انسان کے لئے بہترین سواری بنایا ہے۔ جو کوئی اس پر سوار ہو گیا وہ راستے طے کئے بغیر منزل تک پہنچ گیا۔

مولانا رومؒ اس تصور کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است
دل گزر گاہ جلیل اکبر است

اصحابِ صفہ کی فقر فاقہ اور مشقت سے بھرپور زندگی کا ایک پہلو ملاحظہ ہو۔

کان اذا صلی بالناس یخر رجال من قامتھم فی الصلوٰۃ من الخصاصۃ و ھم اصحاب الصفۃ حتی یقول الاعراب ھؤلاء

فقر وفاقہ کے باعث ان کی کمزوری اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ نماز میں کھڑے ہوتے تو گر پڑتے۔ ان کی حالت زار دیکھ کر اعرابی انہیں دیوانہ کہتے تھے۔ جس پر

مجانین فاذا صلی رسول اللہ انصرف الیھم فقال لو تعلمون ما لکم عند اللہ لاحببتم ان تزدادوا فاقہ

(جامع ترمذی، ابواب الزھد عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبیؐ، ۲:۵۹، رقم:۲۳۶۸)

رسول خدا ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تمہیں یہ علم ہو جائے کہ ان کی اس حالت زار کا مقام بارگہ الوہیت میں کیا ہے تو تم بھی بکثرت فاقہ اختیار کرنے کو پسند کرو۔

لہٰذا وہ حالت جو خود رحمت الٰہی کا استحقاق پیدا کر دے، بندے کے حق میں زحمت نہیں ہو سکتی۔

(۳) تکلیف خود تادیبی رحمت ہے

تکلیفوں اور پریشانیوں کا معنوی رحمت ہونا بایں وجہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات انسان کے لئے عبرت واصلاح کا باعث ہوتی ہیں۔ ایک چیز بادی النظر میں رحمت معلوم نہیں ہوتی لیکن اس کی حقیقت اور انجام کو دیکھا جائے تو وہ بھی رحمت ہوتی ہے۔ مثلاً اولاد یا شاگرد کی خطا پر ازراہ تعلیم و تادیب اس کو مارنا ظاہراً زحمت اور تکلیف معلوم ہوتا ہے، مگر یہ بھی فی الواقع رحمت ہے۔ کیونکہ اس بچے پر احسان یہی ہے کہ اسے بری عادات سے بچایا جائے۔ خطاکاری اور بداعمالی سے محفوظ کر کے اس کی صحیح تربیت کی جائے۔ اگر اس سزا سے وہ بچہ برے انجام سے بچ جائے تو کیا یہ سزا اس کے لئے زحمت ہوئی یا رحمت؟

اگر اسے سزا نہ دی جاتی۔ پیار کیا جاتا اور اسے غلط راستے پر بدستور گامزن رہنے دیا جاتا تو انجام کار وہ نہ صرف اپنی تباہی و ہلاکت کا باعث ہوتا بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد بھی اس کی بدکرداریوں کے منفی اثرات سے متاثر ہوتے اور ان کے لئے اس کا عمل اذیت کا باعث ہوتا۔ چنانچہ تادیبی سزا جو اس وقت بادی النظر میں تکلیف اور زحمت معلوم ہو رہی

Marfat.com

تھی اس کے لئے بھی اور باقی معاشرے کے لئے رحمت بن گئی۔ اسی طرح حیات انسانی میں پیش آنے والے مصائب و آلام رب العالمین کی شان ربوبیت ہی کا ایک پہلو ہیں۔ انسان کو کیا خبر کہ ایک تکلیف نے جسے وہ زحمت سمجھ رہا ہے اسے کتنے برے انجاموں سے بچالیا۔ بسا اوقات ایک حادثہ کسی انسانی زندگی کو ہمیشہ کے لئے سنوار دینے کا باعث ہو جاتا ہے۔ لہٰذا رب رحمٰن اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت انسان کی بہتری کے لئے اسے مختلف حالتوں سے دوچار کرتا رہتا ہے۔ ہر حالت حقیقت میں اس کے لئے رحمت ہوتی ہے۔ مگر انسان کو بعض اوقات اس کا شعور نہیں ہوتا، قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

عَسٰیٓ اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ عَسٰیٓ اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ۔

(البقرہ، ۲:۲۱۵)

اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بہتر ہو اور (یہ بھی) ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ (حقیقتاً) تمہارے لئے بری ہو۔

انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جسے وہ تخریب سمجھ رہا ہے، وہ بھی کسی تعمیر کا پیش خیمہ ہو گی۔ سونے پر بھٹی کی آگ سے گزرنے اور کٹھالی میں پگھلنے کا مرحلہ نہ آتا تو اسے خالصیت اور چمک دمک نصیب نہ ہوتی۔ لکڑی کا سینہ آرے میں نہ چرتا تو خوبصورت فرنیچر معرض وجود میں نہ آتا۔ مٹی بھٹے کی آگ میں نہ جلتی تو دیدہ زیب عمارات منصۂ شہود پر نہ آتیں۔ پتھروں کے وجود ریزہ ریزہ نہ ہوتے تو ہزاروں مصنوعات کی تخلیق نہ ہوتی، ہیرے کے کونے نہ تراشے جاتے تو اس کی آب و تاب اور جلوہ ریزیاں نہ نکھر سکتیں۔ مالی درختوں اور پودوں کی شاخیں نہ کاٹتا تو باغ کا حسن نہ نکھر سکتا۔ الغرض کونسا کام دنیا میں ایسا ہے جس میں ظاہری تکلیف کے بغیر حسن و کمال نصیب ہو جاتا ہو۔ یہ سب احوال زندگی باری تعالیٰ کی رحمت کے پرتو ہیں خواہ حسی ہوں یا معنوی۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے بجائے اپنی دیگر صفات کے ذکر کے صفت رحمت کے ذکر کو منتخب فرمایا کیونکہ یہ اس کا ایسا وصف تھا جو ہر فعل میں جلوہ گر تھا۔

Marfat.com

باب ٦

تسمیہ کی
عملی حکمت وافادیت

Marfat.com

تسمیہ کی عملی حکمت وافادیت کے ذکر سے پہلے ضروری ہے کہ مطالعہ قرآن کے متعلق دو اہم امور ذہن نشین کر لئے جائیں۔

مطالعہ قرآن سے متعلق دو اہم امور

ایک یہ کہ قرآن تمام نوع انسانی کی فکری اور عملی ہر دو طرح کی اصلاح کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس لئے قرآن سے صرف فکری، نظریاتی اور اعتقادی اصلاح کی آرزو رکھنا اور عملی زندگی کی کامیابی کے لئے اس سے ہدایت اخذ نہ کرنا، ایک اعتبار سے قرآن کی جامعیت وکاملیت کا انکار ہے۔ کیونکہ قرآن انسانوں کی عملی زندگی کو سنوارنے اور انہیں کارگہ حیات میں عملی کامیابیوں کی راہ دکھانے کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ اسلام اور فکر قرآن کا دم بھرنے کے باوجود اس کشمکش حیات میں عملی نتیجہ خیزی کے لحاظ سے قرآن کو حتمی وقطعی طور پر موثر اور فیصلہ کن ہدایت کا ضامن نہیں سمجھتے۔ اسے ان کی محرومی سمجھئے یا کوتاہ نظری، لیکن قرآن نہ صرف انفرادی اور قومی سطح پر عملی اصلاح کا پیغامبر ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی غلبہ حق کی صورت میں عملی کامیابی وکامرانی کا واضح اعلان کرتا ہے، مگر اس کی شرط ملتِ اسلامیہ کا قرآنی ہدایت پر علی وجہ البصیرت پختہ یقین، کامل اعتماد اور خلوص نیت کے ساتھ کاربند ہونا ہے۔

اسی امر کا دوسرا پہلو بھی ملحوظ رہے کہ قرآن کا مقصد انسانی سیرت وکردار کی اصلاح اور عملی رہنمائی کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی اصلاح بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ حیات

Marfat.com

انسانی کی فکری اور نظریاتی الجھنوں کی خاطر انسان بجائے قرآن کے دوسرے فکری سرچشموں کے سامنے دامن مراد پھیلاتا پھرے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔ (النساء، ۴:۶۰)	(مگر) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمات (فیصلے کے لئے) شیطان (یعنی احکام الٰہی سے سرکشی پر مبنی قانون) کی طرف لے جائیں۔

ایسا اقدام کفر و طاغوت کے سامنے اپنی جبینِ نیاز کو سرنگوں کرنے کے مترادف ہو گا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کو اس طرح مخالف اسلام شیطانی قیادتوں کے سامنے ذلیل و رسوا ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ قَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۝ (النساء، ۴:۶۰)	حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس کا (کھلا) انکار کر دیں اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ انہیں دور دراز گمراہی میں بھٹکاتا رہے۝

اب اگر کسی وقت بھی مسلم قیادت پر دربدر بھٹکنے کی حالت طاری ہو تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں ہے۔ لہٰذا تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیشہ یہ اہتمام قائم رہنا چاہئے کہ قرآن سے فکری اور عملی ہر دو طرح کی اصلاح میسر آئے، کیونکہ قرآنی ہدایت فکر بھی ہے اور عمل بھی۔

دوسرے یہ کہ قرآن کا خطاب ہر ذہنی سطح کے انسانوں سے ہے۔ ہر چند کہ اس کا نزول ایک خاص طرز و سطح کے معاشرے میں ہوا تھا۔ جس میں آنحضرت ﷺ مقیم تھے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس کا خطاب بھی محض انہیں لوگوں سے یا انہی جیسی ذہنی سطح رکھنے والے لوگوں سے ہے اور مختلف النوع بلند پایہ علمی، فکری اور تحقیقی سطح کے حامل اذہان قرآن کے حلقہ خطاب سے خارج ہیں۔ یہ خیال قرآن اور اس کی تعلیمات کی

Marfat.com

عالمگیریت اور آفاقیت کے خلاف ہے۔ عصر حاضر میں بعض لوگوں نے قرآن کی نسبت یہ مغالطہ پیدا کیا ہے کہ ”قرآن کو دقیق علمی و فکری موضوعات و مسائل سے کوئی سروکار نہیں، اور نہ ہی اس کی تعلیمات میں باریک علمی و عقلی نکات کی گنجائش ہے۔ ایسا بیان تو محض تفسیری نکتہ آفرینیوں کا عمل ہے، جو علماء نے اپنے طور پر قرآن کے نام سے وضع کر لیا ہے، حالانکہ قرآن تو صرف سیدھی سادھی انسانی اصلاح کی بات کرتا ہے۔ یہ تصور مقاصد قرآن کی نسبت جزوی موقف ہے اور اس پر اصرار قرآنی مطالب و تعلیمات کی جامعیت اور ہمہ گیریت کا کھلا انکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں غیر محدود پیمانے پر متفاوت ذہنی سطح کے لوگ موجود ہیں۔ ہر طبقے میں مختلف فکری قابلیتوں اور علمی صلاحیتوں کے حامل افراد پائے جاتے ہیں اور پھر انسانی فکر بھی بدستور ارتقاء کے مراحل طے کر رہا ہے۔ اگر قرآن پوری نوع انسانیت کے لئے ہدایت ہے، تو اسے ہر ایک کی ذہنی سطح اور فکری معیار کے مطابق اپنا پیغام پہنچانا ہوگا۔ ہر ایک کی علمی و نظریاتی طلب کی تسکین کا سامان مہیا کرنا ہوگا۔ ہر ایک کی دینی، تحقیقی جستجو میں پیش آنے والی مشکلات کا حتمی حل میسر کرنا ہوگا اور ذہن انسانی میں ابھرنے والے ان تمام طبیعی اور مابعد الطبیعی سوالات کا حتمی و قطعی جواب دینا ہوگا۔ جنہیں آج تک انسان کے تراشیدہ عقلی علوم حل نہیں کر سکے اور انسان ان کے باعث ہزاروں قسم کی اعتقادی، نظریاتی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہے۔

آخر یہ کس طرح تسلیم کر لیا جائے کہ اگر ایک عام انسان کا اعتقادی یا عملی مسئلہ حل طلب ہو تو قرآن اس کے لئے ہدایت مہیا کرے۔ لیکن عقل و خرد کے وسیع صحراؤں میں حقیقت کی تلاش میں سرگرداں عقلاء و مفکرین اگر فکر و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا ہوں۔ انہیں اعلیٰ علمی دلائل و شہادات کے بغیر تسکین قلب میسر نہ آسکتی ہو اور وہ اپنی سطح و طلب ذہنی کے مطابق قرآن سے اپنے مسائل کا حل طلب کرنے کے لئے اس کا دروازہ کھٹکھٹائیں تو قرآن ان سے یہ کہہ کر معذرت کرے کہ ”میں تو صرف عام انسانوں کی سیدھی سادھی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ مجھے عقلاء و مفکرین عالم کی علمی و فکری جستجوؤں سے کوئی واسطہ

Marfat.com

نہیں" اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ قرآن محض کم پڑھے لکھے لوگوں کے عام معاملات کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے اور زیادہ پڑھے لکھے لوگوں کے ذہنی مغالطوں کا ازالہ اس کے بس کی بات نہیں' (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ایسا نقطہ نظر بھی وہی لوگ پیش کر رہے ہیں جو اسلام کے مکمل نظام حیات اور قرآن کے جامع دستور زندگی ہونے کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ اس سوچ کو فکری تضاد یا ذہنی التباس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام ذہنی سطح کے لوگوں سے لے کر کسی بھی بلند سے بلند تر ذہنی سطح کے افراد تک سب ہی قرآن کے مخاطب ہیں اور ہر ایک کی طلب و ضرورت کے مطابق قرآن نے اپنی تعلیمات بہم پہنچائی ہیں۔

تسمیہ کی عملی حکمت و افادیت

جس طرح قرآنی معارف اپنے اندر علمی و فکری اور عملی و حقیقی دونوں طرح کی افادیت رکھتے ہیں' تاکہ ضرورت مند کو اپنی طلب و جستجو کے مطابق قرآنی دولت میسر آسکے۔ اسی طرح تسمیہ بھی علمی و فکری حکمتوں کے علاوہ بے شمار عملی افادیت کے پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:-

(۱) آداب گفتگو کی تعلیم

قرآن حکیم کی ہر سورت سے پہلے تسمیہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور عبارت قرآن کا آغاز بھی انھی الفاظ سے ہوتا ہے بلکہ خود تسمیہ کے الفاظ پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ان میں بھی باری تعالیٰ کے اسم مبارک کو پوری عبارت پر مقدم رکھا گیا ہے۔ یہ تمام امور آداب گفتگو کے اس بنیادی اُصول کی تعلیم دے رہے ہیں کہ مسلمان اپنی گفتگو کا آغاز ہمیشہ باری تعالیٰ کے مقدس نام سے کریں' تاکہ نہ صرف ان کی زبان و کلام میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہو' بلکہ ان کا مسلمان ہونا بھی ان کی گفتار سے پہچانا جائے۔ گویا تسمیہ انسان پر اسلام اور تعلق باللہ کا ایسا نقش دوام ثبت کرنا چاہتا ہے کہ اس کی گفتگو کا پہلا لفظ ہی اس کے

Marfat.com

عقیدہ و مسلک کا غماز ہو۔ یعنی اسلام کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسی انفرادیت اور تشخص حاصل ہونا چاہئے کہ دیگر امور تو در کنار' وہ طریقہ گفتگو سے بھی ایک الگ قوم کی حیثیت سے نمایاں نظر آئیں۔ جہاں متعدد افراد تحریر و تقریر کے ذریعے اپنا اپنا مافی الضمیر بیان کر رہے ہوں۔ وہاں کسی کو مسلمان کی بابت یہ سوال نہ کرنا پڑے کہ وہ کہاں ہے؟ وہ خود ہی اپنے طرزِ کلام اور اندازِ خطاب سے عیاں ہو جائے۔ گفتگو کا آغاز ہی خالق و مالک کے نام سے کرنا دراصل ذات حق پر کامل یقین اور عقیدہ توحید سے پختہ وابستگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے بحیثیت مسلمان عقیدے کی صحت و حقانیت پر مکمل وثوق و اعتماد کا اظہار ہوتا ہے اور اس طرح اس کی اسلامیت ظاہرا بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے۔

(۲) آداب معاشرت کی تعلیم

تسمیہ انسان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی کے تمام امور میں اسلام کا رنگ نمایاں کرنا چاہتی ہے' یہی روح دین ہے۔ اسلام اہل ایمان کو اپنی زندگی کے ہر معاملے میں بحیثیت مسلمان نبھا کرنے کی تلقین اس لئے کرتا ہے کہ عقیدہ اسلام کی چھاپ نہ صرف اس کی گفتار پر ہو بلکہ پورے کردار پر بھی نمایاں ہو سکے' قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً۔ — اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

(البقرہ' ۲:۲۰۸)

آنحضرت ﷺ نے تاکید و تکرار کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ہر کام کا آغاز بسم اللہ سے ہونا چاہئے بلکہ جو کام بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام رہتا ہے۔ یعنی برکت و فضیلت سے خالی ہوتا ہے۔ اسلام کے آداب معاشرت کا سب سے بڑا اور بنیادی اصول ہی یہی ہے کہ مسلمان اپنے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کریں۔ گویا باری تعالیٰ کے نام سے آغاز کرنا نہ صرف گفتگو کا شعار ہو بلکہ جملہ امور حیات میں پہلا قدم ہی اسی نام سے اٹھے۔

Marfat.com

یہاں مسلمانوں کا مذہبی اور ملی تشخص مزید نمایاں ہو کر ابھر آتا ہے کہ کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے' پڑھنے لکھنے' الغرض انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام افعال واحوال اور پوری انسانی بود وباش پر ایک ہی رنگ چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے' اور وہ رنگ توحید ہے۔ اس حوالے سے مسلمانوں کے ملی تشخص کا ذکر قرآن میں یوں ملتا ہے۔

وَلَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ٥ (البقرہ' ۲:۱۳۹)	اور ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں اور ہم تو خالصتاً اسی کے ہو چکے ہیں۔

اس اعلان وفاداری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنا کوئی کام بھی اس ذات کے نام کے بغیر شروع نہ کرے۔ گویا تسمیہ کی دوسری عملی حکمت وافادیت یہ ہے کہ یہ ایک مسلمان کے لئے ذات حق سے وفاداری اور اس کی غلامی کا ایسا قلادہ ہے' جس کے ذریعے وہ قدم قدم پر پہچانا جاتا ہے۔ یہ قلادہ غلامی اس کے بندوں میں باغی اور اطاعت گزار کی تمیز کر دیتا ہے۔ اہل دل تو محبوب سے بصد اصرار اس کے قلادہ غلامی کی طلب کرتے ہیں۔ بقول حافظ:

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی
چرا بگردن حافظ' نمی نہی رسنی

(ترجمہ) میں نے سنا ہے کہ آپ اپنے کتوں کی گردن میں قلادہ ڈالتے ہیں کیا وجہ ہے کہ حافظ کی گردن ابھی تک اس سے خالی ہے۔

لیکن اس محبوب حقیقی نے اپنے بندوں کی پہچان کے لئے تسمیہ کی صورت میں خود ہی قلادہ وفاداری مہیا کر دیا ہے۔ زندگی کے ہر معاملے میں اس کا نام کیوں نہ لیا جائے۔ جب اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ مردِ مومن کا جینا اور مرنا سب کچھ اسی کے لئے ہوتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

قُلْ اِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَo قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo

(الانعام '۶:۱۶۱۔۱۶۲)

فرما دیجئے بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی ہدایت فرما دی ہے (یہ) مضبوط دین (کی راہ ہے اور یہی) اللہ کی طرف یکسو اور ہر باطل سے جدا ابراہیم کی ملت ہے اور وہ مشرکوں سے نہ تھے۔ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج و قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

متذکرہ بالا دو آیتوں میں سے پہلی آیت مردِ مومن کے شعارِ حیات کے عنوانات بیان کر رہی ہے کہ وہ صراط مستقیم ہے 'دین قیم ہے 'ملتِ ابراہیمی ہے۔ اس کا خاصہ "حنیفیت" ہے جس کا معنی "ہر باطل سے جدا اور ممتاز رہنا" ہے۔ شعارِ ایمان یہ ہے کہ وہ ہر غلط کام سے الگ رہنا چاہتا ہے 'دین صحیح کسی سطح پر بھی شیطانی خیالات و تصورات اور باطل و مشرکانہ شعار و اطوار سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا 'اس کی سرشت میں ہی امتیاز و انفرادیت کی خاصیت رکھ دی گئی ہے 'اور پھر دوسری آیت میں مرد مومن کے اس منفرد شعار حیات کا مضمون مندرج ہے۔ جس کا عنوان پہلے مذکور ہو چکا ہے اور وہ مضمون یہ ہے کہ اس کی تمام عبادتیں اور ایثار و قربانی کے اعمال اور اس کا جینا اور مرنا الغرض پوری زندگی آغار سے انجام تک اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہوتی ہے۔ "لا شریك له" وہ رب العالمین کے سوا کسی اور کو اپنا منتہائے مقصود تصور نہیں کر سکتا "وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ" اور مرد مومن کو اسی کمال درجے کی وفاداری 'غلامی اور اخلاص کا حکم دیا گیا ہے ' "وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" اور سب سے پہلے اس کی بارگہ عظمت میں سر تسلیم خم کرنا اس کا شعار اسلام اور دلیل ایمان ہے۔ گویا اسلام زندگی کے ہر معاملے میں مسلمانوں کو ایک مخصوص اور منفرد رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا

Marfat.com

مدعا یہ ہے کہ مسلمان اپنی معاشرت و معیشت اور تہذیب و ثقافت میں ایک الگ قوم نظر آئیں۔ ان کا شعار زندگی دیگر تہذیبوں اور معاشروں سے مابہ الاشتراک خصائص پر نہیں بلکہ مابہ الامتیاز خصائص پر مبنی ہو اور معاشرت میں اس امتیاز کی بنیاد یہی ہے کہ ان کا ہر کام خالصتاً اللہ کے نام سے شروع ہو اور اسی کی رضا پر منتج ہو۔ یعنی ہر معاملے میں ذات باری تعالیٰ کے ذکر کو ہی ابتداء و انتہا کا درجہ حاصل ہو' جیسا کہ اس شعر میں مذکور ہے۔

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

(۳) ترکِ تکبر کی تعلیم

تسمیہ کی تیسری عملی حکمت وافادیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان کو جملہ امور حیات میں غرور اور فخر و مباہات کا انداز ترک کر دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان جب بھی کوئی کام کرنے لگے' خواہ اس میں اس کی کتنی محنت و مشقت ملوث ہو۔ کتنی صلاحیتیں اور استعدادیں زیر کار ہوں اور اس سے بے شک اس کے کتنے ہی شخصی اوصاف و کمالات اجاگر ہو رہے ہوں۔ لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے تاکہ اس کے ذہن میں یہ تصور راسخ رہے کہ یہ سب کچھ رب کائنات کی مدد سے انجام پا رہا ہے۔ اس کی اعانت و نصرت کے بغیر میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میری تمام قوتوں اور صلاحیتوں کا سرچشمہ وہی ذات ہے۔ تسمیہ انسان کے عمل کو کبر و نخوت سے پاک کر کے تواضع اور انکساری کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اور انسان کو ہمیشہ اپنی بے بسی اور بے کسی کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے' تاکہ اس کے دل و دماغ میں رعونت کا بت تعمیر نہ ہونے پائے۔ انسان اپنے اعمال و افعال اور کامیابیوں اور کامرانیوں میں بجائے اپنی صلاحیتوں پر فخر کرنے کے ہمہ وقت اس کے سامنے جھکتا اور اس کا شکر بجا لاتا رہے' جس طرح تمام خیرات و حسنات کے مبدا کامل اور پیکر اتم ﷺ سے ان کی کثرت ریاضت و عبادت اور بے پناہ گریہ و

Marfat.com

زاری کا سبب دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ تو تمام خطاؤں اور گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں اور نیکی و تقوی خود آپ ﷺ کے اعمال وافعال سے وجود پاتے ہیں تو آپ ﷺ کو آخر اس قدر محنت ومشقت کی کیا ضرورت ہے؟

حضور ﷺ نے جواب دیا۔

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًاo کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبیؐ اللیل حتی ترم قدماہ' ۱: ۱۵۲' رقم: ۱۰۷۸)

(۴) ادب بندگی کی تعلیم

ترک تکبر کے بعد تسمیہ انسان کو کامل بندگی کے آداب بھی سکھاتا ہے اور آداب بندگی میں سب سے بنیادی ادب "مقام شکر" ہے' جب کوئی فاعل اخلاق اپنے ہر فعل کا آغاز ہی نام حق سے کرتا ہے تو وہ ایک اعتبار سے اپنی ذات سے صادر ہونے والے فعل پر پہلے ہی باری تعالیٰ کا شکر ادا کر دیتا ہے۔ کیونکہ شکر کسی کی نعمت واحسان پر اس کی تعریف ہے۔ جستجو میں پیش آنے والی مشکلات کا حتمی حل میسر کرنا ہوگا اور ذہن انسانی میں ابھرنے والے ان تمام طبیعی اور مابعد الطبیعی سوالات اور کمال کی بنا پر اپنا فعل صادر کرنے سے پہلے اپنے منعم ومعطی کا شکر بجالاتے ہوئے اس کی توصیف کرنے لگتا ہے کہ "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے" یہ کمال بندگی ہے کہ وہ صدور فعل سے بھی پہلے محض اس کی توفیق وانعام کے شعور کی بنا پر اپنے آقا و مولی کی تعریف کرنے لگے۔ صدور فعل سے پہلے باری تعالیٰ کا نام لینا اس امر کو متعین کرنے کے مترادف ہے کہ جو کچھ میری ذات سے صادر ہونے والا ہے' وہ میرا نہیں بلکہ میرے رب کا کمال ہے۔ لہذا اتنی فنائیت کیساتھ اپنے کمالات کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا "کامل بندگی" کی علامت ہے۔ ہمیشہ سے مقبولان خدا کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے کمالات وکرامات کو باری تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف ہی منسوب کرتے رہے ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک یہ طریقہ قرب کے بلند مقامات میں سے ہے جسے "قرب فرائض" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تسمیہ اور قرب فرائض

اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو تسمیہ کی ساری تعلیم درحقیقت بندگی میں قرب فرائض کے آداب سکھاتی ہے' جہاں بندہ اپنے ہر کمال کو رب ذوالجلال کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس کے برعکس قرب نوافل مقابلتاً ادنی درجہ ہے۔

اس مقام پر بندہ اپنے افعال و کمالات کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا ہے' حالانکہ فی الحقیقت قدرت فعل اور توفیق کمال تو ہر ایک کو بارگاہ الوہیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ لیکن جوں جوں مقام ولایت بلند ہوتا چلا جاتا ہے' ادراک حقیقت کی استعداد بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور بالاخر ایک مقام وہ آتا ہے جہاں عارف ہر فعل کی نسبت فاعل حقیقی کی طرف کرنے لگتا ہے۔ قرب نوافل کی بناء پر نسبت کمال کو اپنی طرف کرنے اور قرب فرائض کی بنا پر نسبت کمال کو باری تعالیٰ کی طرف کرنے کے درمیان فرق کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حوالے سے اس طرح واضح کیا ہے۔

"فرمایا کہ قم باذنی قرب نوافل ہے مرتبہ الوہیت میں کہ عروج میں پیش آتا ہے۔ جیسا کہ شمس تبریز پر گزرا اور "قم باذن اللہ" قرب فرائض اور یہ نزول بعد العروج پیش آتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مرتبہ میں تھے اور یہ مرتبہ اعلیٰ ہے اول سے' شرک و کفر کہنا اس کو بھی جہل ہے۔" (حاشیہ از مولانا تھانوی)

قولہ قم باذنی قرب نوافل ہے۔ اقول جس کی تعبیر اصطلاحی اس عنوان سے کرتے ہیں کہ عبد فاعل ہو اور حق تعالیٰ الہ اور قرب فرائض کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فاعل ہو اور عبد الہ اور یہ اول سے اعلیٰ ہے سو! قم باذنی میں احیاء کی اسناد عبد کی طرف ہے اور باذن اللہ میں حق کی طرف۔" (امداد المشتاق: ۱۷)

Marfat.com

تسمیہ اور مقام تکوین

یہ حقیقت ہے کہ باری تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے کئی ایک کو "مقام تکوین" سے نوازتے ہیں جس کی تصریح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہ یا ابن ادم انا اللہ الذی لا الہ الا انا اقول للشئی کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشئی کن فیکون وقد فعل بکثیر من انبیائہ و اولیائہ و خواصہ من بنی ادم۔

(فتوح الغیب، مقالہ ۱۶)

(بھجۃ الاسرار و معدن الانوار: ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے۔ اے ابن آدم میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں جب کسی چیز کو کن کہتا ہوں تو وہ ہو جاتی ہے، تو میری اطاعت کر، میں تجھے بھی یہ مقام عطا کردوں گا کہ جب تو کسی چیز کو کن کہے گا تو وہ ہو جائے گی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و اولیاء اور خواص بنی آدم میں سے کافی لوگوں کو یہ مقام عطا کیا ہے۔

آپؒ نے کئی اور مقامات پر بھی مقام بندگی کی یہ شان و منزلت بیان کی ہے۔ جس سے بعض خواص کا صاحبِ تکوین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ، امام تاج الدین سبکیؒ، امام عبدالرحمٰن جامیؒ، ملا علی قاریؒ، امام جلال الدین سیوطیؒ، شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، امام عبدالوہاب شعرانیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، امام یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ، مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ وغیرہم نے بھی اہل اللہ میں سے بعض افراد کا مقام تکوین پر فائز ہونا بیان کیا ہے۔ اس موضوع کی تفصیلات سے آگاہ ہونے کے لئے امام نبہانی کی کتاب "جامع کرامات الالیاء" یا مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "جمال الاولیاء" کا مطالعہ فرمائیں۔ انہوں نے اسی امر کی تائید میں متعدد دلائل و شہادات فراہم کی ہیں۔ الغرض مقام

Marfat.com

تکوین کے حامل ہونے کے باوجود مقبولان الٰہی اپنے ہر کمال بلکہ فعل تکوین کو بھی ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ ادب بندگی کا تقاضا یہی ہے۔ عظیم محدث وفقیہہ امام عبدالوہاب شعرانیؒ اس کی وضاحت یوں فرماتے ہیں۔

فان قیل فاذا اعطی الحق تعالی بعض خواصه فی هذه الدار حرف کن هل یتصرف بها ام الادب ترکه (فالجواب) کما قال الشیخ فی الباب السابع والسبعین و مائة ان من ادب اهل الله تعالی اذا اعطاهم الله تعالی التصرف بلفظة کن فی هذه الدار لایتصرفون بها لان محلها الدار الاخرة و لکنهم جعلوا مکان لفظة کن بسم الله لیکون التکوین لله تعالی ظاهراً کما هوله تعالی باطناً۔

(الیواقیت والجواہر ۱: ۱۴۷)

(اگر یہ کہا جائے) کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے بعض خواص کو حرف کن عطا کرتے ہیں تو کیا وہ اس سے تصرف بھی کرتے ہیں یا ادباً ترک کر دیتے ہیں؟ (پس اس کا جواب یہ ہے) جیسا کہ شیخ نے باب ۱۷۷ میں بیان فرمایا ہے کہ بے شک اہل اللہ کا ادب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں لفظ کن کا تصرف عطا فرمادیں تو وہ اس تصرف کو استعمال میں نہیں لاتے کیونکہ اس کا مقام دار آخرت ہے۔ لیکن وہ تصرفات میں بجائے لفظ کن کہنے کے بسم اللہ کہہ لیتے ہیں تاکہ تکوین کی نسبت ظاہراً بھی اللہ کی طرف ہو جائے جیسے کہ باطناً ہے۔

یہی وہ مقام تکوین ہے جہاں مرد مومن کی نگاہ سے تقدیریں بدلتی ہیں، کیونکہ خود رضائے الٰہی ہر لمحہ بندے کی خواہش و آرزو کی منتظر ہوتی ہے اور قدرت الٰہی اس کی تکمیل کی۔ جس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

Marfat.com

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

(آل عمران '۳:۳۱)

(اے حبیب!) آپ فرما دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

کیا اللہ کا محبوب ہو جانا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ تقدیر الٰہی خود بندے کی آرزو کی تکمیل بن جائے؟ اقبالؒ اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ وہ مقام بندگی ہے جہاں بندے کی ہر آرزو اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کا پورا کرنا خود غیرت الٰہیہ اور باری تعالیٰ کی شان محبیت کا تقاضا بن جاتا ہے' کیونکہ بندہ محبوب بن جائے تو پھر وہ منتظر ہی نہیں منتظر بھی ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

عن ابی هريرة ان رسول اللهﷺ رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم على الله لابره۔

(صحیح مسلم' کتاب البر والصلہ والادب' باب فضل الضعفاء والخاملین' ۲: ۳۲۹' رقم: ۲۶۲۲)

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کتنے منتشر بالوں والے بندگان خدا ایسے ہیں جنہیں دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے لیکن ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی معاملے میں اللہ کی قسم کھا لیں تو غیرت خداوندی ان کی قسم بہر صورت پوری کر کے رہتی ہے۔

آخر ایسا کیوں نہ ہو۔ ہر محب اپنے دوست اور محبوب کی ہر آرزو کو پورا کرنا اپنا مقصدِ زیست سمجھتا ہے۔ لیکن تسمیہ ایسا ادب بندگی ہے کہ اس مقام پر جہاں بندہ خود مطلوب و مقصود بن جاتا ہے' پہنچ کر بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا اور یہ کس طرح نظر انداز ہو تا کہ جملہ

مقامات بندگی بھی تو اسی ادب و قرینہ کے باعث نصیب ہوتے ہیں۔

(۵) توحید و توکل کی تعلیم

تسمیہ کی عملی حکمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب انسان اپنے ہر کام کے آغاز میں اپنے خالق و مالک کا نام لے تو اس سے اسے تین فوائد حاصل ہوں۔

☆ ایک اس کے دل و دماغ میں باری تعالیٰ کی معیت اور رفاقت و مصاحبت کا احساس پیدا ہو۔

☆ دوسرے اس کام کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے شامل حال ہونے کا اعتماد پیدا ہو۔

☆ تیسرے اس کے نام کی برکت سے مطلوبہ امر میں کامیابی و کامرانی کا پختہ یقین ہو جائے۔

جب انسان خدا کی مدد و نصرت اور اس کی رفاقت و مصاحبت کے احساس سے سرشار ہو کر کوئی جدوجہد کر رہا ہو گا تو اسے کسی باطل قوت کا خوف پریشان نہ کر سکے گا۔ وہ ہر مخالفت و مزاحمت سے بے نیاز اور ہر دشمنی و عداوت سے بے خوف ہو کر اپنی کاوشیں جاری رکھے گا۔ اس طرح اسے اپنے کام میں دلجمعی، یکسوئی اور کامیابی کا پختہ یقین نصیب ہو گا۔ کام کے شروع میں اللہ کا نام لینا محض رسماً نہیں، بلکہ اس تصور کے ساتھ ہونا چاہئے کہ میں اس کا غلام ہو کر جب اسی کے حکم کی تعمیل اور ہر مشکل سے نکالنا بھی اسی کا کام ہے، اور وہ یقیناً سب سے بہتر کارساز ہے مجھے کیا پڑی کہ میں پریشان ہوتا پھروں۔ جو میرا فرض تھا میں نے پورا کر دیا، باقی معاملہ اور اس کا انجام اللہ کے سپرد ہے۔ اگر انسان تسمیہ کی اس حقیقی روح کو پالے تو اس کی زندگی میں نہ کوئی اذیت باقی رہے نہ خوف و غم۔ اصل توحید یہی ہے، جو انسان کو زندہ توکل کا سبق دیتی ہے دنیا کے خوف و خطر اور یاس و غم سے محفوظ اور بے نیاز کرتی ہے۔ اسی سے انسان کی شخصیت کے اندر ایک زبردست انقلاب بپا ہوتا ہے جس کی قوت سے وہ ہر مد

Marfat.com

مقابل کو تہ وبالا کر دیتا ہے۔ اسی نکتے کو علامہ اقبالؒ نے یوں بیان کیا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے روحِ توحید کو فراموش کر کے اس کی کلامی حیثیت کے حوالے سے خود کو تفرقہ وانتشار کے سپرد کر دیا۔ جس کے باعث ہم بجائے معزز اور قوی و مستحکم ہونے کے ذلیل ورسوا اور کمزور وناتواں ہو گئے۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
اب مگر کیا ہے؟ فقط مسئلہ علم کلام

چنانچہ تسمیہ انسان کے لئے اسی حقیقی توحید اور کامل توکل کی تعلیم ہے کہ جب خدا کی مصاحبت واعانت اس کے ساتھ ہے تو دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے نیک عزائم میں کامیاب ہونے سے روک نہیں سکتی۔

اسی تصور کو قرآن یوں بھی بیان کرتا ہے۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْآ اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ٥
(محمد، ۴۷: ۳۵)

پس تم حوصلہ نہ ہارو اور نہ باطل سے صلح کرو، بے شک غالب تم ہی آؤ گے کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہاری کوششیں بے نتیجہ نہیں جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک پختہ عزم کے ساتھ ایسا کامل اور ناقابل شکست یقین نہ ہو جدوجہد پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

(۶) اصلاح احوال کی تعلیم

تسمیہ کی عملی حکمتوں میں سے یہ بھی انتہائی اہم حکمت ہے کہ اس سے پوری زندگی کے احوال کی اصلاح ہو سکتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے فرمایا

Marfat.com

''بسم اللہ'' صرف جائز کاموں پر پڑھی جائے ناجائز کاموں پر نہیں۔ ایک طرف آپ ﷺ نے بسم اللہ کے فضائل و برکات اور اسرار و حکم اتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمائے کہ ہر کلمہ گو کو اس کے پڑھنے کی ترغیب و تحریص ہو اور ہر شخص اس کے ذکر کے انوار سے اپنا قلب و باطن منور کرنے کا خواہشمند ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ پابندی لگادی کہ بسم اللہ کسی بھی ناجائز اور شرعاً ممنوع کام کے سلسلے میں نہیں پڑھی جاسکتی۔ یہ اسلام کے نظام اصلاح کی ایک عجیب حکمت تھی۔ جس طرح ایک بچے کو نیا سوٹ' کھلونا یا اس کی پسند کی کوئی خوبصورت چیز لے کر دینے کا وعدہ کیا جائے اور بچے کے دل میں اس کا شوق اس قدر بڑھایا جائے کہ وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی آرزو کرنے لگے' تب اس پر یہ شرط عائد کردی جائے کہ اگر فلاں برا کام کرو گے تو تمہیں وہ چیز نہیں ملے گی۔ اب بچہ دو امور میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے گا' اگر اس چیز کی طلب صادق اس کے دل میں بدرجہ کمال موجود ہو گی تو وہ اس کی خاطر ہر بری عادت ترک کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اسلام نے بعض امور کی اصلاح اس حکمت کے ساتھ بھی کی ہے۔ قرآن حکیم میں ابھی شراب کی حرمت کا واضح حکم نہیں آیا تھا اس وقت لوگ شراب کے اتنے رسیا تھے کہ انہیں اس سے باز رکھنا ایک مسئلہ تھا۔ اسلام نے صحابہ کرامؓ کو نماز اور یاد الٰہی کی ترغیب دی۔ صحابہ کرامؓ کو نماز اور وہ بھی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اقتدا میں اتنی عزیز ہو گئی کہ اسے ترک کرنا ان کے بس میں نہ رہا۔ باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت' یاد الٰہی میں خاص لطف اور کیف و سرور کی کیفیت' دن میں کم از کم پانچ مرتبہ اوقات نماز پر رسول اکرم ﷺ کے دیدار فرحت آثار کی لذت اور پھر صحبت نبوی ﷺ کے وہ مقدس لمحات جن کے لئے قدسیان فلک بھی ترستے تھے۔ یہ وہ ترغیبات تھیں جو صحابہ کو نماز سے کسی حالت میں محروم نہیں ہونے دیتی تھیں۔ جب صحابہ میں طلب صلوۃ اس قدر شدید ہو گئی تو اس وقت یہ حکم صادر کیا گیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی	اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تم وہ

Marfat.com

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ بات سمجھنے لگو جو کہتے ہو۔

(النساء '۴: ۴۳)

صحابہ کو حالت نشہ میں صرف نماز بلکہ مسجد میں جانے سے بھی روک دیا گیا۔ اب ان کے لئے دو نشوں میں سے ایک نشہ منتخب کرنا تھا' شراب کی لذت و نشہ کو یا یاد الٰہی کی لذت و نشہ کو۔ انہوں نے بالآخر شراب کا پینا ترک کر دیا تاکہ نماز کے اوقات حالت نشہ سے محفوظ رہیں۔ بس اسی طرح ایک تسمیہ کے ذریعے خدا کی بے پایاں رحمتوں اور برکتوں کا مژدہ جانفزا سنایا گیا کہ تمہاری زندگی کے احوال خدا کے نام کی فضیلت و برکت سے سنور جائیں گے۔ دوسری طرف انہیں برے کاموں پر خدا کا نام لینے سے روک دیا گیا۔ اب مرد مسلمان کے لئے دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے "خدا کے نام کا" یا "ناجائز و ممنوع کام کا" پس خدا کے نام کی چاہت رکھنے والے ناجائز کام کے قریب کیوں پھٹکیں گے۔ لہٰذا تسمیہ کی برکت و فضیلت کا احساس دل میں جاگزیں ہو جائے تو انسانی زندگی کے جملہ احوال از خود اصلاح پزیر ہو جاتے ہیں کہ جب ناجائز اور غیر شرعی امور میں خدا کا نام لینا بھی ممنوع ہو تو کم از کم خدا کا نام ترک کرنے کی حیا ہی انسان کو غلط کاری سے باز رکھے گی۔

(۷) مظاہر قدرت کے عرفان کی تعلیم

تسمیہ انسان کو معرفت حق کے لئے قدرت الٰہیہ کے مظاہر کے عرفان کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ اس دنیا میں خدا کی معرفت اس کی ذات و صفات کے مظاہر کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ کلمات تسمیہ اسم الٰہی سے شروع ہوتے ہیں اور پھر اسم کی اضافت 'لفظ اللہ اور رحمٰن 'الرحیم تینوں کی طرف ہے' جیسا کہ پہلے بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اور الرحمٰن الرحیم اسما۔ صفات اسم چونکہ ذات وصفات کا مظہر ہوتا ہے یعنی نام کے بغیر نہ کوئی ذات پہچانی جا سکتی ہے اور نہ اس کی صفات۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات دونوں کے بیان سے پہلے "اسم" کا ذکر کر دیا یہاں یہ بات

Marfat.com

بھی واضح طور پر ذہن نشین رہے کہ اسم نہ ذات کا عین ہوتا ہے نہ صفات کا۔ جب اسم ذات وصفات دونوں کا غیر ہو کر ان کا مظہر ہونے کی وجہ سے ان کی معرفت کا ذریعہ اور واسطہ ہے اور اسی کو حرز جاں بنانے کی تلقین کی جا رہی ہے تو اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ ذات حق کی معرفت صرف اس کے مظہر کامل کے حوالے سے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح کائنات میں بھی کتنے پیکر حسن اور نظارہ ہائے جمال ہیں جن میں جمال ایزدی کی جھلک نمایاں ہے۔ کتنے مرقع کمال اور مناظر عظمت وجلال ہیں جو سطوت ربوبیت کا جلوہ دکھا رہے ہیں' کتنے مظاہر محبت ورحمت ہیں جو اس کی شان رحیمیت کو عیاں کر رہے ہیں۔ الغرض ہر سوا سی کی ذات وصفات کی مختلف شانیں جلوہ ریز ہیں جو اس کی معرفت کا ذریعہ بنتی ہیں' اسی وجہ سے انسان کو کائنات کی تخلیق اور اس کی آیات وعلامات میں غور وفکر کی تلقین کی گئی تا کہ وہ مظاہر قدرت کی معرفت سے ان میں جلوہ گر حقیقت ابدی کی معرفت تک رسائی حاصل کر سکے۔

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(العنکبوت '۲۹: ۴۴)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مقصد کے ساتھ پیدا کیا (اور وہ مقصد یہ ہے کہ) بے شک ان میں اہل ایمان کے لئے معرفت حق کی بہت بڑی نشانی ہے۔

دوسرے مقام پر غافل انسانوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(الدخان '۴۴: ۳۹)

ہم نے آسمان اور زمین کو صرف خاص مقصد کے لئے پیدا کیا (تا کہ لوگ ان کے ذریعے ہماری معرفت حاصل کریں)

Marfat.com

لیکن اکثر انسان اس حقیقت سے بے خبر
ہیں۔

قرآن کا کوئی مقام ایسا نہیں جہاں مظاہر قدرت میں غور و فکر کی نصیحت نہ کی گئی ہو۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اگر ان مظاہر کی معرفت مطلوب نہ تھی تو ان میں غور و فکر اور تدبر و تعقل کی تعلیم کیوں دی گئی؟ اور اگر ان میں غور و فکر کی تلقین ان کی معرفت کی غرض سے ہے تو کیا ان مظاہر و مناظر کی معرفت مقصود بالذات ہے یا ان کی معرفت کے ذریعے کسی اور حقیقت کی تلاش ہو رہی ہے؟ اگر ان مظاہر قدرت کی معرفت کو مقصود بالذات سمجھ لیا جائے تو یہ غلط ہو گا۔ کیونکہ یہ تو خود بھی موجود بالذات نہیں ہیں جب یہ اپنے ہونے' باقی رہنے اور کمال کو پہنچنے میں کسی اعلیٰ ہستی کے محتاج ہیں۔ کائنات میں ان کی کارفرمائیاں اور جلوہ ریزیاں خود اس ابدی حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں جس کے باعث انہیں وجود و ظہور نصیب ہوا ہے تو ان کی معرفت اس ہستی مطلق کی معرفت کا ذریعہ کیوں نہ بنے گی۔ لہٰذا قرآن کا بار بار مظاہر کائنات کی معرفت کے لئے انسان کو متوجہ کرنا اسی غرض سے ہے کہ ان کے ذریعے انسان کو خدا کی ہستی و صفات کی معرفت حاصل ہو۔ پھر کائنات میں صرف بے جان مظاہر ہی موجود نہیں بلکہ ذی روح اور ذی شعور موجودات بھی جلوہ گر ہیں' جو معرفت الٰہیہ کی سب سے زیادہ موثر صورت ہیں۔ ان میں انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف حاصل ہے لہٰذا وہ معرفت الٰہیہ کا کامل ترین ذریعہ ہو گا۔ اس لئے قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ○ وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○ (الذاریات' ۵۱: ۲۰' ۲۱)	اور اصحاب یقین کے لئے زمین میں بھی معرفت الٰہی کی نشانیاں موجود ہیں (اور تم باہر کیوں دیکھتے ہو) خود تمہارے اندر بھی معرفت حق کی دلیلیں ہیں پھر تم کیوں نہیں دیکھتے۔

Marfat.com

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَاءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ۔
(المومن، ۴۰: ۶۴)

(لوگو) اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو کیا اچھی صورتیں بنائیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔

سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ۔
(حمٓ السجدہ، ۴۱: ۵۳)

ہم عنقریب انہیں اپنی معرفت کی نشانیاں کائنات میں اور نفوس انسانی کے اندر دکھادیں گے۔

انسان کو اس قدر باکمال اس لئے بنایا گیا کہ وہ ذات و صفات باری تعالیٰ کی معرفت کے لئے سب سے اعلیٰ ذریعہ قرار پا سکے۔ چنانچہ تسمیہ میں اسم "اللہ الرحمٰن الرحیم" کے الفاظ وارد کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اس اسلوب بیان کے ذریعے انسانوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ باری تعالیٰ کی ذاتی اور صفاتی معرفت کے حصول کے لئے اس کے مظاہر کی معرفت حاصل کی جائے۔

(۸) ذرائع واسباب سے استفادہ واستمداد کی تعلیم

تسمیہ کا حرف با "مصاحبت، استعانت یا تبرک" کے معنی کے لئے وارد ہوا ہے۔ آیت میں یوں نہیں فرمایا گیا باللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ورحیم ہے) بلکہ تسمیہ کے الفاظ یہ ہیں: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے یا اللہ کے نام کی مصاحبت ورفاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے یا اللہ کے نام سے فیض وبرکت طلب کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں جو رحمان ورحیم ہے)۔ اس امر کے تسلیم کرنے میں مفسرین اور علماء محققین میں سے کسی کو بھی تامل نہیں کہ انسان کو تسمیہ

کے ذریعے خدا کے نام سے استفادہ واستمداد کی تلقین کی گئی ہے اور نام بالاتفاق منزل ذات تک پہنچنے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر آداب معاشرت کی تعلیم کی غرض سے نازل ہوئی' ذریعے اور سبب سے استعانت و مصاحبت اور تبرک کی راہ دکھائی گئی ہے؟ دراصل آیت تسمیہ کا یہ اندازہ واسلوب انسان کی عملی زندگی کی ہدایت کے لئے اختیار کیا گیا ہے کہ اسے یہ علم ہو جائے کہ جس طرح ذات وصفات باری تعالیٰ تک رسائی اور ان سے استعانت ومصاحبت اس کے اسماء کے ذریعے سے ممکن ہے' اسی طرح اس دنیا کی زندگی بھی جو لاکھوں مقاصد ومطالب کے حصول پر منحصر ہے۔ تب ہی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اگر ان مقاصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ذرائع واسباب سے کماحقہ استفادہ کیا جائے۔ اس عالم شہادت کا سارا نظام اسباب وعلل کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ یہاں انسان کو ذرائع واسباب سے لاتعلق ہو کر کچھ بھی میسر نہیں آسکتا۔ اگر احوال حیات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ دنیا میں انسان کی پیدائش رشتہ ازدواج کے ذریعے پر منحصر ہے۔ تولد کے بعد اس کا پرورش پانا والدین کی شفقت کے سبب سے ہے اس کا تعلیم یافتہ ہونا اس کے اساتذہ کی تربیت پر مبنی ہے۔ اس کا مہذب ہونا اس کے ماحول اور معاشرت کے احوال پر منحصر ہے۔ اس کا کھانا پینا' لباس پہننا' صحت وتندرستی' جملہ امور معاش ومعاد یہاں تک کہ اس کی موت پر تجہیز وتکفین اور دیگر معاملات کا انجام پانا اول سے آخر تک سب کچھ اسباب وذرائع سے تکمیل پزیر ہوتا ہے۔ بتائیے کہ حیات انسانی کا کونسا مرحلہ ایسا ہے جہاں اسے اسباب وذرائع کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا گیا ہو' یقیناً کوئی نہیں۔

غیر مادی اور روحانی اسباب کی واقعیت

اسباب مادی بھی ہوتے ہیں غیر مادی بھی۔ عام حالات میں کوئی معاملہ اگر کسی

Marfat.com

مخصوص مادی سبب سے انجام پاتا ہو تو کسی وقت میں اس کا کسی غیر مادی یا روحانی سبب سے انجام پانا نہ تو ناممکن ہوتا ہے اور نہ اس سے وہ امر مافوق الاسباب قرار پا جاتا ہے۔ دربار سلیمانی میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کا لایا جانا' صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا پتھر میں سے ظاہر ہونا' عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا' بنی اسرائیل کے لئے دریا میں خشکی کے راستوں کا پیدا ہونا' ان کے لئے آسمان سے مائدہ اور من و سلویٰ کا اترنا' اصحاب کہف کا تین سو نو سال تک زندہ رہنا اور اس عرصہ میں سورج کا راستہ بدل کر طلوع و غروب ہونا' عیسیٰؑ کے ہاتھوں مردوں کا زندہ ہونا' کوڑھی اور مادر زاد اندھوں کا شفا پانا' یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا' مریم علیہا السلام کو بغیر موسم کے پھلوں کا میسر ہونا' موسیٰ علیہ السلام کے ناشتے کے لئے بھنی ہوئی مچھلی کا دوبارہ زندہ ہو جانا' ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر کٹے ہوئے پرندوں کے ٹکڑوں کا زندہ ہو کر اڑ جانا' عزیر علیہ السلام کے گدھے کا سو سال کے بعد زندہ ہو جانا' ان کے کھانے کا سو سال تک باسی نہ ہونا' یوسف علیہ السلام کی قمیض کے ذریعے یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا لوٹ آنا یہ ایسے قرآنی واقعات ہیں جو عادی اسباب اور مادی معمولات سے ہٹ کر روحانی اسباب و علل کے حوالے سے انجام پزیر ہوتے رہے' جنہیں شریعت میں معجزات و کرامات کا نام دیا جاتا ہے۔ "معجزہ ہو یا کرامت' ارہاص ہو یا استدراج" یہ سب اصطلاحات تو شرعی ضرورت کے تحت وضع کی گئی ہیں۔ ان اصطلاحات کی وضاحت سیرۃ الرسول (جلد نہم) میں دیکھ سکتے ہیں' لیکن ان سب امور میں جو بنیادی نکتہ مشترک طور پر کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب امور مادی اسباب و علل اور عادت و معمول کے خلاف ظہور پذیر ہوتے ہیں اس لئے عقل عادی ان کے وقوع کو سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ ان کے صدور و ظہور کو آپ قدرت الٰہیہ کا نام دیں' تصرفات نبوت کا نام دیں' تصرفات ولایت کا یا مطلق تصرفات روح کا' بہر صورت جو کچھ کہیں وہ صدور غیر مادی اور روحانی اسباب ہی کے حوالے سے تصور ہو گا۔ صوفیاء نے ایسے خوارق اور حسی کرامات کے روحانی اسباب و علل اور ان کی مختلف صورتوں پر بڑے عارفانہ انداز میں شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی ہے جو اس

Marfat.com

وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ عالم شہادت کا ہر واقعہ ذرائع اور اسباب ہی کے حوالے سے رونما ہوتا ہے اور جن خوارق کو لوگ بلا سبب ظہور پذیر ہونے والے واقعات سمجھتے ہیں وہ بھی درحقیقت اسباب وذرائع سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کے اسباب غیر مادی' غیر مرئی' غیر حسی اور روحانی ہوتے ہیں عقل جس کا تمام تر انحصار ظاہری حواس پر ہے ان کے ادراک اور شعور کامل سے محروم رہتی ہے لہٰذا ان حقائق کا صحیح فہم عقل نظری سے نہیں دل بینا سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اقبالؒ کہتے ہیں۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور' دل کا نور نہیں

یہاں غیر مادی اور روحانی اسباب کا ذکر اس وجہ سے ضروری تھا کہ باری تعالیٰ کی مدد اور اعانت انسان کو زندگی میں ہزاروں مادی ذرائع کے حوالے سے میسر آتی رہتی ہے اور انسان کو اس کا شعور بھی ہوتا ہے۔ لیکن بسا اوقات اس کی مدد و نصرت اور توفیق و اعانت بغیر مادی ذرائع کے محض روحانی ذریعے سے نصیب ہو جاتی ہے جس کا انسان کو علم تک نہیں ہو سکتا۔ تسمیہ نے یہی نکتہ واضح کر دیا کہ "خدا کے نام کا" واسطہ ایک روحانی اور غیر مادی واسطہ اور ذریعہ ہے' لہٰذا اس سے استعانت و استمداد کی تلقین عون الٰہی کے روحانی مظاہر کے ذرائع کی اہمیت کو واضح کر رہی ہے چنانچہ سائنس' میڈیکل' ٹیکنالوجی اور جدید علوم وفنون کی ترقی عون الٰہی کے مادی ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں اور مخلوقات میں سے عون الٰہی کے روحانی مظاہر غیر مادی ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کی مشکلات کو دور کرنے اور اسے اصل نصب العین تک پہنچانے کے لئے مادی و غیر مادی دونوں قسم کے ذرائع سے استفادہ اور استمداد عین حق و صواب ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اہل ایمان کو باری تعالیٰ کی مدد و نصرت روحانی ذرائع اور

Marfat.com

اسباب کی صورت میں میسر آتی رہی ہے۔ عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہؓ کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ قرآنی بیان کے مطابق غزوہ بدر میں اہل ایمان کی مدد کے لئے خود آنحضرت ﷺ کی دعا پر فرشتوں کا نزول اس حقیقت کی قطعی شہادت ہے۔

(۹) اسماء الٰہیہ کے ذکر کی تلقین

انسانی زندگی میں صرف جسمانی ضرورتیں ہی سب کچھ نہیں ہوتیں۔ روح کی پرورش، تقویت اور پاکیزگی وطہارت بھی مطلوب ہوتی ہے کیونکہ انسان نہ صرف جسم مجرد کا نام ہے اور نہ صرف روح مجرد کا۔ انسانی شخصیت دونوں کے اجتماع سے تشکیل پاتی ہے اور ان کے تقاضوں کی صحیح تکمیل سے کمال کو پہنچتی ہے۔ جس طرح خوراک اور لباس وغیرہ جسم کی ضرورتیں ہیں اس طرح ذکر الٰہی اور تزکیہ و تصفیہ بہم پہنچانے والے اعمال صالحہ روح کی ضروریات و مرغوبات ہیں، جن سے اسے تقویت ملتی ہے، اس کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ روشن سے روشن تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام بیک وقت انسان کی ظاہری زندگی اور باطنی زندگی دونوں کی اصلاح چاہتا ہے۔ اصلاح کے دو درجے ہوتے ہیں درجہ ضرورت اور درجہ کمال۔ درجہ ضرورت سے مراد کسی شے کی ضروری حد تک اصلاح کرنا ہے تاکہ اس میں بگاڑ اور خرابی باقی نہ رہے۔ لیکن درجہ کمال سے مراد ضروری اصلاح کے بعد اس کو اس قدر سنوارنا ہے کہ وہ انتہائی کمال کو پہنچ جائے۔ پس شریعت اسلامیہ کا وہ حصہ جو اصطلاح فقہی اور امر ونواہی پر مشتمل ہے انسان کی ضروری اصلاح کے لئے تو کافی ثابت ہوتا ہے، لیکن انسانی ظاہر و باطن کو صفاء وجلاء، پاکیزگی وطہارت اور روحانی تزکیہ کے لحاظ سے کمال تک پہنچانے کے لئے شریعت اسلامیہ کی ان تعلیمات کی ضرورت ہوتی ہے، جنہیں اصطلاح میں طریقت وتصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ طریقت وتصوف اپنی غایت وماہیت کے اعتبار سے احکام شریعت کے مطابق روح کو تقویت دینے اور باطن کو پاکیزگی وطہارت کے زیور سے آراستہ کرنے کا ہی نام ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء انوار ذکر الٰہی سے روح کو منور کرنے کے لئے بکثرت ذکر و فکر کی تلقین کرتے ہیں اور یہ اذکار

Marfat.com

مختلف اسماء الٰہیہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جس بھی اسم مبارک کا کثرت کے ساتھ ذکر کیا جائے اس کی صفاتی تجلیات ذاکر کے قلب و باطن پر اپنا پرتو ڈالتی ہیں اور اس میں رفتہ رفتہ اس اسم کی صفات و برکات سرایت کرتی چلی جاتی ہیں۔ گویا ذکر سے نہ صرف روح کی تقویت و تنویر ہوتی ہے بلکہ اس کے خواص و اثرات بھی انسان کے قلب و باطن پر مترتب ہوتے ہیں اور اس کی روحانی شخصیت خاص اثر کے تحت پرورش پاتی ہے۔ اس لئے راہ سلوک میں شیخ کامل کی ضرورت ناگزیر ہے کیونکہ وہ اپنی بصیرت سے دیکھتا ہے کہ سالک کو کس ذکر کی ضرورت ہے۔ اس کے قلب و باطن کو کیسے انوار اور روحانی اثرات سے زیادہ تقویت مل سکتی ہے اور اس کی روح کے لئے ذکر الٰہی کی صفاتی تجلیات میں سے کس قسم کی تجلی ناگزیر ہے۔ گویا شیخ اپنے مرید میں روحانی طور پر جس قسم کی کمی محسوس کرتا ہے اسی کو پورا کرنے کے لئے خاص قسم کے اذکار و اوراد کی تعلیم دیتا ہے اور جب ان سے ایک مقصد پورا ہو جائے تو مزید کمال کے لئے نئے اذکار تجویز کرتا ہے۔ بالکل اس کامل طبیب کی طرح جو مریض کی تشخیص کے بعد اس کی امراض اور اعراض و علامات کے مطابق مخصوص ضابطہ علاج کے تحت اس کی اصلاح کرتا ہے۔ کبھی دوا بدلتا ہے اور کبھی خوراک، کبھی طویل عرصے کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے اور کبھی تھوڑے عرصے کے لئے۔ الغرض جسمانی امراض کی اصلاح کا یہ اصول اسی صاحب فن کو ہی معلوم ہوتا ہے کہ مریض کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے اور کس کی نہیں۔ حالانکہ انسانی صحت و تندرستی کے لئے ادویات تو ہزاروں ہوتی ہیں اور ان کا فائدہ بھی اپنی اپنی جگہ مسلم ہوتا ہے، لیکن کس موقع پر کونسی دوا زیادہ مفید ہے اس کا فیصلہ طبیب کو کرنا ہے مریض کو نہیں۔ بعینہ شیخ کامل قرآن و سنت کے تجویز کردہ علاجات قولی و عملی، اوراد و ظائف اور اسماء الٰہیہ کے متعدد اذکار میں سے کونسا اس شخص کی ضرورت کے مطابق زیادہ مفید ہے اس کا فیصلہ اپنی بصیرت و مہارت کی بنا پر کرتا ہے۔ اتنی بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس علم و فن کا مبداء و سرچشمہ بھی بلاشک وشبہ قرآن و سنت ہی ہے، لٰہذا تسمیہ نے بھی انسانی روح کی تسکین اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اسماء الٰہیہ کے ذکر کی

Marfat.com

تلقین کی ہے۔ وہ اسماء مبارکہ اللہ، الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔ ان کے بکثرت ذکر سے روحانی طور پر انسانی شخصیت پر وہی اثرات مترتب ہوتے ہیں جو ان کی صفاتی تجلیات میں مضمر ہیں۔ چنانچہ اللہ کا ذکر جہاں بے شمار فضائل و برکات اور اثرات و ثمرات کا حامل ہے وہاں اس کی کثرت سے انسانی طبیعت میں استغناء اور قناعت کی خصوصیت پیدا ہوتی ہے۔ دل دنیوی حرص و لالچ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ خدا کے سوا کسی کا خوف و خطر دل میں نہیں رہتا اور انسان دنیا کے کسی بھی فرعون اور قارون کے سامنے نہیں جھک سکتا گویا "اللہ" کے ذکر سے اس کے انوار الوہیت انسان کے باطن کو اس طرح انقلاب آشنا کر دیتے ہیں کہ نہ اس کا دست سوال کسی غیر کے سامنے اٹھتا ہے اور نہ اس کا سر نیاز کسی غیر کے سامنے جھکتا ہے۔ اسی طرح الرحمٰن اور الرحیم کے اسماء مبارکہ کا ذکر روح انسانی کو صفت رحمت کی فراوانی عطا کرتا ہے۔

باری تعالیٰ کے اسماء مبارکہ پر مشتمل تسمیہ کے ہر کام سے پہلے پڑھے جانے کا حکم اس کے بکثرت ذکر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ انسان تسمیہ کا ذکر جس قدر کثرت کے ساتھ کرے گا۔ اس کی شخصیت اسی قدر صفات استغناء و رحمت سے مزین ہو گی۔ لیکن یہ ذکر محض حلق کی حد تک نہیں دل کی گہرائیوں سے ہونا چاہیے۔

(۱۰) رحمت حق سے مایوسی کی ممانعت

تسمیہ میں باری تعالیٰ کی صفت رحمت کو "رحمٰن و رحیم" دو اعلام کے ذریعے ظاہر کرنا اس عملی حکمت پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے پائے۔ انسان زندگی میں کئی بار ظاہری اسباب سے ناامید ہوتا ہے یا پریشانی و اضطراب کی ہیجان انگیز کیفیات میں مبتلا ہوتا ہے تو اس پر حسرت و یاس کی گرد چھا جاتی ہے۔ وہ حوصلہ ہار بیٹھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض حالات میں خودکشی جیسے قبیح فعل کے ارتکاب کی بھی نوبت آ جاتی ہے۔ تسمیہ اسے مایوسیوں اور حسرتوں کے اندوہناک طوفانوں سے نجات پانے اور ذات رحمٰن و رحیم سے کامل امید وابستہ کر لینے کی دعوت دیتا ہے۔ گویا تسمیہ ہر قدم

Marfat.com

پر لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰہِ کی ایسی ندا ہے جو تھکے ماندے انسانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو سہارا دے دیتی ہے۔ ہر کام کے شروع کرنے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ دوران جدوجہد ہزاروں مشکل مراحل پیش آتے ہیں۔ جن میں انسان مایوس اور پیشان ہونے لگتا ہے اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ معاملہ اس طرح انجام پائے جیسے اس شخص کی خواہش تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان حالات میں انسان پریشان اور ناامید ہو کر شیوہ کفر اختیار کر لے۔ اس لئے بسم اللہ نے اسے ہر حال میں مطمئن رہنے اور بالاخر بہتر سے بہتر نتائج کی امید دلائی ہے۔ اگر کامیابی کی امید باقی نہ رہے تو انسان دل سے آمادہ پیکار نہیں رہتا۔ بھرپور جدوجہد کے لئے آمادگی منزل تک پہنچنے کی امید سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے عمل کو ولولہ اور جوش و خروش میسر آتا ہے۔ لہٰذا تسمیہ کا اعلان رحمت قلب انسانی کو یہی دولت امید عطا کرتا ہے۔ جس کے باعث انسان کی بزم حیات اقصائے دہر میں ہر سو گرم ہی گرم نظر آتی ہے۔

(۱۱) خلق خدا سے حسن سلوک کی تعلیم

آیت بسم اللہ صرف اپنے معانی و مطالب کو سمجھنے اور ان سے ہمت عمل اخذ کرنے کا ہی نہیں بلکہ انسانوں کو یہ پیغام بھی دیتی ہے کہ وہ خود کو تسمیہ کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ لیں۔ ذات حق کی صفت رحمت کے دو عنوانات رحمانیت اور رحیمیت ہیں جس میں رحمانیت الٰہی ہر مومن و کافر پر یکساں عنایات کی پیغامبر ہے اور رحیمیت بالخصوص مومنین پر۔ گویا تسمیہ رحمت خداوندی کی اس قدر وسعت اور فراوانی کے بیان پر مشتمل ہے کہ خلق خدا میں سے کوئی فرد بھی اس سے محروم نہیں رہتا۔ تسمیہ کے مطالب کا انسان کی عملی زندگی میں زندہ حقیقت کے طور پر راسخ ہو جانا یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی صفت رحمت و شفقت کے اسی رنگ میں رنگا جائے۔ یعنی انسان کی ذات صفات الٰہیہ سے تخلق واتصاف کے باعث خود بھی اتنی رحیم و شفیق بن جائے کہ وہ پوری خلق خدا کے لئے سراپا رحمت و رافت ہو۔ نفع بخشی اور فیض بخشی کا پیکر ہو۔ اس کا دل انسانوں کی ہمدردی اور بہی خواہی کا مرکز ہو۔ دوست

Marfat.com

تو دوست دشمن بھی اس کے حسن سلوک سے پوری طرح فیضیاب ہوں' بقول حافظ شیرازیؒ

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

بے شک اسلام میں مرد مومن کی پہچان یہی ہے کہ وہ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھے اور دوسروں کی اذیت اور تکلیف خود اس کے لئے سخت پریشانی کا باعث ہو۔ دوسروں کی بے آرامی اس کا اپنا چین وسکون سلب کرلے۔ الغرض اس کی حیثیت آنکھ کی سی ہو کہ جسم کے کسی بھی عضو کو درد ہو تو آنسو وہ بہاتی ہے۔ ٹیس کہیں بھی اٹھے' نیند اس کی چھن جاتی ہے بقول شخصے:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

امیر مینائی نے انھیں جذبات کا اظہار یوں کیا ہے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

تسمیہ میں بیان ہونے والے دونوں اوصاف انسان کو اپنے پرائے کا امتیاز مٹا کر سب کے لئے یکساں دردمند دل عطا کرنا چاہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اس مدعا کا بیان کیا خوب انداز میں فرمایا' جس کو امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہؓ سے اس طرح روایت کی ہے۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔
(شعب الایمان' ۶:۴۴' رقم:۷۴۴۸)

مخلوق' اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس اللہ کو مخلوق میں سے وہ شخص بہت زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے سے زیادہ اچھا سلوک کرے۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت انسؓ سے ایک اور حدیث یوں مروی ہے۔

من قضی لاحد من امتی حاجة یرید ان یسرہ بھا فقد سرنی و من سرنی فقد سر اللہ ومن سر اللہ ادخلہ اللہ الجنة۔

(شعب الایمان‘ ۶:۱۱۵‘ رقم: ۷۶۵۳)

جس نے میری امت میں سے کسی کی بھی کوئی حاجت روائی کی (یعنی اسے تکلیف سے نجات دی) اسے مسرت وسکون مہیا کرنے کے لئے‘ تو اس نے بے شک مجھے خوشی پہنچائی اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔

یہاں سے مطلقاً یہ ثابت ہو گیا کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کا پورا کرنا‘ پریشان حال لوگوں کی پریشانی کو دور کرنا‘ شکستہ دل‘ دکھی اور مظلوم انسانیت کی خدمت کرنا عین اسلام اور بارگہ خداوندی میں قرب ومقبولیت کی علامت ہے۔ حضرت رومیؒ اسی فلسفہ اسلام کو یوں بیان کرتے ہیں

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است
دل گزر گاہ جلیل اکبر است

ٹوٹے دلوں کو سکون اور اطمینان کی دولت عطا کرنا اس لئے سب اعمال سے افضل ہے کہ یہی ٹوٹے ہوئے دل رب ذوالجلال کا بسیرا ہوا کرتے ہیں۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے مکشوفات میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔

اذا رائیت الفقیر المحترق بنار الفقر والفاقہ والمنکسر بکثرة

جب تو کسی کو فقر کی آگ میں جلا ہوا اور فاقوں کی کثرت سے ٹوٹا ہوا دیکھے تو اس کا

Marfat.com

الفاقة فتقرب اليه لانه لاحجاب بيني و بينه۔

(الرسالتہ غوث الاعظمؒ: ۴۳)

قرب حاصل کر کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ اور دوری باقی نہیں رہتی۔

مستزاد یہ کہ اسلام میں تو شرط ایمان ہی دوسروں کے لئے دل سوزی' ہمدردی اور نفع بخشی ہے' ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لايومن احدكم حتى يحب لاخيه مايحب لنفسه۔

(صحیح بخاری' کتاب الایمان' ۱:۶' رقم: ۱۳)

تم میں سے کوئی شخص ایماندار ہی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ (آرام' سکون' سہولت اور آسائش) پسند نہ کرے جو وہ اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

آیئے! اس معیار ایمان کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے گریبانوں میں جھانکیں کہ ہم کس قدر خود غرضیوں' مفاد پرستیوں' ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں کی تاریکی میں بھٹک رہے ہیں۔ کونسی زیادتی اور ظلم ایسا ہے جو ہم اپنے مفادات کی خاطر روا نہیں رکھتے' کونسی بددیانتی ایسی ہے جو ہم اپنی منفعت کی خاطر جائز نہیں سمجھتے اور بجائے دوسرے لوگوں کی بہتری سوچنے کے انہیں پریشان کرنے کے لئے کونسا حربہ استعمال نہیں کرتے۔ پورے معاشرے میں کوئی کسی کا خیر خواہ نظر نہیں آتا۔ ہر طرف دھوکہ اور دجل و فریب ہے' مکاری و عیاری کا بازار گرم ہے' ہر انسان خونخوار بھیڑیئے کی مانند دوسرے انسانوں کے خون سے اپنا منہ رنگ رہا ہے۔ چہروں پر منافقت مچلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے' باہمی اعتماد کی فضا مفقود ہے۔ دوست دشمن ہیں' راہبر راہزن ہیں' ساتھی لٹیرے ہیں' ظاہر میں بڑے تقدس ماب دکھائی دینے والے باطن میں سب سے بڑے مجرم نظر آتے ہیں' بقول اقبالؒ:

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

Marfat.com

اقبالؒ ایک مقام پر صورت حال کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

الغرض ہم رحمت ورافت کا پیکر بننے کی بجائے مکروشقاوت کا مجسمہ بن گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک پریشان ہے کہ وہ ظالم بھی ہے اور مظلوم بھی۔ چنانچہ بسم اللہ کا فلسفہ اور عملی حکمت وافادیت یہی ہے کہ ہم "رحمٰن ورحیم" کی صفاتی تجلیات سے خود کو آراستہ کر کے اپنے پرائے سب کے لئے پیغام رحمت بن جائیں۔ اور کوئی شخص ہم پر زیادتی بھی کرے تو اس کا بدلہ عفوودرگزر سے دیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○

(آل عمران، ۳: ۱۳۳۔۱۳۴)

جنت جس کی وسعت میں سب آسمان اور زمین آ جاتے ہیں، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے○

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے اسی کردار کو یوں بیان کیا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ○ وَالَّذِيْنَ

اور (خدائے) رحمان کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ

Marfat.com

يَبِيتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًاo

(الفرقان '۲۵: ۶۳۔ ۶۴)

(ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے لئے سجدہ ریزی اور قیام (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیںo

پہلی آیت میں حقوق العباد کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسری میں حقوق اللہ کی۔ متذکرہ بالا ارشاد الٰہی سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ مقبولان خدا نہ تو خود کسی کے لئے باعث تکلیف ہوتے ہیں اور نہ کسی کی زیادتی کے رد عمل میں اسے اذیت پہنچاتے ہیں۔ گویا ان کا وجود ہر ایک کے لئے ہر حال میں آسودگی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ تسمیہ کا پیغام رحمت انسانی شخصیت کے اندر اسی بنیاد پر انقلاب کردار کا داعی ہے۔

(۱۲) قدرت الٰہیہ کو محیط کل سمجھنے کی تلقین

تسمیہ ذات باری تعالیٰ کے تین ناموں پر مشتمل اللہ...... الرحمٰن...... الرحیم...... "اللہ" سے اس کی شان خالقیت کا ظہور ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ حیات کائنات کا مبداء و مصدر وہی ایک ہی ہے۔ ہر شے کی ابتدا اسی کے فیضان قدرت سے ہوئی ہے۔ "الرحمٰن" سے دنیا میں اس کی بے پایاں رحمت کا ظہور ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام موجودات عالم اسی کے فیضان قدرت سے قائم ودائم ہیں۔ "الرحیم" سے آخرت میں اس کی عنایات وانعامات کا ظہور ہوتا اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر ایک کا حسن انجام اسی کے لطف و کرم پر منحصر ہے۔ گویا تینوں اسمائے الٰہی حیات انسانی کے "آغاز" "دوران" اور "انجام" کی نسبت یہ خبر دیتے ہیں کہ حیات انسانی کی ابتداء ذات حق کے چشمہ الوہیت کے فیضان سے ہے۔ اس کا وسطانی اور درمیانی عرصہ جو اس دنیا کی زندگی پر مبنی ہے ذات حق کے چشمہ رحمانیت کے فیضان سے ہے اور اس کا انجام بھی جو آخرت کی صورت میں ہو گا ذات حق کے چشمہ رحیمیت کے فیضان کا مرہون منت ہو گا۔ لہٰذا انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تیری

Marfat.com

ساری زندگی اول سے آخر تک قدرت الٰہیہ کے فیضان وانعام کی محتاج ہے۔ تو اس کی شان الوہیت سے پیدا ہوا اس کی شان رحمانیت سے زندہ ہے اور اس کی شان رحیمیت سے اپنے انجام کو پہنچے گا۔ جب اس کی قدرت کاملہ حیات انسانی اور حیات کائنات کے تمام مراحل پر محیط ہے۔ اس کی عنایات کے بغیر نہ انسان کا آغاز ممکن تھا نہ زندگی ممکن ہے اور نہ انجام بہتر ہو گا تو آخر کیا وجہ ہے کہ تو اس احکم الحاکمین کی غلامی میں نہ رہے اور اس سے منہ موڑ کر اس دنیا کی بے ثبات رنگینیوں میں گم ہو جائے۔

تسمیہ کے اسمائے ثلاثہ (اللہ' الرحمٰن' الرحیم) سے جہاں انسانی زندگی کی خلق' معاش اور معاد' تینوں کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے' وہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ انسانی جدوجہد میں ہر عمل انہی تینوں مراحل سے گزرتا ہے۔ انسان کا ہر کام کبھی ابتدا کے مرحلے میں ہوتا ہے' کبھی وسط اور دوران کے مرحلے میں اور کبھی اپنی انتہا وانجام کے مرحلے میں۔ تسمیہ انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تیرا ہر کام اپنے آغاز کے لئے بھی رب کائنات کی توفیق وعنایات کا محتاج ہے۔ پھر اس کام کا جاری رہنا بھی اسی کے فضل وکرم سے ہوتا ہے اور اس کا اپنے اختتام تک پہنچنا بھی اسی کی رحمت کے باعث ہوتا ہے۔

اے انسان! اگر اول سے آخر تک رحمت باری تیرا ساتھ نہ دے تو تو کوئی کارنامہ بھی سرانجام نہیں دے سکتا۔ اگر تیری جدوجہد کے دوران کسی وقت بھی اس کی توجہ اور التفات تجھ سے ہٹ جائے تو تیری ہر مہم ادھوری رہ جائے۔ جس طرح وہ ذات بغیر کسی شرط کے' تو جو کچھ بھی ہو خواہ تو اسے مانتا ہو یا نہ مانتا ہو' تجھ پر اپنا لطف وکرم جاری رکھتی ہے۔ تو بھی اسی طرح ہر حال میں' خواہ تیری خواہشیں ظاہرا پوری ہوں یا نہ ہوں یاد رکھ' اس سے دل لگا اور اس کی اطاعت کر۔ اس طرح تیری ذات کندن بن جائے گی اور صفات باری تعالیٰ کا پرتو تجھے یگانہ روزگار کر دے گا۔

(۱۳) مکمل دستور حیات کی تعلیم

تسمیہ سے انسانی معاشرے کو مکمل دستور حیات کی رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

انسانی زندگی اجتماعی اور معاشرتی سطح پر تین قسم کے مسائل سے دوچار ہے اور انہی کے حل سے قوم کو صحیح راہ عمل میسر آتی ہے۔ حیات انسانی کے دستور کے تین مسائل یہ ہیں۔

سیاست، معیشت اور مذہب

سیاست حکومت و اقتدار کے مسئلے سے بحث کرتی ہے۔ معیشت زندگی اور اس کے استحکام کے مسئلے سے بحث کرتی ہے۔ مذہب عقائد اور اعمال کے ضابطوں سے بحث کرتا ہے۔ اس تقسیم کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سیاست کا مدعا "قیام اقتدار" ہے، معیشت کا مدعا "بقاء حیات" ہے اور مذہب کا مدعا "حسن آخرت" ہے۔

تسمیہ نے تینوں مسائل کے حل کے لئے رب ذوالجلال کی تین ہی شانوں کو نمایاں کر دیا۔ شان الوہیت، شان رحمانیت اور شان رحیمیت، اللہ تعالیٰ اپنی شان الوہیت کے اعتبار سے حکومت و اقتدار کا سر چشمہ ہے وہی اپنی شان رحمانیت کے اعتبار سے دنیا میں انسانی زندگی کی بقا و دوام کا ضامن ہے اور وہی اپنی رحیمیت کے اعتبار سے آخرت میں حسن انجام کا باعث ہو گا۔ سیاست کا مسئلہ اس کے پر تو الوہیت سے حل ہو سکتا ہے۔ معیشت کا مسئلہ اس کے پر تو رحمانیت سے حل ہو سکتا ہے اور مذہب کا مسئلہ اس کے پر تو رحیمیت سے حل ہو سکتا ہے۔ گویا تسمیہ کے الفاظ پکار پکار کر بنی نوع انسان کو تنبیہہ کر رہے ہیں کہ ان مسائل حیات کے حل کے لئے مختلف سمتوں اور گوشوں کی طرف لپکنے کی بجائے صرف اور صرف اسلام کے دامن رحمت سے وابستہ ہو جاؤ۔ ذات حق تمہیں ہر الجھن پر قابو پانے کی توفیق عطا کر دے گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہر مرحلے پر ہدایت، خلوص نیت اور پختہ یقین کے ساتھ اسلام سے ہی طلب کی جائے۔ اسی کا نام "اخلاص فی التوحید" ہے۔ وہ لوگ جو دامن اسلام کو ناکافی سمجھ کر صرف مذہبی احتیاج اس سے پوری کرتے ہیں اور سیاسی ہدایت کی بھیک مغربی جمہوریت یا آمریت و شہنشاہیت کے دامن سے مانگتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مذہبی اور اخلاقی ہدایت اسلام سے اخذ کر کے معاشی ہدایت کی بھیک اشتراکیت یا سرمایہ داریت کے دامن سے مانگتے ہیں، وہ بھی گمراہ ہیں۔ اسلام کسی تثلیث یا ثنویت کی اجازت

Marfat.com

نہیں دیتا۔ اس کا اپنا خرمن جود وسخا اتنا عظیم ہے کہ کچھ بھی کہیں اور سے لینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ تسمیہ اسلام کے اسی جامع دستور ہدایت کی نشاندہی کر رہا ہے کہ رب کائنات کی ہستی ایسی نامکمل نہیں ہے کہ وہ تمہاری آخرت کے سنوارنے کا اہتمام تو کرے، لیکن جس زندگی پر خود آخرت کے انجام کا انحصار ہے اس کے مسائل سنوارنے کا انتظام نہ کر سکے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انسانوں کو سیاسی ہدایت بھی نہ دے معاشی ہدایت بھی عطا نہ کرے اور پھر آخرت میں دنیوی زندگی کے تمام امور سے متعلق باز پرس اور جزا وسزا بھی ہو۔ اگر دنیوی زندگی کا حساب وکتاب ہونا ہے تو یقیناً اس زندگی کے لئے کوئی نہ کوئی ضابطہ اور لائحہ عمل بھی دیا گیا ہو گا۔ جس کی اطاعت اور خلاف ورزی کے حوالے سے آخرت کا فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی "شان الوہیت" کے بیان سے انسانوں کو سیاسی قوت واقتدار کے سرچشمے اور مبدا و مرکز کی طرف متوجہ کر دیا۔ پھر اپنی "شان رحمانیت" کے بیان سے انہیں مرکز معاش کی طرف متوجہ کر دیا اور آخر میں اپنی "شان رحیمیت" کے بیان سے انہیں مرکز معاد کی طرف راغب کر دیا۔ تاکہ نوع انسانی پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ انسانی زندگی کے سیاسی، معاشی اور مذہبی تمام پہلو اسی ایک در سے سنورتے ہیں اور تمام تر احتیاجات اسی ایک مرکز سے تسکین پاتی ہیں۔

(۱۴) خوف ورجاء کی تعلیم اور توازن

اسلام کا منشاء یہ ہے کہ انسانی شخصیت ہر لحاظ سے متوازن ہو۔ تسمیہ اسی اصول کے پیش نظر انسان کو ذات باری تعالیٰ کی نسبت "خوف ورجاء" دونوں کیفیتوں کو دل میں متوازن انداز سے جاگزیں کرنے کی تلقین کرتا ہے "اللہ" سے ذات حق کی عظمت وجبروت کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے انسان کے دل پر اس کی ہیبت وجلال کی کیفیتیں "خوف" کی حالت طاری کر دیتی ہے۔ لیکن خالق کائنات اپنے بندے کو محض خوف عقاب سے ہی خائف اور متوحش نہیں رکھنا چاہتا کہ اس سے شخصیت کے غیر متوازن ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ "الرحمٰن الرحیم" کے اسماء اس کی رحمت وعنایت کی امید بھی دلا رہے ہیں اسے

Marfat.com

"رجاء" کہتے ہیں۔ خوف سے دل میں ہیبت پیدا ہوتی ہے اور امید ور جا سے انس و محبت۔ شان الوہیت کے تصور نے انسان کو خوف و ہیبت کی حالت عطا کی، شان رحمانیت ور حیمیت نے امید و محبت کی، اس طرح "خوف اور امید" دونوں نے مل کر عشق کو وہ آداب سکھا دیئے جو بارگاہ محبوب کے شایان شان تھے، بقول میر:

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

قرآن حکیم بندوں کو اپنے رب سے ایسے ہی تعلق کی تعلیم دیتا ہے جو خوف و امید دونوں سے آراستہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ | وہ اپنے رب کو خوف اور امید کی ملی جلی حالت میں پکارتے ہیں۔

(حم السجدہ، ۳۲:۱۶)

شیخ ابو علی رودباریؒ فرماتے ہیں کہ خوف اور امید انسان کے دو پر ہیں۔ دونوں صحیح ہوں تو پرواز ٹھیک ہو گی۔ اگر ایک بھی ناقص ہو تو پرواز ناتمام رہے گی۔ خوف اور امید دونوں مل کر توبہ کا محرک بنتے ہیں ان میں سے ایک کا بھی فقدان ہو تو انسانی زندگی لذت توبہ سے محروم ہو جائے۔ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس تشریف لائے جو حالت نزع میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمھارا کیا حال ہے؟" اس نے کہا "میری حالت یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے خائف ہوں لیکن خدا کی رحمت کا امید وار ہوں" حضور ﷺ نے فرمایا "جب مومن کے دل میں امید و بیم کی دونوں حالتیں اس طرح جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کی امید بر لاتا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فضیلت خوف کا بیان اس طرح فرمایا۔

لایلج النار دجل بکی من خشية الله۔ | جو شخص خدا کے خوف میں رویا، دوزخ میں نہیں جائے گا۔

(جامع ترمذی، کتاب فضائل الجہاد، ۱:۱۹۶، رقم: ۱۶۳۳)

Marfat.com

اور دوسرے مقام پر فضیلت امید کا بیان اس طرح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ یوم آخرت میں فرمائیں گے۔

عبدی ما عبدتنی و رجوتنی و لم تشرك بی شیئا غفرت لك علی ما كان منك'	میرے بندے تو نے شرک کئے بغیر میری جو عبادت کی پر امید رہتے ہوئے کی (میں نے اس کے بدلے میں) جو کچھ تو نے کیا تھا۔ سب تیری خاطر معاف کر دیا۔
(جامع ترمذی کتاب الدعوات' باب فی فضل التوبہ '۲: ۱۹۳' رقم: ۳۵۴۰)	

چنانچہ تسمیہ اسی تعلیم کا نچوڑ ہے کہ "اللہ" کا نام جو اس کی یکتائی و کبریائی کو ظاہر کرتا ہے۔ بندے کے دل میں اس کا خوف پیدا کر دے۔ "الرحمٰن الرحیم" کے نام اس کی رحمت و مغفرت کی امید دلا دیں۔ اس طرح بندہ اس محبوب حقیقی سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ اس کا ڈر بھی ہو اور انس و محبت بھی۔

(۱۵) مراتب عروج و نزول کی تعلیم

عروج اور نزول تصوف کی اصطلاحات ہیں۔ عروج میں "سیر من اللہ" ہوتی ہے اور نزول میں "سیر الی اللہ" سے مراد یہ ہے کہ بندہ دنیا و مافیہا سے بے رغبت ہو کر ذات حق کے قرب و وصال کی منزلوں کو طے کرتا چلا جائے۔ اور بارگاہ الوہیت میں پہنچ کر اس طرح گم ہو کہ خود کو معدوم پائے۔ اس راہ میں حسن محبوب کے جلوے دیکھ کر عارف یہ تقاضا کرتا ہے

؎ من تو شدم تو من شدی' من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں' من دیگرم تو دیگری

یہ مقام فنا ہے جس کے بغیر بقاء نصیب نہیں ہو سکتی۔ خواجہ اجمیریؒ فرماتے ہیں

؎ دلا بحلقہ رندان بزم عشق درآ
کہ جرعہ ز شراب دہند ترا

Marfat.com

اگر بقا طلبی اولت فنا باید
کہ تا فنا نشوی رہ نمی بری ببقاء

عروج یعنی سیر الی اللہ کا مرحلہ جو مقام فنا پر منتج ہوتا ہے پہلے آتا ہے اور ذات الوہیت میں فنا ہو جانے کے بعد جب بقا ملتی ہے تو بندہ خود اس کی نعمتوں اور عنایتوں کا منبع وسرچشمہ ہو کر واپس لوٹتا ہے۔ پھر اسے انسانیت کی رہبری اور رہنمائی کا منصب سونپ دیا جاتا ہے۔ خدا کی ذات وصفات کے جلووں میں گم ہو کر واپس لوٹ آنا نزول ہے اسی کو ولایت محمدی ﷺ بھی کہتے ہیں۔ پہلے مقام پر بندہ خود کو اس کی ذات میں گم پاتا ہے تو "انا الحق" پکار اٹھتا ہے۔ لیکن نزول تام کے بعد جلوہ ذات سامنے بے نقاب بھی ہو تو پھر بھی شعور بندگی گم نہیں ہوتا' بقول اقبالؒ:

موسی ز ہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

"بسم اللہ" میں سیر الی اللہ تھی جس کا کمال "دیدار ذات" اور "فناء نفس" تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ بندہ تعینات بشریت کو چاک کر کے جلوہ الوہیت میں اس طرح گم ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے جسے اقبالؒ یوں بیان کرتا ہے:

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

یہ حقیقت ہے کہ مرتبہ عروج میں خود کو معدوم کئے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ حضرت رومیؒ فرماتے ہیں:

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است
پس قیامت شو' قیامت را ببیں
دیدن ہر چیز را شرط است ایں

Marfat.com

جس طرح سایہ دیوار میں گم ہو کر اس کی حقیقت کو پالیتا ہے۔ اسی طرح بندہ ذات الوہیت میں گم ہو کر اس کی حقیقت کی راہ کو پالیتا ہے۔ اقبالؒ نے ایک اور مقام پر بندے کی مرتبہ عروج میں اس تشویش اور اس کے حل کو ان سوالات و جوابات کی صورت میں بیان کیا ہے

من کیم' تو کیستی' عالم کجا است؟
درمیان ما و تو دوری چرا ست؟
من چرا در بند تقدیرم بگو؟
تو نمیری من چرا میرم بگو؟

جواب

بودہ اندر جہاں چار سو
ہر کہ گنجد اللہ او میرد در او
زندگی خواہی خودی را پیش کن
چار سو را غرق اندر خویش کن
باز بینی من کیم تو کیتی
در جہاں چوں مردی وچوں زیستی

لیکن یہی مرتبہ عروج ہی اگر آخری نکتہ کمال ہو تو انسانیت شرف ہدایت سے محروم رہ جائے۔ کیونکہ انبیاء و اولیاء سب ذات حق کے جلوہ حسن میں گم رہیں اور گمراہیوں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہ حق دکھانے کے لئے کوئی بھی مرد مومن مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہونے پائے۔ اس لئے عروج کے بعد نزول کا مرحلہ رکھا گیا۔ عروج دراصل اپنی ذات کی تکمیل کی کوشش تھی۔ نزول باقی انسانیت کی تکمیل کی کوشش ہے۔ عروج کا کمال لازم تھا نزول کا متعدی ہے۔ عروج اس لحاظ سے ذاتی منفعت پر مبنی تھا لیکن نزول دوسروں کے لئے نفع بخشی اور فیض رسانی پر مبنی ہے۔ مقام نزول پر بندہ بارگہ الوہیت سے نعمتوں اور

Marfat.com

رحمتوں کو سمیٹ کر واپس خلق خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جس کا اشارہ "الرحمٰن الرحیم" میں ہے کیونکہ لفظ "اللہ" کی شان جلالیت میں خدا کے سوا سب کچھ معدوم نظر آتا تھا مگر الرحمٰن الرحیم کی شان رحمت میں سب کو بقا ملتی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ کا کمال یہ تھا کہ وہی باقی اور موجود رہے اور اس کے علاوہ سب کچھ فانی و معدوم، لیکن الرحمٰن الرحیم کا کمال یہ ہے کہ وہ مبقی اور موجد (بقا دینے والا اور ایجاد کرنے والا) بھی ہو یعنی وہ بھی رہے اور اس سے مانگنے والے بھی رہیں۔ اللہ اپنی صفت جلال سے ہر شے کو نیست کرنے والا ہے لیکن الرحمٰن الرحیم اپنی صفت جمال سے ہر شے کو ہست کرنے والا ہے۔

اسی لئے اللہ سے تعلق مقام فنا کا باعث تھا اور الرحمٰن الرحیم سے تعلق مقام بقا کا باعث ہے۔ تسمیہ کے ان معارف نے عام انسان کو بھی یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو دونوں خواص سے بہرہ ور کرے۔ بصورت عروج اپنی تکمیل بھی کرے اور بصورت نزول دوسروں کی نشوونما اور تکمیل سے بھی بے نیاز نہ ہو۔

(۱۶) حقیقت انسانی کی یاد کی تکمیل

تسمیہ میں تینوں اسماء الٰہی ...... اللہ، الرحمٰن، الرحیم اپنے اپنے معنوی تشخصات کے اعتبار سے انسان کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ اے انسان! یہ دنیا جس میں تو بس رہا ہے، تیرا منتہائے مقصود یا منزل سفر نہیں ہے۔ ابھی تک تو حالت سفر میں ہے۔ تیری زندگی کا وہ نقطہ آغاز تھا جب تجھے حالت عدم سے خلعت وجود سے نوازا گیا۔ یہاں سے تیرے سفر زندگی کی ابتدا ہو گئی۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، انسانی سفر کا آغاز رب کائنات کی "شان الوہیت" کے ظہور سے ہوا کیونکہ الوہیت اصلاً خالقیت پر دلالت کرتی ہے اس طرح تو عالم ارواح میں مقیم رہا۔ پھر ذات حق نے جب چاہا تجھے اس عالم ناسوت (عالم دنیا) میں منتقل کر دیا۔ جہاں تجھے اس کے "چشمہ رحمانیت" کے ذریعے حیات کی نعمت مل رہی ہے۔ لیکن تو اس کارخانہ حیات کو اپنی منزل کیوں سمجھ بیٹھا ہے؟ یہ تو تیرے سفر کا ایک مرحلہ ہے۔ ابھی ذات حق کی "شان

Marfat.com

رحیمیت" کے جلوے کو بھی ظاہر ہونا ہے' اور وہ عالم آخرت کا مرحلہ ہو گا۔ جہاں تیرے عارضی سفر کا اختتام ہو جائے گا اور تو پھر اپنی اصل حالت عدم پا سکے گا۔ یہاں پہنچ کر خدا کی ذات و صفات کے جلووں سے وصال کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ تیری حالت فراق پھر سے حالت وصال میں بدل جائے گی۔ اس لئے تجھے چاہئے کہ تو اپنی اصلی حالت کو ہمہ وقت یاد رکھے۔ اپنی آخری منزل تک پہنچنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح بیتاب رہے اور محبوب سے ملنے کی تیاری میں ہر گھڑی مصروف رہے۔ کیونکہ اس وقت فراق و جدائی کے حال میں ہے۔ ہجر و فراق کی حالت میں گرفتار لوگ اس طرح خوش و خرم اور بے فکر و بے نیاز نہیں ہوا کرتے جس طرح تو نظر آتا ہے۔ تیری حالت تو اس بانسری کی سی ہونی چاہیے جو اپنی اصل سے جدا ہو کر ہر وقت درد بھرے نغمات الاپتی رہتی ہے۔ جس کی حالت فراق کو حضرت رومیؒ نے اس طرح قلمبند کیا ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند
کنز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تاکہ بگویم شرح درد اشتیاق

تسمیہ نے شروع میں لفظ اللہ سے انسان کو اس کی خلقت کی یاد دلائی۔ الرحیم کے ذریعے اسے اپنے انجام اور آخری منزل کی طرف متوجہ کیا اور درمیان میں الرحمٰن کہہ کر اس دنیا کی زندگی کو بیان کر دیا تاکہ انسان اپنی سابقہ اصل کو یاد رکھے۔ آئندہ منزل کے لئے تیار رہے اور دنیوی زندگی کو بجائے حقیقت سمجھنے کے محض اپنی سفر زندگی کا ایک مرحلہ تصور کرے اسی لئے قرآن حکیم نے انسان کو اس کے اصل ٹھکانے کی طرف رغبت دلاتے ہوئے اعلان کیا۔

Marfat.com

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔

(العنکبوت ۲۹: ۵)

جو کوئی ذات حق سے وصال کی آرزو رکھتا ہے (وہ سن لے) کہ وہ ملاقات اور وصال کی) گھڑی قریب آنے والی ہے۔

Marfat.com

إشاريه

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	آیاتِ طیبات	۲۵۱
۲	أحادیث	۲۶۵
۳	اقوال	۲۶۹
٤	اعلام	۲۷۱
۵	اماکن و بلاد	۲۷۹
٦	اصطلاحات	۲۸۰
۷	اشعار	۲۸۷

Marfat.com

آیاتِ طیبات

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الفاتحة: ۱		
۱	الحمد لله رب العالمين O	۱:۱	۷۴
	البقره: ۲		
۲	وإذا خلوا الى شياطينهم...	۱۴:۲	۳۲
۳	يضل به كثيرا و يهدى به كثيرا...	۲۶:۲	۵۱
۴	إذ قال ربك للملائكة۔	۳۰:۲	۷۰
۵	وعلم آدم الأسماء كلها...	۳۱:۲	۱۰۸، ۱۱۱
۶	انه هو التواب الرحيم O	۵۴:۲	۱۶۵
۷	ولله المشرق والمغرب...	۱۱۵:۲	۷۶، ۱۵۵
۸	إذ قال لبنيه ما تعبدون...	۱۳۳:۲	۱۳۴
۹	ولنا أعمالنا ولكم أعمالكم...	۱۳۹:۲	۲۱۲
۱۰	ويكون الرسول عليكم شهيدا۔	۱۴۳:۲	۱۶۷
۱۱	إن الله بالناس لرؤف الرحيم O	۱۴۳:۲	۱۶۵
۱۲	يأيها الذين أمنوا أستعينوا...	۱۵۳:۲	۸۲
۱۳	والفلك التى تجرى فى البحر...	۱۶۴:۲	۱۷۷
۱۴	والذين أمنوا أشد حبا لله...	۱۶۵:۲	۱۴۳
۱۵	و اذا سألك عبادى عنى فانى قريب۔	۱۸۶:۲	۱۵۲
۱۶	أجيب دعوة الداع...	۱۸۶:۲	۱۸۵
۱۷	يا أيها الذين أمنوا أدخلوا فى السلم...	۲۰۸:۲	۲۱۱
۱۸	عسى أن تكرهوا شيئا و هو ...	۲۱۵:۲	۲۰۴
۱۹	أولئك يرجون رحمة الله ...	۲۱۸:۲	۱۶۵
۲۰	كذالك يبين الله لكم الأيات...	۲۱۹:۲	۱۳۸

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآیات	حواله	صفحه
۲۱	تلك الرسل فضلنا بعضهم...	۲:۲۵۳	۸۷
۲۲	تعرفهم بسیما هم۔	۲:۲۷۳	۱۰۱
۲۳	الذین یا کلون الربوا لا یقومون...	۲:۲۷۵	۴۰
	آل عمران: ۳		
۲۴	قل إن کنتم تحبون الله...	۳:۳۱	۹۴، ۲۱۹
۲۵	وجنة عرضها السموات والأرض..	۳:۱۳۳، ۱۳۴	۲۳۷
۲۶	یتلوا علیهم ایاته ویزکیهم...	۳:۱۶۴	۵۳
۲۷	الذین یذکرون الله قیاما...	۳:۱۹۱	۱۳۷
	النساء: ٤		
۲۸	إن الله کان توابا رحیماO	۴:۱۶	۱۸۳
۲۹	إن الله کان غفورا رحیماO	۴:۲۳	۱۸۳
۳۰	فکیف إذا جئنا من کل أمة...	۴:۴۱	۱۶۷
۳۱	یآیها الذین أمنوا لا تقربوا الصلاة...	۴:۴۳	۲۲۲
۳۲	ان الله کان سمیعا بصیراO	۴:۵۸	۱۶۷
۳۳	یریدون ان یتحاکموا...	۴:۶۰	۲۰۸
۳۴	و قد أمروا أن یکفروا به...	۴:۶۰	۲۰۸
۳۵	و اذ قیل لهم تعالوا الی...	۴:۶۱	۸۷
۳۶	و ما ارسلنا من رسول...	۴:۶۴	۸۹
۳۷	لوجدوا الله توابا رحیماO	۴:۶۴	۱۸۳
۳۸	قل کل من عندالله...	۴:۷۸	۷۳، ۱۵۷
۳۹	ما أصابك من حسنة فمن الله...	۴:۷۹	۷۳
۴۰	درجت منه و مغفرة و رحمة...	۴:۹۶	۱۸۴

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۴۱	و استغفر الله إن الله كان ...	۱۰۶:۴	۱۸۴
۴۲	لعنة الله و قال لأ تخذن...	۱۱۹،۱۱۸:۴	۴۴
	المائده: ۵		
۴۳	واذكروا اسم الله عليه۔	۴ :۵	۱۰۴
۴۴	اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا...	۶:۵	۲۲
۴۵	أحل لكم صيد البحر ...	۹۶:۵	۱۷۷
	الانعام: ۶		
۴۶	كتب على نفسه الرحمة۔	۱۲:۶	۱۹۵
۴۷	و هو يطعم ولا يطعم...	۱۴:۶	۱۵۶
۴۸	فقل سلام عليكم كتب...	۵۴:۶	۱۹۵
۴۹	سبحانه و تعالى عما يصفون○	۱۰۱:۶	۱۴۹
۵۰	لا تدركه الابصار و هو...	۱۰۳ :۶	۱۳۷
۵۱	و كذلك جعلنا لكل نبى عدوا...	۱۱۳:۶	۳۲
۵۲	فكلوا مما ذكر اسم الله عليه۔	۱۱۸:۶	۱۱۴،۶۷
۵۳	ومالكم الا تاكلوا مما...	۱۱۹:۶	۱۰۴،۶۷
۵۴	وان الشياطين ليوحون الى...	۱۲۱:۶	۳۳
۵۵	وربك الغنى ذوالرحمة۔	۱۳۳:۶	۱۷۰
۵۶	و هو الذى أنشاء جنت معروشات...	۱۴۲:۶	۱۹۷
۵۷	ربكم ذو رحمة واسعة۔	۱۴۷:۶	۱۹۰
۵۸	قل إننى هدانى ربى إلى...	۱۶۲_۱۶۱:۶	۲۱۳
	الاعراف: ۷		
۵۹	ولقد مكنكم فى الأرض...	۱۰:۷	۱۷۶

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۶۰	ثم قلنا للملائكة اسجدوا...	۷:۱۱_۱۳	۲۸
۶۲	قال فبما اغويتنى لأقعدن...	۷:۱۶	۵۰
۶۳	ثم لأ تينهم من بين ايديهم...	۷:۱۷	۴۳
۶۴	قال اخرج منها مذء و ما مدحولا۔	۷:۱۸	۲۹
۶۵	فوسوس لهما الشيطان۔	۷:۲۰	۳۳
۶۶	انه يراكم هو و قبيله ...	۷:۲۷	۴۰
۶۷	فريقا هدى و فريقا حق...	۷:۳۰	۴۰
۶۸	قال يا قوم اعبدوا الله مالكم...	۷:۶۵	۱۳۵
۶۹	قال موسى لقومه استعينوا...	۷:۱۲۸	۸۲
۷۰	و رحمتي و سعت كلى شئ۔	۷:۱۵۶	۱۹۰
۷۱	ولله الأسماء الحسنى فادعوه...	۷:۱۸۰	۱۰۲
۷۲	و اما ينزغنك من الشيطان نزغ...	۷:۲۲۰	۲۳
	الانفال: ۸		
۷۳	إنما المومنون الذين إذا...	۸:۲_۳	۱۳۱
	التوبه: ۹		
۷۴	لاتحزن ان الله معنا...	۹:۴۰	۷۸
۷۵	أولئك سيرحمهم الله إن الله...	۹:۷۱	۱۷۰
۷۶	لقد جآء كم رسول من انفسكم...	۹:۱۲۸	۱۶۶
	يونس: ۱۰		
۷۷	ما خلق الله ذالك الا بالحق...	۱۰:۵_۶	۱۳۷
۷۸	فكفى با الله شهيدا۔	۱۰:۲۹	۱۶۷

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	هود: ۱۱		
۷۹	قال ارکبوا فیها بسم الله مجریها..	۴۱:۱۱	۸۰،۶۶
	يوسف: ۱۲		
۸۰	وقال یا بنی لا تدخلوا من باب..	۶۷:۱۲	۳۵
۸۱	و ابیضت عینه من الحزن۔	۸۴:۱۲	۱۱۸
۸۲	اذهبوا بقمیصی هذا فالقوه..	۹۳:۱۲	۱۱۷
۸۳	فلما ان جآء البشیر القه..	۹۶:۱۲	۱۱۷
	الرعد: ۱۳		
۸۴	و هو الذی مد الارض وجعل..	۴_۳:۱۳	۱۷۶
۸۵	قل من رب السموت والارض	۱۶:۱۳	۱۲۷
۸۶	الا بذکر الله تطمئن القلوب○	۲۸:۱۳	۱۴۱
	ابراهیم: ۱۴		
۸۷	الله الذی خلق السموت والأرض..	۳۴_۳۲:۱۴	۱۹۸
۸۸	سخر لکم الشمس والقمر..	۳۳:۱۴	۱۸۱
۸۹	واتکم من کل ما سالتموه۔	۳۴:۱۴	۱۸۵
	الحجر: ۱۵		
۹۰	واذ قال ربک للملائکة انی..	۲۸:۱۵	۳۰
۹۱	فاذا سویته و نفخت فیه من..	۳۵،۲۹:۱۵	۳۹
۹۲	قال رب بما اغویتنی لا زینن..	:۱۵	۴۳
	النحل: ۱۶		
۹۳	والأنعام خلقها لکم فیها	۴_۵:۱۶	۱۷۸

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآیات	حواله	صفحه
۹۴	وهو الذی سخر البحر لتاکلوا...	۱۴:۱۶	۱۷۷
۹۵	ومالکم من نعمة فمن اللہ	۵۳:۱۶	۱۵۹
۹۶	وإن لکم فی الأنعام لعبرة...	۶۶:۱۶	۱۷۸
۹۷	واللہ أخرجکم من بطون...	۷۸:۱۶	۱۹۶
۹۸	واللہ جعل لکم من بیوتکم...	۸۰:۱۶	۱۷۹
۹۹	واللہ جعل لکم مما خلق...	۸۱:۱۶	۱۸۰
۱۰۰	فاذا قرأت القرآن فاستعذ...	۹۸:۱۶	۲۱، ۵۰
۱۰۱	انه لیس له سلطان...	۹۹:۱۶	۴۵
	بنی اسرائیل: ۱۷		
۱۰۲	قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن	۱۱۰:۱۷	۱۶۲
	مریم: ۱۹		
۱۰۳	قال إنما أنا رسول ربك...	۱۹:۱۹	۱۱۹
۱۰۴	رب السموت والأرض وما...	۶۵:۱۹	۱۳۰
۱۰۵	ان دعوا للرحمن ولدا...	۹۱:۱۹_۹۳	۱۶۳
	طه: ۲۰		
۱۰۶	الرحمن علی العرش استوی○	۵:۲۰	۱۷۲
۱۰۷	اللہ لا اله الا هو...	۸:۲۰	۱۰۳
۱۰۸	قال ربنا الذی أعطی...	۵۰:۲۰	۱۷۴
۱۰۹	وان ربکم الرحمن فاتبعونی	۹۰:۲۰	۱۶۳
	الانبیاء: ۲۱		
۱۱۰	وما ارسلنا من قبلك من	۲۵:۲۱	۱۳۵
۱۱۱	وما ارسلنك الا رحمة للعالمین○	۱۰۷:۲۱	۹۵

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	المومنون: ۲۳		
۱۱۲	وهو يجير ولا يجار عليه۔	۸۸:۲۳	۱۵۶
۱۱۳	و قل رب أعوذ بك من همزت...	۹۸_۹۷:۲۳	۲۳
	الفرقان: ۲۵		
۱۱۴	ثم استوى على العرش الرحمن...	۶۰_۵۹:۲۵	۱۶۳
۱۱۵	و عبادالرحمن الذين يمشون...	۶۴_۶۳:۲۵	۲۳۷،۱۴۴
	الشعراء: ۲۶		
۱۱۶	قالوا لئن لم تنته يانوح...	۱۱۶:۲۶	۲۷
	النمل: ۲۷		
۱۱۷	انه من سليمان وانه...	۳۰:۲۷	۶۶،۶۲
	بسم الله الرحمن الرحيم○	۳۰:۲۷	۱۱۲
	القصص: ۲۸		
۱۱۸	ومن رحمته جعل لكم الليل	۷۳:۲۸	۱۹۶
۱۱۹	لا اله الا هو كل شى هالك	۸۸:۲۸	۱۵۴،۷۶
	العنكبوت: ۲۹		
۱۲۰	من كان يرجوا لقاء الله	۵:۲۹	۲۴۸
۱۲۱	خلق الله السموات والأرض	۴۴:۲۹	۲۲۴
۱۲۲	ولئن سألتهم من خلق السموات	۶۱:۲۹	۱۲۷
۱۲۳	ولئن سالتهم من نزل من السماء	۶۳:۲۹	۱۲۷
	الروم: ۳۰		
۱۲۴	لله الامر من قبل و من بعد۔	۴:۳۰	۷۶

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۱۲۵	اولم يتفكروا فی انفسهم۔	۸:۳۰	۱۳۸
۱۲۶	الله يبدؤ الخلق ثم يعيده...	۱۱:۳۰	۱۲۸
۱۲۷	ومن اياته أن خلق لكم...	۲۱:۳۰	۱۹۷
۱۲۸	الله الذی خلقكم ثم رزقكم...	۴۰:۳۰	۱۲۸
	لقمان: ۳۱		
۱۲۹	وأسبغ عليكم نعمه ظاهرة باطنة۔	۲۰:۳۱	۱۹۵
۱۳۰	ألم تروا أن الله سخرلكم...	۲۰:۳۱	۱۸۱
	السجده: ۳۲		
۱۳۱	الله الذی خلق السموت والارض...	۴:۳۲	۱۲۸
۱۳۲	يدعون ربهم خوفا طمعا۔	۱۶:۳۲	۲۴۱
	الاحزاب: ۳۳		
۱۳۳	وكان بالمؤمنين رحيما○	۴۳:۳۳	۱۷۲
	السباء: ۳۴		
۱۳۴	قل من يرزقكم من السموت...	۲۴:۳۴	۱۲۷
	فاطر: ۳۵		
۱۳۵	ان الشيطان لكم عدو...	۶:۳۵	۴۹
	يسين: ۳۶		
۱۳۶	الذی جعل لكم من الشجر الأخضر...	۸۰:۳۶	۱۸۰
	الصافات: ۳۷		
۱۳۷	سبحان ربك رب العزة عما يصفون○	۱۸۵:۳۷	۱۴۹

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	ص: ٣٨		
۱۳۸	قال فبعزتك لاغوينهم...	۳۸:۸۲_۸۳	۴۲
۱۳۹	قال فالحق و الحق اقول...	۳۸:۸۴_۸۵	۴۲
	الزمر: ٣٩		
۱۴۰	ما نعبدهم الا ليقربونا...	۳۹:۳	۱۳۱
	المومن: ٤٠		
۱۴۱	ربنا وسعت كل شي رحمة و علما۔	۴۰:۷	۱۹۰
۱۴۲	الله الذى جعل لكم الأرض...	۴۰:۶۴	۲۲۶
	حم السجده: ٤١		
۱۴۳	فاستعذ بالله انه هو السميع العليمO	۴۱:۳۶	۲۳
۱۴۴	سنريهم اياتنا فى الأفاق...	۴۱:۵۳	۱۳۸، ۱۴۷
	الزحرف: ٤٣		
۱۴۵	أجعلنا من دون الرحمن ألهة...	۴۳:۴۵	۱۶۴
	الدخان: ٤٤		
۱۴۶	ما خلقنا هما الابالحق...	۴۴:۳۹	۲۲۴
	محمد: ٤٧		
۱۴۷	فلا تهنوا و تدعوا الى السلم...	۴۷:۳۵	۴۸، ۷۹، ۲۲۱، ۲۲
	الفتح: ٤٨		
۱۴۸	لن تجد لسنة الله تبديلاO	۴۸:۲۳	۹۰
۱۴۹	سيماهم فى وجوههم من اثر السجود۔	۴۸:۲۹	۱۰۱

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الحجرات: ۴۹		
۱۵۰	یأیها الذین أمنوا لا تقدموا بین ...	۱:۴۹	۷۱
	ق: ۵۰		
۱۵۱	ولقد خلقنا الانسان ونعلم ...	۱۶:۵۰	۷۹
	و نحن أقرب الیه من حبل الورید○	۱۶:۵۰	۱۵۲
	الذاریات: ۵۱		
۱۵۲	و بالأسحارهم یستغفرون○	۱۸:۵۱	۱۳۵
۱۵۳	و فی الأرض ایات للموقنین ...	۲۰:۵۱	۲۲۵
	الواقعه: ۵۶		
۱۵۴	لایمسه الا المطهرون○	۷۹:۵۶	۵۴
	الحدید: ۵۷		
۱۵۵	هو الاول و ألاخر و الظاهر ...	۳:۵۷	۷۵، ۱۵۰
۱۵۶	وهو معکم أین ما کنتم ...	۴:۵۷	۷۸، ۱۵۴
	الحشر: ۵۹		
۱۵۷	هو الله الذی لا اله الا هو ...	۲۲:۵۹	۱۲۶
۱۵۸	هو الله الذی لا اله الا هو الملک ...	۲۳:۵۹	۱۲۶
۱۵۹	هو الله الخالق الباری المصور ...	۲۴:۵۹	۱۰۳، ۱۲۶
	المنافقون: ۶۳		
۱۶۰	وإذا قیل لهم تعالوا یستغفر لکم ...	۵:۶۳	۸۸
۱۶۱	سوآء علیهم استغفرت لهم ...	۶:۶۳	۸۹

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	الملك: ٦٧		
١٦٢	ولقد زينا السمآء الدنيا...	٦٧:٥	٢٧
	المزمل: ٧٣		
١٦٣	واذكر اسم ربك و تبتل...	٧٣:٨	١٠٣
	الدهر: ٧٦		
١٦٤	هل أتى على الانسان حين...	٧٦:١	١٧٣
١٦٥	انا خلقنا الانسان من نطفة...	٧٦:٢	١٦٦
	التكوير: ٨١		
١٦٦	وما هو بقول شيطان الرجيم○	٨١:٢٥	٣١
	الاعلى: ٧٨		
١٦٧	قد افلح من تزكى و ذكر...	٨٧:١٤_١٥	١٠٥
	الانفطار: ٨٢		
١٦٨	يأيها الناس ما غرقك بربك	٨٢:٨٦	١٧٦
	الضحىٰ: ٩٣		
١٦٩	وللأخرة خيرلك من الاولى○	٩٣:٤	٩٣
١٧٠	ولسوف يعطيك ربك فترضى...	٩٣:٥_٨	٩١
١٧١	فاما اليتيم فلا تقهر...	٩٣:٩_١١	٩٢
	الانشرح: ٩٤		
١٧٢	فان مع العسر يسرا...	٩٤:٥_٦	٢٠١
	التين: ٩٥		
١٧٣	لقد خلقنا الإنسان فى أحسن تقويم○	٩٥:٤	١٩٦

Marfat.com

صفحه	حواله	أطراف الآيات	نمبر شمار
		العلق: ۹٦	
۱۰۵،٦۸	۹٦:۱	اقراء باسم ربك الذى خلقO	۱۷۴
		الاخلاص: ۱۱۲	
۱۳٦	۱۱۲:۱ـ۴	قل هو الله احدO الله الصمد...	۱۷۵
		الفلق: ۱۱۳	
۳۴	۱۱۳:۴	و من شر النفثت فى العقد O	۱۷٦
۳۴	۱۱۳:۵	ومن شر حاسد اذا حسدO	۱۷۷
		الناس: ۱۱٤	
۳۳	۱۱۴:۵ـ٦	من شر الوسواس الخناس...	۱۷۸

Marfat.com

احادیث

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الأحاديث	صفحہ
۱	أعيذ كما بكلمات الله التامة	۳۸
۲	افلا اكون عبداً شكورا	
۳	الخلق عيال اللّٰه فاحب الخلق الى اللّٰه	۲۳٤
٤	العين حق تستنزل الفارس عن فرسه	
٥	العين حق ولو كان شئى سابق القدر	۳۷
٦	اللهم إنى أعوذ بكلمات اللّٰه	۳۸
۷	اللهم إنى أعوذبك من الشيطان	۲۳
۸	ان للّٰه تعالىٰ تسعة و تسعين...	۱۱٦
۹	ان النبى ﷺ و ابابكر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ كانوا يفتتحون	٦۳
۱۰	انما انا قاسم واللّٰه يعطى	۱٥۷.۹۱
۱۱	انما مثلى و مثل امتى كمثل رجل	۹٤
۱۲	انه من لم يسائى اللّٰه يغضب عليه	۱۸٦
۱۳	رب اشعث مدفوع بالابواب لواقسم	۲۱۹
۱٤	صليت خلف رسول اللّٰه	٦٤
۱٥	عبدى ما عبدتنى و رجوتنى ولم تشرك بى شيئاً	۲٤۳
۱٦	فامر رسول اللّٰه ﷺ با خفائها فما	٦٥
۱۷	فلما نزلت هذه الاية امر رسول اللّٰه ﷺ	٦٥
۱۸	كان اذا صلى بالناس يخر رجال من قامهم	۲۰۲
۱۹	كان المسلمون لا يعلمون انقضاء السورة	٦۲
۲۰	كانوا يسرون التعوذ	٦٤
۲۱	كان يومر العائن فيتوضاء ثم يغتسل	۳۷
۲۲	كل أمر ذى بال لا يبداء فيه	٦۷

Marfat.com

نمبر شمار	أطراف الأحاديث	صفحہ
۲۳	لا وضوء لمن لم يذكر اسم اللّٰه عليه ۔	٦۸
۲٤	لا يلج النار رجل بكى من خشية اللّٰه	۲٤۳
۲٥	لا يومن احدكم حتى يحب لاخيه	۲۳٦
۲٦	لصافحتكم الملائكة على	۱۱٦
۲۷	لو كانت تكون قلوبكم كما تكون	۱۱٥
۲۸	ما وسعنى ارضى ولا سمائى و وسعنى	۱٤۹
۲۹	من أتى ساحرا او عرافا فقد كفر	۳٤
۳۰	من قال فى القرآن برأيه فليبتوا	٥۲
۳۱	من قال فى القرآن بغير علم فليبتوا	٥۲
۳۲	من قضى لأحد من امتى حاجة يريد	۲۳٥
۳۳	ولا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم	٦٤

Marfat.com

اقوال

نمبر شمار	اقوال	صفحہ
۱	اذا رایت الفقیر المحترق النار	۲۳۵
۲	اسند الفعل الی نفسہ مجازا لکونہ سبباً	۱۱۹
۳	الرحمۃ رقۃ القلب والانعطاف یقتضی	۱۹۲
۴	الرحمۃ رقۃ تقتضی الاحسان الی المرحوم	۱۹۲
۵	الرحمن اذا سئل اعطی والرحیم	۱۸۶
۶	ان الواجب لذاتہ لیس الا ھو والکامل	۱۳۹
۷	ان ھرمز خلق الدنیا فی ستۃ ادوار	۱۳۰
۸	انا اقرب الی المعاصی اذا فرغ	۱۸۸
۹	انا مکون المکان ولیس لی مکان	۱۴۹
۱۰	انکم تبا یعونہ علی حرب الاسود	۴۹
۱۱	اھل الطاعات یذکرون النعیم و اھل العصیان	۱۸۸
۱۲	جعلت الفقر والفاقۃ مطیۃ الانسان	۲۰۲
۱۳	ذالک انہ خاف علیھم العین فامرھم	۳۶
۱۴	ذالک انھم کانوا ذوی جمال و ھینۃ	۳۶
۱۵	فاظھر اللہ تعالیٰ فضل آدم علیھم بالعلم	۱۰۹
۱۶	فان قیل فاذا اعطی الحق تعالی بعض	۲۱۸
۱۷	فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ یا عیسی کان	۲۶
۱۸	فھھنا العجز عن درک الا دراک ادراک	۱۴۰
۱۹	قال اللہ تعالیٰ فی بعض کتبہ یا ابن	۲۱۷
۲۰	قال بعض المتقین: سبحان من احتجب	۱۵۱
۲۱	قد تستعمل تارۃ فی الرقۃ المجردۃ و تارۃ	۱۹۴
۲۲	قلت یا رب ای ضحک افضل عندک	۲۰۲

Marfat.com

نمبر شمار	اقوال	صفحہ
۲۳	کل العلوم مندرج فی الکتب الاربعة	۶۹
۲۴	لا نعرف الذوات الابواسطة الصفات	۱۰۷
۲۵	لانه یرجم الناس بالوساوس	۲۷
۲۶	والصحیح انه علمه اسماء الاشیاء کلها	۱۰۸
۲۷	ولکنه وهب من الاسرار ما یرفعه	۱۱۰
۲۸	هو انعام بعد انعام و تفضل بعد تفضل	۱۹۰
۲۹	هی الالتجاء الی الله تعالی والالتصاق	۲۴
۳۰	یا هرمز الرحیم صانع العالم المشهود	۱۲۹
۳۱	تعلیم نامہا برای آں واقع شدکہ	۱۱۰
۳۲	کہ امتیاز آدم از فرشتگان	۱۱۰
۳۳	ہنوز اس کے استحقاق خلافت کی کوئی	۱۱۰

Marfat.com

أعلام

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۱	آدم علیہ السلام	۳۹، ۳۰، ۳۱، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱، ۱۱۲
۲	ابراہیم علیہ السلام	۱۳۵، ۲۲۸
۳	ابراہیم نخعیؒ	۲۲
۴	ابلیس	۳۰
۵	ابن ابی شیبہؒ	۶۵
۶	ابن خزیمہؒ	۲۱، ۲۲
۷	ابن عربیؒ	۲۱۷
۸	ابن زبیرؓ	۹۲
۹	ابن سیرینؒ	۲۱، ۲۲
۱۰	ابن عمرؓ	۶۲
۱۱	ابن کثیرؒ	۱۰۸
۱۲	ابن ماجہؒ	۶۵
۱۳	ابو بکر صدیقؓ، حضرت	۶۳، ۶۴، ۷۸
۱۴	ابو حنیفہؒ، امام	۲۲، ۶۳
۱۵	ابو داؤدؒ	۶۵۲
۱۶	ابو علی رودباریؒ	۲۴۲
۱۷	ابو وائلؒ	۶۴
۱۸	ابو ہریرۃؓ	۳۶، ۶۲، ۱۱۶، ۱۸۶
۱۹	احمد ﷺ	۹۱
۲۰	احمد بن حنبلؒ، امام	۲۲، ۶۲، ۶۳
۲۱	احمد رضا خان بریلویؒ	۹۳، ۲۱۷
۲۲	اسحاق	۱۳۵

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۲۳	اسماعیل	۱۳۵
۲۴	اشرف علی تھانویؒ	۲۱۶، ۲۱۷
۲۵	اصغر گونڈوی	۱۱۳
۲۶	اقبالؒ، علامہ	۸۱، ۱۳۹، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۸۲، ۱۸۵، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۹، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۵
۲۷	اکبر	۱۴۰
۲۸	امام الحرمین	
۲۹	امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حاجی	۲۱۶
۴۰	امیر مینائی	۲۳۴
۴۱	امیہ بن ابی الصلتؓ	۲۶
۴۲	انسؓ	۶۳، ۶۴، ۲۳۴، ۲۳۴
۴۳	انور شاہ کشمیریؒ	۲۱۷
۴۴	اوزاعیؒ	۲۲، ۶۳
۴۵	بخاریؒ، امام	۶۴
۴۶	بدر عالم میرٹھی	۲۱۷
۴۷	بغویؒ	۲۶، ۱۰۹
۴۸	بلقیس	
۴۹	بلھے شاہؒ	۱۴۰
۵۰	بیضاویؒ	۳۷، ۱۹۲
۵۱	بیہقیؒ	۶۵، ۲۳۴
۵۲	تاج الدین سبکیؒ	۲۱۷
۵۳	ترمذیؒ	۶۵

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۵۴	جبرائیل علیہ السلام	۱۱۸
۵۵	جلال الدین سیوطیؒ	۲۱۷
۵۶	حامد ﷺ	۹۱
۵۷	حسنؓ، امام	۳۸
۵۸	حسینؓ، امام	۳۸
۵۹	حنظلہ بن ربیع اسیدیؓ	۱۱۵
۶۰	خازنؒ، امام	۲۱، ۳۷
۶۱	خطابی	۱۳۰
۶۲	خلیل	۱۳۰
۶۳	داؤد ظاہری	۲۲
۶۴	رازیؒ، فخر الدین	۳۷، ۵۴، ۷۷، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۳۴، ۱۴۰، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱
۶۵	راغب اصفہانی، امام	۲۴، ۲۶، ۱۰۰، ۱۹۴
۶۶	رومیؒ	۱۵۲، ۲۰۲، ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۴۵
۶۷	زمخشریؒ، علامہ	۳۷، ۱۰۸
۶۸	زہریؒ	۶۲
۶۹	زید	۱۰۶
۷۰	سدیؒ	۳۶
۷۱	سعید بن منصورؓ	۶۳
۷۲	سفیان ثوریؒ	۲۲، ۶۳
۷۳	سلیمان علیہ السلام	۶۲، ۶۶
۷۴	سہیل بن حنیفؓ	۳۷
۷۵	سیبویہ	۲۶، ۱۳۰

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۷۶	سید قطب	۱۱۰
۷۷	شافعیؒ، امام	۲۲، ۶۲، ۱۳۰
۷۸	شاہ ولی اللہؒ	۲۱۷
۷۹	شمس تبریزؒ	۲۱۶
۸۰	شیرازیؒ، حافظ	۲۱۲، ۲۳۴
۸۱	ضحاکؒ	۳۶
۸۲	طاؤسؒ	۶۲
۸۳	طبرانیؒ	۶۵
۸۴	عائشہؓ	۳۷
۸۵	عباس بن عبادہ انصاریؓ	۴۹
۸۶	عبدالحق حقانی	۱۱۰
۸۷	عبدالحق محدث دہلویؒ	۲۱۷
۸۸	عبدالرحمٰن جامیؒ	۲۱۷
۸۹	عبدالعزیز محدث دہلویؒ	۱۱۰
۹۰	عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ	۱۸۸، ۲۰۲، ۲۱۷، ۲۳۵
۹۱	عبداللہ ابن عباسؓ	۳۶، ۳۷، ۶۲، ۶۵، ۲۳۴
۹۲	عبداللہ بن مبارکؒ	۶۲، ۱۸۵
۹۳	عبدالوہاب شعرانیؒ	۲۱۷
۹۴	عثمانؓ، حضرت	۶۴
۹۵	عزیر علیہ السلام	۲۲۸
۹۶	عطاءؒ	۶۲
۹۷	عطاء بن ابی رباحؒ	۲۱

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۹۸	عمر فاروقؓ، حضرت	۶۳، ۶۴
۹۹	عیسیٰ علیہ السلام	۶۶، ۱۱۸، ۲۱۶، ۲۲۸
۱۰۰	غزالیؒ	۱۳۰
۱۰۱	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ	۳۷، ۲۱۷
۱۰۲	قتادہؒ	۳۶
۱۰۳	لبید بن عاصمؒ	۳۹
۱۰۴	مالکؒ، امام	۲۲، ۳۷، ۶۳
۱۰۵	مبرد	۱۸۹
۱۰۶	متنبی	۲۴، ۱۴۲
۱۰۷	مجاہدؒ	۳۶
۱۰۸	مجدد الف ثانیؒ	۳۷۱
۱۰۹	محمد ﷺ	کثیر الاستعمال
۱۱۰	محمد بن کعبؒ	
۱۱۱	محمود ﷺ	۹۱
۱۱۲	محمود الحسن دیوبندی	۱۲۱
۱۱۳	محمود العقادؒ	۱۲۹
۱۱۴	مریم علیہا السلام	۱۱۸، ۲۲۸
۱۱۵	مسلم، امام	۶۵
۱۱۶	مسیلمہ کذاب	۶۴
۱۱۷	معین الدین چشتی اجمیریؒ	۲۴۱
۱۱۸	مکحولؒ	۶۲
۱۱۹	ملا علی قاریؒ	۲۱۷

Marfat.com

نمبر شمار	اعلام	صفحہ
۱۲۰	ملکہ صبا	۶۶
۱۲۱	موسیٰ علیہ السلام	۸۲، ۲۲۸
۱۲۲	میر	۲۴۷
۱۲۳	نابغہ ذبیانی	۲۶
۱۲۴	نسائیؒ	۶۵
۱۲۵	نوح علیہ السلام	۶۶، ۷۷
۱۲۶	نوویؒ، امام	۳۷
۱۲۷	یعقوب علیہ السلام	۳۵، ۳۶،
۱۲۸	یوسف علیہ السلام	۱۱۷، ۲۲۸
۱۲۹	یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ	۲۱۷
۱۳۰	یونس علیہ السلام	۲۲۸

Marfat.com

نمبر شمار	اماکن و بلاد	صفحہ
۱	بصرہ	۶۳
۲	شام	۶۳
۳	غار ثور	۷۸
۴	مدینہ	۴۹، ۶۳
۵	مصر	۳۵
۷	منیٰ	۴۹
۸	یمامہ	۶۴
۹	یونان	۱۴۶

Marfat.com

اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ
۱	اجل الاستعاذہ	۵۵
۲	اخلاص فی التوحید	۲۴۰
۳	ارہاص	۲۲۸
۴	اسباب غیر مادی	۲۲۹
۵	استحباب	۲۱
۶	استدراج	۲۲۸
۷	استعانت	۶۱
۸	استمداد	۶۱
۹	اسرائیلیات	۲۶
۱۰	اسقاط وجوب	۲۱
۱۱	اشاعرہ	۱۰۲
۱۲	افضل	۷۱
۱۳	المستعاذ بہ	۵۴
۱۴	المستعاذ منہ	۵۵
۱۵	المستعیذ	۵۴
۱۶	امتیاز و انفصال	۶۲
۱۷	امر ما فوق الاسباب	۲۲۸
۱۸	انا الحق	۲۴۱
۱۹	اوم	۱۲۰
۲۰	آرامی	۱۳۰
۲۱	آسیب زدہ	۴۰
۲۲	آہو رمزدا	۱۲۹، ۱۳۰

Marfat.com

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ
۲۳	برہم	۱۲۹
۲۴	بلقیس	۲۲۸
۲۵	بنی اسرائیل	۲۲۸
۲۶	پرمیشور	۱۲۹
۲۷	تبرک و تیمن	۶۱
۲۸	تثلیث	۲۴۰
۲۹	تحلیہ	۵۳
۳۰	تخلیہ	۵۳
۳۱	تذلل و تضرع	۴۷
۳۲	تشکیک	۱۴۶
۳۳	تضاد	۲۳
۳۴	تکوین	۲۱۷
۳۵	تناقض	۲۳
۳۶	تنقیص نبوت	۳۱
۳۷	ثنویت	۲۴۰
۳۸	جبلی	۱۷۴
۳۹	جملہ فعلیہ انشائیہ	۶۱
۴۰	جملہ فعلیہ خبریہ	۶۱
۴۱	جمہور علماء	۳۷
۴۲	حسی	۱۷۴
۴۳	حشویہ	۱۰۲
۴۴	حمیری	۱۳۰

Marfat.com

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ
۴۵	حنیفیت	۲۱۳
۴۶	خصائل ذمیمہ	۳۲
۴۷	خوف و رجاء	۲۴۱
۴۸	دعائیہ	۶۱
۴۹	رگ وید	۱۲۹
۵۰	زرتشت	۱۲۹، ۱۳۰
۵۱	سامی	۱۳۰
۵۲	سجدہ تعظیمی	۱۳۰
۵۳	سریانی	۱۳۰
۵۴	سنت	۲۱، ۶۷
۵۵	سنن اربعہ	۲۲
۵۶	سوفسطائیت	۱۴۶
۵۷	سیر الی اللہ	۲۴۱
۵۸	سیر من اللہ	۲۴۱
۵۹	شہد	۱۲۹
۶۰	صالح علیہ السلام	۲۲۸
۶۱	عادی اسباب	۲۲۸
۶۲	عارضی	۱۶۸
۶۳	عالم امر	۸۶
۶۴	عالم خلق	۸۶
۶۵	عبرانی	۱۳۰
۶۶	عروج	۲۱۶، ۲۴۱

Marfat.com

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ
۶۷	عطائی	۱۶۸
۶۸	عقلی	۱۷۴
۶۹	علم الاسماء	۱۱۲
۷۰	غیر حسی	۲۲۹
۷۱	غیر مرئی	۲۲۹
۷۲	فاعل حقیقی	۱۳۰
۷۳	فناء نفس	۲۴۱
۷۴	قم باذن اللہ	۲۱۶
۷۵	قرب فرائض	۲۱۶
۷۶	کرامات	۲۲۸
۷۷	کرامیہ	۱۰۲
۷۸	کشف و وجدان	۱۳۲
۷۹	کلدانی	۱۳۰
۸۰	محدود و متناہی	۱۶۸
۸۱	مرحوم	
۸۲	مذہب مختار	۲۲، ۲۳، ۶۲، ۱۰۲
۸۳	مستحب	۲۱، ۶۷
۸۴	مطلق	۹۳
۸۵	معجزہ	۲۲۸
۸۶	معدوم	۷۵
۸۷	معروف	۶۲
۸۸	مفضول	۷۱

Marfat.com

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ
۸۹	مقام حیرت	۱۳۹
۹۰	مقام فنا	۲۴۱
۹۱	مقید	۹۳
۹۲	مکی دور	۶۴، ۶۵
۹۳	ممکن و حادث	۱۶۸
۹۴	من و سلوی	۳۲۸
۹۵	مؤید	۶۳
۹۶	ناظر و منظور	۱۵۲
۹۷	ندب	۲۱
۹۸	نزول	۲۴۱
۹۹	نزول بعد العروج	۲۱۶
۱۰۰	نسبت الی الخالق	۹۱، ۹۲
۱۰۱	نسبت الی الخلق	۹۱، ۹۳
۱۰۲	نسبت مجازی	۱۱۸
۱۰۳	واجب	۶۷
۱۰۴	وجدانی	۱۷۴
۱۰۵	وهب الیہ	۱۱۹
۱۰۶	ھالک	۷۵
۱۰۷	ھرمز	۱۲۹، ۱۳۰
۱۰۸	ہندو دھرم	۱۲۹
۱۰۹	یجرو ید	۱۲۹

Marfat.com

اشعار

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۱	الله یغضب ان ترکت سواله و بنی آدم حین سئال یغضب	۱۸٦
۲	ألیس وعدتنی یا قلب عنی اذا ما تبت عن لیلیٰ تتوب فها انا تائب عن حب لیلیٰ فما لك كلما ذكرت تذوب	۱۴۲
۳	یا من الوذ به فیما او مله ومن اعوذ به من احاذره	۲۴
۴	آدمی دید است باقی پوست است دید آں باشد کہ دید دوست است پس قیامت شو' قیامت را ببیں دیدن ہر چیز را شرط است ایں	۲۴۴
۵	آسائش دوگیتی تفسیر ایں دو حرف است با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا	۲۳۴

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۶	اگر خواہی خدا را فاش بینی خودی راہ فاش تر دیدن بیاموز اگر زیری ز خود گیری زبر شود خدا خواہی بخود نزدیک تر شو	۱۴۸
۷	اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرق من و تمثیل من	۱۳۶
۸	بشنو از نے چوں حکایت می کند و ز جدائی ہا شکایت می کند کز نیستان تا مرا ببریدہ اند از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تاکہ بگویم شرح درد اشتیاق	۲۴۷
۹	بودہ اندر جہاں چار سو ہر کہ گنجد اندر او میرد در او زندگی خواہی خودی را پیش کن چار سو را غرق اندر خویش کن باز بینی من کیم تو کیستی در جہاں چوں مردی و چوں زیستی	۲۴۵

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۱۰	بو علی اندر غبار ناقہ گم دست رومی پردہ محمل گرفت	۱۳۹
۱۱	چوں ایں جا بے خودی آورد ہوش عبارت را اشارت گفت خاموش	۱۵۳
۱۲	چیست دیں؟ در یافتن اسرار خویش زندگی مرگ است بے دیدار خویش بر مقام خود رسیدن زندگی ست ذات راہ بے پردہ دیدان زندگی ست	۱۴۸
۱۳	حق جان جہان است و جہاں جملہ بدن توحید ہمیں است، دگر حیلہ و فن	۱۵۲
۱۴	دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است کعبہ بنگاہ خلیل آذر است دل گذر گاہ جلیل اکبر است	۲۰۲، ۲۳۵

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحه
۱۵	دلا بحلقه رنداں ببزم عشق درآ که جرعه ز شراب دهند ترا اگر بقا طلبی اولت فنا باید که تا فنا نشوی ره نمی بری ببقاء	۲۴۳
۱۶	ذاکر هم ذکر و ذکر مذکور شود	۱۵۵
۱۷	سر من از ناله من دور نیست لیک چشم و گوش را آں نور نیست تن ز جان و جان زتن مستور نیست لیک کس را دید جاں دستور نیست	۱۵۲
۱۸	شنیده ام که سگاں را قلاده می بندی چرا بگردن حافظ نمی نهی رسنی	۲۱۲
۱۹	کرا جوئی چرا در پیچ و تابی که او پیدا ست تو زیر عقابی تلاش او کنی جز خود نه بینی تلاش خود کنی جز او نیابی	۱۴۷

Marfat.com

صفحہ	اشعار	نمبر شمار
۲۴۴	کمال زندگی دیدار ذات است طریقش رستن از بند جہات است	۲۰
۱۳۰	معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد	۲۱
۱۵۳	محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست مرز با نرا مشتری چوں گوش نیست	۲۲
۲۴۳	من تو شدم تومن شدی، من تن شدم تو جاں شدی تاکس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری	۲۳
۲۴۵	من کیستم، تو کیستی عالم کجا است؟ درمیان ما و تو دوری چراست؟ من چرا دربند تقدیرم بگو؟ تو نمیری من چرا میرم بگو؟	۲۴
۲۴۴	موسی ز ہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی	۲۵
۴۸	ہرکہ رمز لا الہ فہمیدہ است شرک را در خوف مضمر دیدہ است	۲۶

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۲۷	اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن	۱۴۸
۲۸	ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل خواص اس برزخ کبریٰ کو ہے حرف مشدّد کا	۸۵
۲۹	میری میں، فقیری میں، شاہی میں، غلامی میں کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ	۲۲۱
۳۰	بخدا، خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں	۹۳
۳۱	تری دنیا جہاں مرغ و ماہی میری دنیا فغاں صبح گاہی تیری دنیا میں میں محکوم و مجبور مری دنیا میں تیری بادشاہی	۱۴۵
۳۲	خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری	۲۳۶

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۳۳	خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم میر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے	۲۳۴
۳۴	خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے	۲۱۹
۳۵	دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی	۷۹
۳۶	دور بیٹھا غبارِ میر اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا	۲۴۱
۳۷	زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی اب مگر کیا ہے؟ فقط مسئلہ علم کلام!	۲۲۱
۳۸	سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد	۱۴۳
۳۹	سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا تجھ کو وگرنہ میں خدا ہوتا جو دل بے مدعا ہوتا	۸۱

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۴۰	صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے	۲۲۱
۴۱	عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی	۱۴۵
۴۲	عقل گو آستاں سے دور نہیں اس کی تقدیر میں حضور نہیں دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں	
۴۳	کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے کہ امیرِ کارواں میں نہیں ہے خوئے دل نوازی	۲۳۷
۴۴	گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے	۱۳۹
۴۵	مبتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ	۲۳۴

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۴۶	متاع بے بہا ہے درد و سوز و آرزو مندی مقامِ بندی دے کر نہ لوں شان خداوندی	۸۲
۴۷	میری انتہائے نگارش یہی ہے ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں	۲۱۴
۴۸	ہر ایک بات پہ کہتا تھا من نمی دانم یہ بات سچ ہے کہ اکبر بہت ہی عالم تھا	۱۴۰
۴۹	ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے، رہ روِ منزل ہی نہیں	۱۸۵
۵۰	ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی	۱۴۰
۵۱	یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا	۴۹

Marfat.com

نمبر شمار	اشعار	صفحہ
۵۲	یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون	۱۸۲
۵۳	علموں بس کریں او یار	۱۴۰

Marfat.com

کتابیات

Marfat.com

کتاب	مصنف ر متوفی	مطبوعہ ر سن طباعت
امداد المشتاق	اشرف علی تھانوی، ۱۳۶۲	لاہور، مکتبہ اسلامیہ
بہجۃ اسرار	نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف شطنوفی"۔ ولادت: ۶۴۴۔	مصر، مطبع مصطفےٰ البابی الحلبی ۱۳۳۰ھ
تفسیر ابن کثیر	ابو الفداء عماد الدین بن کثیر" ۷۷۴ھ	بیروت، دار المعرفہ
تفسیر البیضاوی	امام ناصر الدین البیضاوی" ۶۸۵ھ	بیروت الموسسۃ العلمی ۱۹۹۰ء
تفسیر حقانی	ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی" ۱۸۹۳ء	لاہور۔ فیصل ناشران وکتب
تفسیر خازن	علی بن محمد خازن" ۷۲۵ھ	بیروت دار المعرفہ
تفسیر فتح العزیز	شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ۱۲۳۹ھ	بھارت افغانی دار الکتب لال کنواں دہلی، ۱۳۱۱
التفسیر الکبیر	امام فخر الدین رازی، ۶۰۶ھ	تہران دار الکتب العلمیہ
جامع ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی" ۲۷۹ھ	ملتان، فاروقی کتب خانہ، ۱۹۸۳ء
الدرر المنتثرۃ	امام جلال الدین سیوطی" ۹۱۱ھ	مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی
الدر المنثور	امام جلال الدین سیوطی" ۹۱۱ھ	بیروت، دار المعرفۃ
الرسالۃ غوث اعظمؒ	خواجہ بندہ نواز گیسو دراز" ۸۲۳ھ	کراچی۔ ادارہ معارف اسلامیہ
سبل الھدی والرشاد	محمد بن یوسف الشامی، ۹۴۲ھ	قاہرہ، احیاء التراث الاسلامیہ ۱۴۱۰ھ
سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید القزوینی ۲۷۳ھ	کراچی، قدیمی کتب خانہ
سنن ابی داؤد	ابو داؤد سلیمان بن اشعث" ۲۷۵ھ	ملتان، مکتبہ امدادیہ ۱۳۱۶ھ
سنن الدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی ۲۵۵ھ	بھارت، مطبع نظامی کانپور، ۱۲۸۳ھ
السنن الکبریٰ	احمد بن حسین البیہقی" ۴۵۸ھ	ملتان، مکتبہ نشر السنۃ
سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی" ۳۰۳ھ	لاہور، فاروقی کتب خانہ
سیرت ابن ہشام	عبد الملک بن ہشام" ۲۱۳ھ	ملتان، مکتبہ فاروقی ۱۹۷۶ء
شرح المسلم	یحیٰ بن شرف النووی" ۶۷۶ھ	کراچی، مطبوعہ نور محمد، ۱۳۷۵ھ
شعب الایمان	احمد بن حسین بن علی البیہقی" ۴۵۸ھ	بیروت۔

Marfat.com

کتاب	مصنف / متوفی	مطبوعہ / سن طباعت
صحیح ابن خزیمہ	ابو بکر محمد بن اسحاق ''۳۱۱ھ	بیروت المکتبۃ الاسلامیہ
صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری'' ۲۵۶ھ	کراچی 'قدیمی کتب خانہ ۱۳۸۱ھ
صحیح مسلم	ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری'' ۲۶۱ھ	کراچی 'قدیمی کتب خانہ '۱۳۷۵ھ
فتوح الغیب	شیخ عبد القادر جیلانی'' ۵۶۱ھ	کراچی 'مدینہ پبلشر کمپنی' ۱۹۸۴
فی ظلال القرآن	سید قطب' ۱۹۶۶ء	بیروت 'احیاء التراث العربی' ۱۹۶۷ء
القرآن الکریم	منزل من اللہ	
الکشاف	محمود بن عمر زمخشری'' ۳۲۸ھ	قاہرہ 'مطبع الاستقامہ' ۱۹۵۳ء
کنز العمال	علی متقی بن حسام الدین'' ۹۷۵ھ	بیروت 'دار الفقیہہ
مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل'' ۲۴۱ھ	بیروت 'مکتبہ اسلامی' ۱۳۹۸ھ
مسند ابی یعلیٰ	امام ابو یعلیٰ الموصلی'' ۳۰۷ھ	بیروت 'دار الماعون التراث' ۱۴۰۶ھ
مصنف عبد الرزاق	عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی'' ۲۱۱ھ	کراچی، مجلس العلمی' ۱۹۶۳ء
معالم التنزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی'' ۵۱۶ھ	بیروت 'دار المعرفۃ 1995ء
المعجم الکبیر	حافظ سلیمان بن احمد الطبرانی'' ۲۶۰ھ	عراق 'موصل مکتبہ الزہرہ الحدیثیہ
المفردات	امام راغب اصفہانی'' ۵۰۲ھ	ایران مکتبہ المرتضویہ' ۱۳۲۴ھ
الیواقیت والجواہر	عبد الوہاب شعرانی'' ۹۷۳ھ	مصر 'مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی ۱۳۷۸ھ

Marfat.com

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف (اکتوبر، 2004ء تک)

A قرآنیات

01۔ عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-20، 30)
02۔ عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-15 جلد)
03۔ تفسیر منہاج القرآن (سورۃ الفاتحہ، جزو اوّل)
04۔ تفسیر منہاج القرآن (سورۃ البقرہ)
05۔ حکمتِ استعاذہ
06۔ تسمیۃ القرآن
07۔ معارف الکوثر
08۔ فلسفۂ تسمیہ
09۔ معارفِ اسم اللہ
10۔ مناھج العرفان فی لفظ القرآن
11۔ لفظِ ربُّ العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق
12۔ صفتِ رحمت کی شانِ امتیاز
13۔ اسمائے سورۂ فاتحہ
14۔ سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت
15۔ اُسلوب سورۂ فاتحہ اور نظامِ فکر و عمل
16۔ سورۂ فاتحہ اور تعلیماتِ طریقت
17۔ سورۂ فاتحہ اور اِنسانی زندگی کا اِعتقادی پہلو
18۔ شانِ اوّلیت اور سورۂ فاتحہ
19۔ سورۂ فاتحہ اور حیاتِ اِنسانی کا عملی پہلو (تصورِ عبادت)
20۔ سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت
21۔ فطرت کا قرآنی تصور
22۔ لا إکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ
23۔ کنز الایمان کی فنی حیثیت

B- ایمانیات

24۔ ارکانِ ایمان
25۔ اِیمان اور اِسلام
26۔ شہادتِ توحید
27۔ حقیقتِ توحید و رسالت
28۔ اِیمان بالرسالت
29۔ اِیمان بالکتب
30۔ اِیمان بالقدر
31۔ اِیمان بالآخرت
32۔ مومن کون ہے؟
33۔ مناظرۂ ڈنمارک

C- اِلٰہیات

34۔ اِطاعتِ الٰہی
35۔ ذکرِ الٰہی
36۔ محبتِ الٰہی
37۔ خشیتِ الٰہی اور اُس کے تقاضے

D- اِعتقادیات

38۔ عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شرک
39۔ مسئلہ اِستغاثہ اور اُس کی شرعی حیثیت
40۔ اِیصالِ ثواب اور اُس کی شرعی حیثیت
41۔ تصورِ بدعت اور اُس کی شرعی حیثیت
42۔ عقیدۂ توسل
43۔ عقیدۂ شفاعت
44۔ عقیدۂ علمِ غیب
45۔ شہرِ مدینہ اور زیارتِ رسول ﷺ
46۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور فتنۂ قادیانیت
47۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی
48۔ مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ

Marfat.com

49۔ مرزائے قادیان کی دِماغی کیفیت

50۔ عقیدۂ ختمِ نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف

51۔ خوابوں اور بشارات پر اِعتراضات کا علمی محاکمہ

52۔ فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

53۔ منافقت اور اُس کی علامات

54۔ سُنّیت کیا ہے؟

55۔ منہاجُ العقائد

56۔ تصورِ اِستعانت

E۔ سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ

57۔ مقدمہ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد اول)

58۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد دوم)

59۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد سوم)

60۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد چہارم)

61۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد پنجم)

62۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ششم)

63۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)

64۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)

65۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد نہم)

66۔ سیرۃُ الرسول ﷺ (جلد دہم)

67۔ سیرتِ نبوی ﷺ کا علمی فیضان

68۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت

69۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت

70۔ قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی و اِنقلابی فلسفہ

71۔ نورِ محمدی خلقت سے وِلادت تک (میلاد نامہ)

72۔ تاریخِ مولد النبی ﷺ

73۔ میلاد النبی ﷺ

74۔ مولدُ النبی ﷺ عند الأئمة و المحدثین

75۔ حیاۃُ النبی ﷺ

76۔ فلسفۂ معراجُ النبی ﷺ

77۔ قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ

78۔ حسنِ سراپائے رسول ﷺ

79۔ الاربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ

80۔ بُشریٰ للمؤمنین فی شفاعة سید المرسلین ﷺ

81۔ اسمائے مصطفیٰ ﷺ

82۔ خصائصِ مصطفیٰ ﷺ

83۔ شمائلِ مصطفیٰ ﷺ

84۔ برکاتِ مصطفیٰ ﷺ

85۔ معارف الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ

86۔ تحفة السرور فی تفسیر آیه نور

87۔ نور الابصار بذکر النبی المختار ﷺ

88۔ تذکارِ رسالت

89۔ ذکرِ مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)

90۔ فضیلتِ درود و سلام

91۔ اِیمان کا مرکز و محور (ذاتِ مصطفیٰ ﷺ)

92۔ عشقِ رسول ﷺ وقت کی اہم ضرورت

93۔ عشقِ رسول ﷺ اِستحکامِ ایمان کا واحد ذریعہ

94۔ غلامیٔ رسول حقیقی تقویٰ کی اَساس

95۔ تحفظِ ناموسِ رسالت

96۔ اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

F۔ عبادات

97۔ ارکانِ اسلام

98۔ فلسفۂ نماز

99۔ آدابِ نماز

100۔ نماز اور فلسفۂ اِجتماعیت

101۔ نماز کا فلسفۂ معراج

102۔ فلسفۂ صوم

Marfat.com

103- فلسفہ و اَحکامِ حج

G- روحانیات

104- الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر و الذاکرین

105- الفیوضات المحمدیہ ﷺ

106- حقیقتِ تصوف (جلد اول)

107- اِسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)

108- اِسلامی تربیتی نصاب (جلد دوم)

109- سلوک و تصوف کا عملی دستور

110- اَخلاقُ الانبیاء

111- تذکرے اور صحبتیں

112- حسنِ اَعمال

113- حسنِ اَحوال

114- حسنِ اَخلاق

115- صفائے قلب و باطن

116- فسادِ قلب اور اُس کا علاج

117- زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے

118- ہر شخص اپنے نشۂ عمل میں گرفتار ہے

119- ہمارا اصلی وطن

120- تربیت کا قرآنی منہاج

121- جرم، توبہ اور اِصلاحِ اَحوال

122- طبقاتِ العباد

123- حقیقتِ اعتکاف

H- فقہیات

124- منہاجُ شریعت

125- نص اور تعبیرِ نص

126- تحقیقِ مسائل کا شرعی اُسلوب

127- اِجتہاد اور اُس کا دائرۂ کار

128- عصرِ حاضر اور فلسفۂ اِجتہاد

129- تاریخِ فقہ میں ہدایہ اور صاحبِ ہدایہ کا مقام

130- الحکم الشرعی

I- تعلیمات

131- اِسلام کا تصورِ علم

132- علم...... توجیہی یا تخلیقی

133- دینی اور لادینی علوم کے اِصلاح طلب پہلو

134- تعلیمی مسائل پر اِنٹرویو

135- تعلیمات اسلام

J- اِقتصادیات

136- معاشی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل

137- بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ

138- بلاسود بنکاری اور اِسلامی معیشت

139- بجلی مہنگی کیوں؟ IPPS کا معاملہ کیا ہے؟

K- جہادیات

140- حقیقتِ جہاد

141- جہاد بالمال

142- فلسفۂ شہادتِ امام حسین علیہ السلام

143- شہادتِ امام حسین علیہ السلام (حقائق و واقعات)

144- شہادتِ امام حسین علیہ السلام ایک پیغام

145- ذبحِ عظیم (ذبحِ اسمٰعیل علیہ السلام سے ذبحِ حسین علیہ السلام تک)

L- فکریات

146- قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد اول)

147- قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد دوم)

148- مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام

149- منہاجُ الافکار (جلد اول)

150- منہاجُ الافکار (جلد دوم)

151- منہاجُ الافکار (جلد سوم)

152- اِسلامی فلسفۂ زندگی

Marfat.com

153۔ ہمارا دینی زوال اور اُسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج

154۔ اِیمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک

155۔ دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ

156۔ خدمتِ دین کی توفیق

157۔ قرآنی فلسفۂ تبلیغ

158۔ اِسلام کا تصورِ اِعتدال و توازن

159۔ حقوقِ والدین

160۔ اِسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام

161۔ نوجوان نسل دین سے دُور کیوں؟

162۔ عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری

163۔ تحریکِ منہاج القرآن 'اَفکار و ہدایات'

164۔ تحریکِ منہاج القرآن انٹرویوز کی روشنی میں

165۔ تحریکِ منہاج القرآن کی اِنقلابی فکر

166۔ روایتی سیاست یا مصطفوی اِنقلاب......!

167۔ اِجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر

168۔ اہم انٹرویو

169۔ الحقوق الانسانیۃ فی الاسلام

M- اِنقلابیات

170۔ نظامِ مصطفٰی (ایک اِنقلاب آفریں پیغام)

171۔ حصولِ مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی

172۔ پیغمبرانہ جدوجہد اور اُس کے نتائج

173۔ پیغمبرِ اِنقلاب اور صحیفۂ اِنقلاب

174۔ قرآنی فلسفۂ عروج و زوال

175۔ باطل قوتوں کو کھلا چیلنج

176۔ سفرِ اِنقلاب

177۔ مصطفوی اِنقلاب میں طلبہ کا کردار

178۔ سیرتُ النبی ﷺ اور اِنقلابی جدوجہد

179۔ مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام

N- سیاسیات

180۔ سیاسی مسئلہ اور اُس کا اِسلامی حل

181۔ تصورِ دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو

182۔ نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اِسلام

183۔ آئندہ سیاسی پروگرام

O- قانونیات

184۔ میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ

185۔ اِسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات

186۔ اِسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ

187۔ اِسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

P- شخصیات

188۔ پیکرِ عشقِ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

189۔ الأربعین: القول الوثیق فی مناقب الصدیق رضی اللہ عنہ

190۔ فضائل و مراتبِ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

191۔ حبِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم

192۔ السیف الجلی علٰی منکر ولایۃ علی رضی اللہ عنہ

193۔ سیرتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالی عنہا

194۔ سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا

195۔ سیرتِ سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء اللہ تعالی عنہا

196۔ الأربعین: الدرۃ البیضاء فی مناقب فاطمۃ الزھراء سلام اللہ علیہا

197۔ الأربعین: مرج البحرین فی مناقب الحسنین علیہما السلام

198۔ القول المعتبر فی الإمام المنتظر

199۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفۂ خودی

200۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں (بریلوی) کا علمی نظم

201۔ اِقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان

202۔ اِقبالؒ اور پیغامِ عشقِ رسول ﷺ

203۔ اِقبال اور تصورِ عشق

204۔ اِقبال کا مردِ مومن

Marfat.com

Q- اِسلام اور سائنس

205۔ اِسلام اور جدید سائنس

206۔ تخلیقِ کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی جائزہ)

207۔ اِنسان اور کائنات کی تخلیق و اِرتقاء

208۔ اَمراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر

209۔ شانِ اولیاء قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں

R- عربی کتب

210۔ معهد منهاج القرآن

211۔ التصوّر الاسلامی لطبیعةِ البشریة

212۔ نهجُ التربیةِ الإجتماعیةِ فی القرآن

213۔ التصوّر التشریعی للحکم الإسلامی

214۔ فلسفةُ الإجتهاد والعالم المعاصر

215۔ الجریمة فی الفقهِ الإسلامی

216۔ منهاجُ الخطبات للعیدینِ و الجمعات

217۔ قواعدُ الإقتصادِ فی الإسلام

218۔ الإقتصاد الأربوی والنظام المصر فی الإسلامی

S- انگلش کتب

219. 'Irfan-ul-Qur'an (English Translation of Holy Quran, part-1)

220. Sirat-ur-Rasul, vol.1

221. The Ghadir Declaration

222. The Awaited Imam

223. Creation of Man

224. Islamic Penal System and its Philosophy

225. Beseeching for Help (*Istighathah*)

226. Islamic Concept of Intermediation (*Tawassul*)

227. Real Islamic Faith and the Prophet's Stature

228. Greetings and Salutations on the Prophet (ﷺ)

29. Spiritualism and Magnetism

230. Islam on prevention of Heart Diseases

231. Islamic Philosophy of Human Life

232. Islam in Various Perspectives

233. Islam and Christianity

234. Islam and Criminality

235. Qur'anic Concept of Human Guidance

236. Islamic Concept of Human Nature

237. Divine Pleasure

238. Qur'anic Philosophy of Benevolence (*Ihsan*)

239. Islam and Freedom of Human Will

240. Islamic Concept of Law

241. Philosophy of Ijtihad and the Modern World

242. Qur'anic Basis of Constitutional Theory

243. Islam - The State Religion

244. Legal Character of Islamic Punishments

245. Legal Structure of Islamic Punishments

246. Classification of Islamic Punishments

247. Islamic Philosophy of Punishments

248. Islamic Concept of Crime

249. Qur'an on Creation and Expansion of Universe

250. Creation and Evolution of the Universe

Marfat.com

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی معرکہ آراء تصانیف (فروری 2003ء تک)

A- قرآنیات

01-عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-20،30)
02-عرفان القرآن (ترجمہ پارہ 1-15 جلد)
03-تفسیر منہاج القرآن (سورۃ الفاتحہ، جزو اول)
04-تفسیر منہاج القرآن (سورۃ البقرہ)
05-حکمت استعاذہ
06-تسمیۃ القرآن
07-معارف الکوثر
08-فلسفۂ تسمیہ
09-معارف اسم اللہ
10-مناهج العرفان فی لفظ القرآن
11-لفظِ رب العالمین کی علمی و سائنسی تحقیق
12-صفت رحمت کی شان امتیاز
13-اسمائے سورۂ فاتحہ
14-سورۂ فاتحہ اور تصور ہدایت
15-اُسلوب سورۂ فاتحہ اور نظام فکر و عمل
16-سورۂ فاتحہ اور تعلیمات طریقت
17-سورۂ فاتحہ اور انسانی زندگی کا اعتقادی پہلو
18-شان اولیت اور سورۂ فاتحہ
19-سورۂ فاتحہ اور حیات انسانی کا عملی پہلو (تصور عبادات)
20-سورۂ فاتحہ اور تعمیر شخصیت
21-فطرت کا قرآنی تصور
22-لا إکراہ فی الدین کا قرآنی فلسفہ
23-کنز الایمان کی فنی حیثیت

B- ایمانیات

24-ارکانِ ایمان
25-ایمان اور اسلام
26-شہادتِ توحید
27-حقیقت توحید و رسالت
28-ایمان بالرسالت
29-ایمان بالکتب
30-ایمان بالقدر
31-ایمان بالآخرت
32-مومن کون ہے؟
33-مناظرۂ ڈنمارک

C- الٰہیات

34-اطاعت الٰہی
35-ذکر الٰہی
36-محبت الٰہی
37-خشیت الٰہی اور اُس کے تقاضے

D- اعتقادیات

38-عقیدۂ توحید اور حقیقت شرک
39-مسئلہ استغاثہ اور اُس کی شرعی حیثیت
40-ایصالِ ثواب اور اُس کی شرعی حیثیت
41-تصور بدعت اور اُس کی شرعی حیثیت
42-عقیدۂ توسل
43-عقیدۂ شفاعت
44-عقیدۂ علم غیب
45-شہر مدینہ اور زیارت رسول ﷺ
46-عقیدۂ ختم نبوت اور فتنۂ قادیانیت

Marfat.com

47- عقیدۂ ختم نبوت اور مرزا غلام احمد قادیانی
48- مرزائے قادیان اور تشریعی نبوت کا دعویٰ
49- مرزائے قادیان کی دماغی کیفیت
50- عقیدۂ ختم نبوت اور مرزائے قادیان کا متضاد موقف
51- خوابوں اور بشارات پر اعتراضات کا علمی محاکمہ
52- فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
53- منافقت اور اُس کی علامات
54- سُنّیت کیا ہے؟
55- منہاجُ العقائد
56- تصورِ استعانت

E- سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ

57- مقدمہ سیرۃ الرسول ﷺ (جلد اول)
58- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دوم)
59- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد سوم)
60- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد چہارم)
61- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد پنجم)
62- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ششم)
63- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہفتم)
64- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد ہشتم)
65- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد نہم)
66- سیرۃ الرسول ﷺ (جلد دہم)
67- سیرتِ نبوی ﷺ کا علمی فیضان
68- سیرتِ نبوی ﷺ کی تاریخی اہمیت
69- سیرتِ نبوی ﷺ کی عصری و بین الاقوامی اہمیت
70- قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ کا نظریاتی و انقلابی فلسفہ
71- نورِ محمدی خلقت سے ولادت تک (میلاد نامہ)
72- تاریخ مولد النبی ﷺ
73- جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت
74- جشنِ عید میلاد النبی ﷺ ائمہ و محدثین کے اقوال کی روشنی میں
75- حیاۃ النبی ﷺ
76- فلسفۂ معراج النبی ﷺ
77- قرآن اور شمائلِ نبوی ﷺ
78- حسنِ سراپائے رسول ﷺ
79- الاربعین فی فضائل النبی الامین ﷺ
80- بُشریٰ للمؤمنین فی شفاعۃ سید المرسلین ﷺ
81- اسمائے مصطفیٰ ﷺ
82- معارف الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ
83- تحفۃ السرور فی تفسیر آیہ نور
84- نور الابصار بذکر النبی المختار ﷺ
85- تذکارِ رسالت
86- خصائصِ مصطفیٰ ﷺ
87- ذکرِ مصطفیٰ ﷺ (کائنات کی بلند ترین حقیقت)
88- فضیلتِ درود و سلام
89- ایمان کا مرکز و محور (ذاتِ مصطفیٰ ﷺ)
90- عشقِ رسول ﷺ وقت کی اہم ضرورت
91- عشقِ رسول ﷺ استحکامِ ایمان کا واحد ذریعہ
92- غلامیٔ رسول حقیقی تقویٰ کی اساس
93- تحفظ ناموسِ رسالت
94- اسیرانِ جمالِ مصطفیٰ ﷺ

F- عبادات

95- ارکانِ اسلام
96- فلسفۂ نماز
97- آدابِ نماز
98- نماز اور فلسفۂ اجتماعیت

Marfat.com

99۔ نماز کا فلسفۂ معراج

100۔ فلسفۂ صوم

101۔ فلسفہ و احکام حج

G- روحانیات

102۔ حقیقتِ تصوف (جلد اول)

103۔ اسلامی تربیتی نصاب (جلد اول)

104۔ اسلامی تربیتی نصاب (جلد دوم)

105۔ سلوک و تصوف کا عملی دستور

106۔ اَخلاق الانبیاء

107۔ تذکرے اور صحبتیں

108۔ حسنِ اَعمال

109۔ حسنِ اَحوال

110۔ حسنِ اَخلاق

111۔ صفائے قلب و باطن

112۔ فسادِ قلب اور اُس کا علاج

113۔ زندگی نیکی اور بدی کی جنگ ہے

114۔ ہر شخص اپنے نشۂ عمل میں گرفتار ہے

115۔ ہمارا اصلی وطن

116۔ تربیت کا قرآنی منہاج

117۔ جرم، توبہ اور اصلاحِ اَحوال

118۔ طبقات العباد

119۔ حقیقتِ اعتکاف

H- فقہیات

120۔ منہاج المسائل

121۔ نص اور تعبیر نص

122۔ تحقیق مسائل کا شرعی اُسلوب

123۔ اجتہاد اور اُس کا دائرۂ کار

124۔ عصر حاضر اور فلسفۂ اجتہاد

125۔ تاریخ فقہ میں ہدایہ اور صاحب ہدایہ کا مقام

I- تعلیمات

126۔ اسلام کا تصورِ علم

127۔ علم ...... توجیہی یا تخلیقی

128۔ دینی اور لادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو

129۔ تعلیمی مسائل پر انٹرویو

130۔ تعلیمات اسلام

J- اِقتصادیات

131۔ معاشی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل

132۔ بلاسود بنکاری کا عبوری خاکہ

133۔ بلاسود بنکاری اور اسلامی معیشت

134۔ بجلی مہنگی کیوں؟ IPPS کا معاملہ کیا ہے؟

K- جہادیات

135۔ حقیقتِ جہاد

136۔ جہاد بالمال

137۔ فلسفۂ شہادتِ امام حسین علیہ السلام

138۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام (حقائق و واقعات)

139۔ شہادتِ امام حسین علیہ السلام ایک پیغام

140۔ ذبح عظیم (ذبح اسمٰعیل علیہ السلام سے ذبح حسین علیہ السلام تک)

L- فکریات

141۔ قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد اول)

142۔ قرآنی فلسفۂ انقلاب (جلد دوم)

143۔ مقصد بعثتِ انبیاء علیہم السلام

144۔ منہاج الافکار (جلد اول)

145۔ منہاج الافکار (جلد دوم)

Marfat.com

146۔ منہاج الافکار (جلد سوم)
147۔ اسلامی فلسفۂ زندگی
148۔ ہمارا دینی زوال اور اُسکے تدارک کا سہ جہتی منہاج
149۔ ایمان پر باطل کا سہ جہتی حملہ اور اُس کا تدارک
150۔ دورِ حاضر میں طاغوتی یلغار کے چار محاذ
151۔ خدمتِ دین کی توفیق
152۔ قرآنی فلسفۂ تبلیغ
153۔ اسلام کا تصورِ اعتدال و توازن
154۔ حقوقِ والدین
155۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام
156۔ نوجوان نسل دین سے دُور کیوں؟
157۔ عصرِ حاضر کے جدید مسائل اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری
158۔ تحریکِ منہاج القرآن 'افکار و ہدایات'
159۔ تحریکِ منہاج القرآن انٹرویوز کی روشنی میں
160۔ تحریکِ منہاج القرآن کی انقلابی فکر
161۔ روایتی سیاست یا مصطفوی انقلاب......!
162۔ اجتماعی تحریکی کردار کے چار عناصر
163۔ اہم انٹرویو

M- انقلابیات

164۔ نظامِ مصطفیٰ (ایک انقلاب آفریں پیغام)
165۔ حصولِ مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی
166۔ پیغمبرانہ جدوجہد اور اُس کے نتائج
167۔ پیغمبرِ انقلاب اور صحیفۂ انقلاب
168۔ قرآنی فلسفۂ عروج و زوال
169۔ باطل قوتوں کو کھلا چیلنج
170۔ سفرِ انقلاب
171۔ مصطفوی انقلاب میں طلبہ کا کردار
172۔ سیرت النبی ﷺ اور انقلابی جدوجہد
173۔ مقصدِ بعثت انبیاء علیہم السلام

N- سیاسیات

174۔ سیاسی مسئلہ اور اُس کا اسلامی حل
175۔ تصورِ دین اور حیاتِ نبوی ﷺ کا سیاسی پہلو
176۔ نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اسلام
177۔ آئندہ سیاسی پروگرام

O- قانونیات

178۔ میثاقِ مدینہ کا آئینی تجزیہ
179۔ اسلامی قانون کی بنیادی خصوصیات
180۔ اسلامی اور مغربی تصورِ قانون کا تقابلی جائزہ
181۔ اسلام میں سزائے قید اور جیل کا تصور

P- شخصیات

182۔ پیکرِ عشقِ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
183۔ فضائل و مراتب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ
184۔ حبِ علی کرم اللہ وجہہ الکریم
185۔ السیف الجلی علی منکر ولایۃ علی رضی اللہ عنہ
186۔ سیرتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
187۔ سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
188۔ سیرتِ سیدۂ عالم فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
189۔ القول المعتبر فی الإمام المنتظر
190۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور فلسفۂ خودی
191۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں (بریلوی) کا علمی نظم
192۔ اقبالؒ کا خواب اور آج کا پاکستان
193۔ اقبالؒ اور پیغامِ عشقِ رسول ﷺ
194۔ اقبال اور تصورِ عشق
195۔ اقبال کا مردِ مومن

Marfat.com

Q- اِسلام اور سائنس

196 ۔ اسلام اور جدید سائنس

197 ۔ تخلیقِ کائنات (قرآن اور جدید سائنس کا تقابلی جائزہ)

198 ۔ انسان اور کائنات کی تخلیق و ارتقاء

199 ۔ اَمراضِ قلب سے بچاؤ کی تدابیر

200 ۔ شانِ اولیاء قرآن اور جدید سائنس کی روشنی میں

R- عربی کتب

201 ۔ معهد منهاج القرآن

202 ۔ التصوّر الاسلامی لطبیعةِ البشریة

203 ۔ نهجُ التربیةِ الإجتماعیةِ فی القرآن

204 ۔ التصوّر التشریعی للحکم الإسلامی

205 ۔ فلسفةُ الإجتهاد و العالم المعاصر

206 ۔ الجریمة فی الفقهِ الإسلامی

207 ۔ منهاجُ الخطبات للعیدینِ و الجمعات

208 ۔ قواعدُ الإقتصادِ فی الإسلام

209 ۔ الإقتصاد الأربوی و النظام المصر فی الإسلامی

S- انگلش کتب

210. 'Irfan-ul-Qur'an (English Translation of Holy Quran, part-1)

211. Sirat-ur-Rasul, vol.1

212. The Ghadir Declaration

213. The Awaited Imam

214. Creation of Man

215. Islamic Penal System and its Philosophy

216. Beseeching for Help (*Istighathah*)

217. Islamic Concept of Intermediation (*Tawassul*)

218. Real Islamic Faith and the Prophet's Stature

219. Greetings and Salutations on the Prophet (saw)

220. Spiritualism and Magnetism

221. Islam on prevention of Heart Diseases

222. Islamic Philosophy of Human Life

223. Islam in Various Perspectives

224. Islam and Christianity

225. Islam and Criminality

226. Qur'anic Concept of Human Guidance

227. Islamic Concept of Human Nature

228. Divine Pleasure

229. Qur'anic Philosophy of Benevolence (*Ihsan*)

230. Islam and Freedom of Human Will

231. Islamic Concept of Law

232. Philosophy of Ijtihad and the Modern World

233. Qur'anic Basis of Constitutional Theory

234. Islam - The State Religion

235. Legal Character of Islamic Punishments

236. Legal Structure of Islamic Punishments

237. Classification of Islamic Punishments

238. Islamic Philosophy of Punishments

239. Islamic Concept of Crime

240. Qur'an on Creation and Expansion of Universe

241. Creation and Evolution of the Universe

Marfat.com

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب درج ذیل شہروں میں دستیاب ہیں

لاہور (پنجاب)

نمبر شمار	نام کتب خانہ
1	منہاج القرآن پبلی کیشنز، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، 38۔ اردو بازار لاہور - فون: 7320682-7312801
2	فیروز سنز مال روڈ لاہور فون 98-6301196
3	ماورا بکس مال روڈ لاہور فون 6303390
4	ملٹی لائن بکس ریگل چوک لاہور فون 7353564
5	ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور فون 7221953
6	سنگ میل پبلی کیشنز لوئر مال لاہور فون 7220100
7	پبلشرز یونائیٹڈ انارکلی لاہور فون 7352238
8	مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار لاہور فون 7237500
9	اسلام بکڈپو گنج بخش روڈ لاہور فون 7352795
10	اظہار سنز اردو بازار لاہور فون 7357579
11	شیخ غلام حسین اینڈ سنز اردو بازار لاہور فون 7247292
12	مکتبہ جمال کرم دربار مارکیٹ مرکز اویس بھائی لاہور فون 7113653
13	مکتبہ نبویہ رضویہ گنج بخش روڈ لاہور فون 7324948
14	الائیڈ بک کمپنی نقی مارکیٹ ریگل چوک لاہور

راولپنڈی۔اسلام آباد

1	مسٹر بکس اسلام آباد فون 278843
2	بک ٹاؤن F-10 مرکز اسلام آباد فون 299604
3	احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی فون 5558320

Marfat.com

4 مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون 5552781

5 مکتبہ ملت فیصل مسجد اسلام آباد فون 254111

متفرق سیل پوائنٹس

1 قدیمی اسلامی کتب خانہ خدایار اندرون بوہڑ گیٹ ملتان فون 540079

2 کارواں بک سینٹر ڈیفنس ملتان فون 544714

3 مکتبہ اسلامیہ لالہ موسیٰ فون 512453

4 اقراء بک سیلرز رسول پلازہ کارنر امین پور بازار فیصل آباد فون 626250

5 مکتبہ نوریہ، نزد دربار بابا بلھے شاہ قصور

6 وحید کاپی ہاؤس اردو بازار قصور فون 761337

7 بک کارنر مین بازار جہلم فون 624306

8 طارق بک سینٹر شاندار چوک جہلم فون 622108

9 حافظ بک ایجنسی اقبال روڈ سیالکوٹ فون 594495

10 جاوید بک ڈپو اردو بازار شیخوپورہ فون 53122

11 چوہدری امانت علی اینڈ سنز ریلوے روڈ رحیم یار خان فون 72626

12 مکتبہ سعیدیہ رضویہ نیوالہی مارکیٹ فوارہ چوک گجرات

13 فاروق سٹیشنری مارٹ مین بازار کھاریاں

14 انصاف کتاب گھر بلاک نمبر 8 ڈیرہ غازی خان

15 مکتبہ زکریا بلاک نمبر 10 ڈیرہ غازی خاں

16 چوہدری بک ڈپو دینہ جہلم

17 چوہدری بک سیلرز جی ٹی روڈ دینہ فون 631374

18 منہاج القرآن اسلامک سیل سنٹر، ضیاء مارکیٹ، سرگودھا، فون 721630

Marfat.com

سرحد

1 یونیورسٹی بک ڈپو خیبر بازار پشاور فون 212534

2 مدینہ بک بنک G-30 بلور پلازا پشاور کینٹ

بلوچستان

1 بلال کلینک ابراہیم سٹریٹ میکانگی روڈ کوئٹہ بلوچستان فون 844313

حیدر آباد (سندھ)

1 ہاشمیہ بک سنٹر گاڑی کھاتہ حیدر آباد سندھ فون 28769

2 جاپان کلاتھ ہاؤس تلک چاڑی روڈ حیدر آباد سندھ فون 619534

سکھر

1 کتاب مرکز سکھر (سندھ) فون 25755

2 قادری بک سٹور نیم کی چاڑی اردو بازار سکھر فون 26420

کراچی

1 ضیاء القرآن اردو بازار کراچی فون 2630411

2 عباسی کتب عباسی جونا مارکیٹ کراچی فون 7526456

3 مکتبہ المدینہ اردو بازار کراچی فون 2628331

4 محمد سعید اینڈ سنز اردو بازار کراچی فون 213117

5 علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی فون 218713

6 ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی

7 مکتبہ برہان اردو بازار کراچی فون 2636569

8 دار الاشاعت اردو بازار کراچی فون 2631861

9 رحمن بک ہاؤس اردو بازار کراچی فون 7766751

Marfat.com

تسمیہ کی عملی حکمت وافادیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کو جملہ امور حیات میں غرور اور فخر ومباہات کا انداز ترک کر دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان جب بھی کوئی کام کرنے لگے، خواہ اس میں اس کی کتنی محنت ومشقت ملوث ہو۔ کتنی صلاحیتیں اور استعدادیں زیر کار ہوں اور اس سے بے شک اس کے کتنے ہی شخصی اوصاف وکمالات اجاگر ہو رہے ہوں ۔لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے تاکہ اس کے ذہن میں یہ راسخ رہے کہ یہ سب کچھ رب کائنات کی مدد سے انجام پا رہا ہے۔ اس کی اعانت ونصرت کے بغیر میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہوں ۔ میری تمام قوتوں اور صلاحیتوں کا سرچشمہ وہی ذات ہے۔ تسمیہ انسان کے عمل کو کبر ونخوت سے پاک کر کے تواضع اور انکساری کے زیور سے آراستہ کرتا ہے اور انسان کو ہمیشہ اپنی بے بسی اور بے کسی کی طرف متوجہ کرتا رہتا ہے، تاکہ اس کے دل ودماغ میں رعونت کا بت تعمیر نہ ہونے پائے۔ انسان اپنے اعمال وافعال اور کامیابیوں اور کامرانیوں میں بجائے اپنی صلاحیتوں پر فخر کرنے کے ہمہ وقت اس کے سامنے جھکتا اور اس کا شکر بجالاتا رہے۔

BA-0028-0

Marfat.com